لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ

سلسلۂ دار المصنفین

نمبر ۳۲

سیر الصحابہؓ کے حصۂ مہاجرین کی دوسری جلد

مہاجرینؓ

حصۂ اول

جس مین

بقیہ حضرات عشرہ مبشرہؓ، واکابر بنی ہاشم و قریش، اور اُن حضرات صحابہؓ کے حالات، سوانح، اخلاق و فضائل، اور اُن کے مذہبی، علمی، سیاسی مجاہدات اور کارنامے ہین جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے، شروع مین ایک مقدمہ ہے جسمین قریش کی تاریخ اور قبائل مہاجرینؓ کی تفصیل ہے

از

مولانا حاجی معین الدین صاحب ندوی مرحوم، سابق رفیق دار المصنفین

باہتمام مولانا مسعود علی ندوی

مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڈھ مین چھپی

طبع ثانی

۱۹۵۱ء

فہرست مضامین

مہاجرینؓ حصۂ اوّل

اسمائے مہاجرین

(بہ ترتیب کتاب)

اسمائے مہاجرین

(بہ ترتیب حروف تہجی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ جلد ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات مین ہے، جو فتح مکہ کے پہلے اسلام لائے، چونکہ اسلام مین ان بزرگون کی حیثیت بہت بڑی ہے، اس لیے ان کو سب سے اول جگہ دیگئی، اور ان مین بھی چارون خلفاے راشدین رضی کے بعد جنکے حالات مین ایک مستقل جلد چھپ چکی ہے، عشرہ مبشرہ مین سے باقی چھ بزرگوار اس جلد مین مذکور ہین، اور ان کو تمام مہاجرین رضی مین سب سے پہلے ذکر کیا گیا ہے،

یہ جلد بھی ہمارے رفیق عزیز مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی کی تالیف ہے، مقدس حضرت ابن عباس رض اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رض کے فضل و کمال و اخلاق کا حصہ ان کے ہمنام اور ہم مدرسہ مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دار المصنفین نے لکھا ہے، آیندہ حصہ تمام و کمال ان ہی کا ہوگا،

کتاب مین دو فہرستین لگائی گئی ہین، ایک مین کتاب کی ترتیب کے مطابق نامون کی فہرست ہے اور دوسری مین حروفِ تہجی کے اعتبار سے نام لکھے گئے ہین، تاکہ تلاش و مراجعت مین لوگون کو آسانی ہو،

سید سلیمان ندوی، ناظم دار المصنفین

۲۳/اکتوبر سنہ ۱۹۲۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُقدّمہ

اسلام سے پہلے مہاجرین کے خانوادے

مورخینِ اسلام اور علماے انساب نے عرب کی تین قسمین قرار دی ہین، بائدہ، عاربہ اور مستعربہ بعض صرف دو پر اکتفا کرتے ہین، عاربہ اور مستعربہ،

عرب بائدہ عرب کے وہ قبائل ہین جن کا زمانہ اس قدر قدیم ہے کہ تاریخون مین ان کے تفصیلی حالات نہین ملتے، البتہ عرب کے اشعار مین جا بجا ان کا ذکر آجاتا ہے یا الہامی کتابون مین کہین کہین حالات مل جاتے ہین، یہ قبائل عاد، ثمود، طسم، جدیس وغیرہ ہین، عرب عاربہ وہ قحطانی قبائل ہین، جو یمن اور اُس کے قرب وجوار مین آباد ہوئے، ان مین سے حمیر، کہلان، بنی عمرو وغیرہ مشہور ہین، ان کے حالات کثرت سے ملتے ہین، اور ان کی عظیم الشان یادگارین ابھی تک سرزمینِ عرب مین موجود ہین،

تیسرا طبقہ عرب مستعربہ کا ہے، اور یہی ہمارا موضوعِ بحث ہے کہ اسی سے سلسلہ اسمٰعیلی کی ابتدا ہوئی، جس مین مہاجرین کے اکثر خاندان داخل ہین، حضرت ابراہیمؑ نے جب اپنے بیٹے اسمٰعیل اور اپنی بیوی ہاجرہ کو "وادیِ غیر ذی زرع" مین بسایا، تو وہان اس وقت جرہمی قبائل آباد تھے، ان مین حضرت اسمٰعیلؑ نے شادی

کی اور ان سے جو نسل چلی وہ عرب مستعربہ کے نام سے موسوم ہوئی، حضرت اسمٰعیل کے گیارہ اولادین ہوئین، جن مین ایک کا نام قیدار تھا، قیدار کی نسل مین سب سے مشہور عدنان گذرا ہے، قریش کے تمام قبائل، اور مہاجرین کے اکثر قبیلون کا سلسلۂ نسب عدنان ہی تک آکر منتہی ہوجاتا ہے، اس طرح یہ سلسلہ تاریخ کے تین دورون پہ منقسم ہوجاتا ہے، ایک حضرت اسمٰعیل سے عدنان تک، دوسرا عدنان سے فہر تک، اور تیسرا فہر سے آنحضرت تک مہاجرین کے حالات مین اگرچہ پہلے اور دوسرے دورون کا تذکرہ کرنا ضروری نہین ہے، اور صرف قریش کے حالات کا لکھدینا کافی ہے، مگر اس خیال سے کہ اس سلسلہ کی تمام کڑیان سامنے آجائین، پہلے دور کا اجمالی اور دوسرے دور کا کسی قدر تفصیلی اور تیسرے دور کا نہایت مفصل طور پر تذکرہ کرتے ہین،

دور اول

حضرت اسمٰعیل کی گیارہ اولادون مین نابت اور قیدار نے نہایت جاہ وجلال اور دنیاوی اعزاز حاصل کیا، مورخین اس بارہ مین مختلف الرائے ہین کہ عدنان آل نابت سے تھا یا آل قیدار سے، بعض عدنان کو نابت کی اولاد بتلاتے ہین، اور بعض قیدار کی، مگر اکثریت اسی طرف ہے کہ عدنان کا سلسلۂ نسب قیدار سے ملتا ہے، چنانچہ مورخ ابوالفداء نے بھی اختلاف کو لکھکر اسی قول کو ترجیح دی ہے[1]، قیدار اپنے تمام بھائیون مین زیادہ ممتاز اور نامآور تھا، اور اسی کی نسل سے مشہور قبائل اور اشخاص پیدا ہوئے حتی کہ دنیا کو سب سے بڑے انسان یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی کی نسل مین پیدا ہوئے، الہامی صحائف مین قیدار کا نام ایک صاحب سطوت شخص اور اس کی اولاد کا تذکرہ ایک جری وبہادر قوم کی حیثیت سے آیا ہے، چنانچہ یسعیاہ نبی فرماتے ہین کہ قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی، اور تیر اندازون کے جو باقی رہے قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائینگے کہ خداوند

---

[1] ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۰۷

اسرائیل کے خدا نے یون فرمایا،، (یسعیاہ باب ۲۱ آیہ ۱۶، ۱۷)

اس عظمت وشجاعت کے علاوہ تعداد کی کثرت کے اعتبار سے بھی ان کی بستیان آباد تھین، چنانچہ یسعیاہ نبی فرماتے ہین، "قیدار کی آباد بستیان اپنی آواز بلند کرین گی،، (یسعیاہ باب ۴۲ آیہ ۱۱) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عام بدویون کی طرح ان کے قبائل منتشر نہ تھے، بلکہ ان کی بستیان منظم اور ان کی معاشرت اجتماعی تھی، اجتماعی زندگی کے لئے ایک نظام اور ناظم کی سخت ضرورت ہے، جو لوگون کو منتظم اور منضبط رکھ سکے، ورنہ اجتماعی زندگی نہین پیدا ہو سکتی، چنانچہ آل اسمعیل مین بھی اگرچہ باقاعدہ حکومت نہ تھی، تاہم وہ ایک سردار کے ماتحت زندگی بسر کرتے تھے، اور بنو اسمعیل کے علاوہ ان کے پڑوسی قبائل بھی اس سردار کی اطاعت ضروری سمجھتے تھے، چنانچہ بنو جرہم ہمیشہ آل اسمعیل کے اطاعت گذار رہے،[1] آل قیدار کی زندگی اگرچہ بدویانہ تھی، اور ان کا تمدن سادہ تھا، تاہم بالکل بدوی نہ تھے، بلکہ تمدن کے کچھ آثار بھی ان مین پائے جاتے تھے، اور تنہا بھیڑ بکریون کی کھال اور دودھ پر ان کی زندگی کا دارومدار نہ تھا، اس سے ترقی کر کے وہ تجارت بھی کرتے تھے، چنانچہ حزقیال نبی فرماتے ہین "عرب اور قیدار کے سب امیر تجارت کی راہ مین تیرے علاقہ مند تھے، وہ برے اور مینڈھے اور بکری لے کے تیرے ساتھ تجارت کرتے تھے (حزقیال باب ۲۷ آیہ ۲۱) اسمعیلی قبائل نے تجارت کو اسقدر فروغ دیا کہ وہ تجارتی اشیاء لے کر ملکون ملکون پھرتے تھے، چنانچہ وہ مشہور قافلہ جس نے حضرت یوسف کو کنوئین سے نکالا تھا، اسمعیلی تھا، اور بغرض تجارت مصر جارہا تھا، چنانچہ توراۃ مین ہے کہ جب حضرت یوسف نے آنکھ اٹھائی تو دیکھا کہ اسمعیلیون کا ایک قافلہ جلعاد سے گرم مصالحہ اور روغن بلسان اور مر اونٹون پر لادے ہوئے ہے کہ انھین مصر کو لیجائے (پیدائش باب ۳۷ آیہ ۲۵) اس تجارتی ترقی کا نتیجہ تمول اور تمول کا نتیجہ تمدن تھا، چنانچہ ان کی عورتین سونے کے زیورات استعمال کرتی تھین، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمول کے ساتھ ان مین تمدن بھی آچلا تھا، توراۃ مین ایک موقع پر ان زیورات کا ذکر آیا ہے "جدعون نے انھین

[1] یعقوبی جلد ۱ ص ۲۵۴

کہا کہ میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک شخص اپنے لوٹ کے کرن پھول مجھے دے کہ ان کے کرن پھول سونے کے تھے اس لئے کہ وہ اسمٰعیلی تھے" (قضاۃ باب ۸ آیۃ ۲۴)

ان مذکورۂ بالا شہادتوں سے معلوم ہوا کہ اسمٰعیلی قبائل بداوت کے ابتدائی دور میں نہ تھے بلکہ اس سے نکل کر تمدنی شاہراہ اختیار کرلی تھی یعنی ان میں دنیاوی شان و شوکت کے ساتھ ساتھ تجارت بھی پھیلی ہوئی تھی معاشرت بھی اجتماعی اور منتظم تھی، ان کی عورتیں سونے کے زیورات استعمال کرتی تھیں،

یہ تو بنی اسرائیل کے صحیفوں کی شہادتیں ہیں ہماری تاریخوں میں بھی کثرت سے ان کے حالات ملتے ہیں، اور ان سے بھی ان کی عزت و احترام کا پتہ چلتا ہے، بنو اسمٰعیل کی ابتدائی تاریخ خانۂ کعبہ سے وابستہ ہے اس لئے ہم بھی خانۂ کعبہ ہی کی روشنی میں ان کے حالات تلاش کرتے ہیں، خانۂ کعبہ کی تولیت آل اسمٰعیل میں بڑی عزت کی چیز تھی، کعبہ کا متولی ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت رکھتا تھا، تمام قبائل اس کا احترام کرتے تھے، دوسرے لفظوں میں کعبہ کی تولیت عرب کی بادشاہی کے مرادف تھی، حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد اس تولیت کا شرف قیدار کو حاصل ہوا، مگر حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل سے یہ سلسلہ دو ہی پشتوں کے بعد منقطع ہوگیا، کیونکہ جب حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں نفوس کی کثرت ہوئی، اور ارض حرم میں اتنی گنجائش باقی نہ رہی، کہ وہ ان سب کو اپنے دامن میں سمیٹ سکے، تو وہ لوگ حرم سے نکل کر اس کے اطراف و جوانب میں پھیل گئے، اور صرف چند اشخاص حرم کی پاسبانی کے لئے رہ گئے، مگر یہ سب صغیر السن تھے، اور اس صغر سنی کی وجہ سے تولیت کعبہ کے فرائض نہیں ادا کرسکتے تھے، حضرت اسمٰعیلؑ کے سسرالی قبیلہ جرہم میں یہ عہدہ منتقل ہوگیا، اور مضاض جرہمی اس پر فائز ہوا، چنانچہ حارث جرہمی کہتا ہے،[1]

وکنا ولاة البيت من بعد نابت   نطوف بذاك البيت والامر ظاهر

بنو جرہم میں اس اعزاز کو دیکھ کر سمیدع بن ہوبر عمالقی کو رشک ہوا، اور مضاض جرہمی سے آمادۂ جنگ

[1] ابو الفداء، جلد ۱، صفحہ ۱۰۵،

ہوگیا، مگر شکست کھائی اور جرہم مین کئی پشتون تک یہ منصب قائم رہا، مگر انھون نے اپنی حکومت کے زعم مین ظلم وستم اور فسق وفجور کا ایک ہنگامہ برپا کردیا، اور سبسے زیادہ نفرت انگیز اور قابلِ مذمت حرکت یہ کی کہ حرمتِ کعبہ کا بھی خیال نہ رکھا، اور حجاج پر زیادتیان کرنے لگے، حرم کا چڑھاوا کھا جاتے، لوگون کو طرح طرح سے ستاتے، غرضکہ ہر طرح خلق اللہ کو پریشان کرنا شروع کردیا، آلِ اسمٰعیل ان کی ناروا حرکتون کو دیکھتے تھے، مگر اوّل تو عزیزداری کے پاس سے کچھ نہین بولتے تھے، دوسرے حرم مین کشت وخون کو ناپسند کرتے تھے کہ ان کے اخراج مین خونریزی کا ہونا یقینی تھا، آخرکار حرم کی توہین اور خلق اللہ کے مصائب کو دیکھکر بنو بکر اور عیشان نے سختی سے اس کا تدارک کیا، یہان تک کہ جنگ کی نوبت آئی اور ایک خونریز جنگ کے بعد بنو جرہم کو یمن کی طرف بھگا کر حرم کو ہمیشہ کے لئے ان کی نجاستون سے پاک کردیا، یہ شکست خوردہ تو تھے ہی انھون نے چلتے چلتے حجر اسود کو اکھاڑ کر اس کو حرم کے دیگر تبرکات کے ساتھ چاہِ زمزم مین پھینک کر کوئین کو پاٹ دیا،[1]

اس تاریخ سے حرم کی تولیت، اور مکہ کی سیادت پھر آلِ اسمٰعیل مین لوٹ آئی اور چند پشتون کے بعد عدنان تک پہنچی، ابھی عدنان کا دور تھا کہ بخت نصر کا ملکِ عرب پر زبردست حملہ ہوا، جس سے عربون کی قوتین ٹوٹ گئین، سارا عرب ویران ہوگیا، اور تمام ملک مین خاک اڑنے لگی عدنان اسی حملہ مین مارا گیا، مگر اس کے لڑکے معد کو ارمیانبی نے بچالیا، جس سے آیندہ نسل پھیلی،[2]

دورِ دوم

پہلے دور مین حضرت اسمٰعیل ؑ سے لیکر عدنان تک کے مختصر حالات لکھے گئے ہین، دوسرے دور مین عدنان سے فہر تک کسی قدر تفصیل ہوگی، کیونکہ مہاجرین کا سلسلۂ نسب اسی ہُنک منتہی ہوتا ہے، عدنان کا سلسلۂ نسب

---

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۶۴، ۶۵، [2] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۹۹،۲۳۹،

باتفاقِ نسابین حضرت اسمٰعیلؑ تک پہونچتا ہے، لیکن درمیانی پشتون کی تعداد اور ان کے نامون مین اختلاف ہے، اس اختلاف کی وجہ تو یہ ہے کہ وہ عبری سے عربی مین منتقل ہوئے ہین، اور جب ایک زبان کے نام دوسری زبان مین جاتے ہین تو لامحالہ کچھ لب ولہجہ کے اختلاف اور کچھ حروف کے تغیرات سے ان کی اصل صورت باقی نہین رہتی، اس لئے یہ اختلاف قابلِ توجہ نہین ہے، البتہ درمیانی کڑیون کی تعداد کا اختلاف ضرور قابلِ لحاظ ہے، بعض عدنان سے حضرت اسمٰعیلؑ تک صرف آٹھ دس پشتین بتلاتے ہین، اور بعضون کے نزدیک ان کی تعداد چالیس تک پہونچ جاتی ہے، اور یہی آخری قول صحیح ہے کیونکہ اگر صرف نو دس پشتین مانی جائین تو عدنان اور حضرت اسمٰعیلؑ کے درمیان زمانہ بہت کم رہ جاتا ہے، جو تاریخی مسلمات کے بالکل منافی ہے، چنانچہ علامہ سہیلی روضۃ الانف مین لکھتے ہین "کہ عادۃً محال ہے کہ عدنان اور حضرت اسمٰعیلؑ کے درمیان چار یا سات پشتین یا دس بیس پشتین ہون، کیونکہ ان دونون کے درمیان اس سے بہت زیادہ زمانہ ہے"[۱]

یہ تو قیاس عقلی ہے، اس کے علاوہ بہت سے علماء عرب مین ایسے تھے، جن کو چالیسون پشتین بزبان یاد تھین، چنانچہ علامہ طبری لکھتے ہین "کہ مجھ سے بعض عرب نسابون نے کہا کہ وہ بہت سے ایسے علماء عرب کو جانتے ہین جن کو معد بن عدنان سے حضرت اسمٰعیلؑ تک چالیس پشتین نام بنام حفظ تھین، اور وہ اس پر اشعار عرب سے استدلال کرتے تھے، اور ان نسابون نے علماء کے محفوظ نامون کا اہل کتاب کے بتائے ہوئے نامون سے مقابلہ کیا تو تعداد بالکل صحیح نکلی، البتہ لہجہ و زبان کے تغیر سے نامون مین اختلاف ہو گیا تھا"[۲]

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ عربون کے نزدیک چونکہ عدنان کا حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد سے ہونا یقینی تھا، اس لئے انھون نے صرف مشہور لوگون کے نام یاد رکھے، اور پورا سلسلہ محفوظ نہین رکھا،

---

[۱] روض الانف صفحہ ۸ جلد ۱ مطبوعہ مصر۔ [۲] طبری صفحہ ۱۱۱۰

لیکن بہرحال تاریخی شہادت اور عقلی قیاس کا فیصلہ یہی ہے کہ عدنان اور حضرت اسمٰعیلؑ کے درمیان چالیس پشتین تھین،

قبائلِ عدنان[1]

عدنان کی اولاد اس کثرت سے پھیلی کہ اس کا استقصاء اس دیباچہ مین مشکل ہے اور ہمارے موضوعِ سخن کے لئے زیادہ کارآمد بھی نہین ہے، اس لئے ہم ان کے مشہور قبائل اور ان مین سے بھی خاص کر اُن ہی کا تذکرہ کرین گے جس سے ہماری کتاب کو کچھ تعلق ہو گا، اس سے قبائلِ عدنان کا اجمالی خاکہ ذہن مین آجائے گا، اور آیندہ جہان جہان قبائل یا اشخاص کے نام آئین گے وہان اس کے سمجھنے مین دقت نہ ہو گی،

عدنان کے دو لڑکے تھے، عک اور معد، مگر آیندہ نسل صرف معد کے لڑکے نزار سے پھیلی، اس سے پانچ مشہور قبیلے نکلے جن کو تاریخ عرب مین بہت اہمیت حاصل ہوئی، انمار، ایاد، ربیعہ، قضاعہ اور مضر، ان مین سے انمار اور ایاد بہت کم پھیلے، البتہ ربیعہ قضاعہ اور مضر نے کثرتِ تعداد، دنیاوی اعزاز اور تاریخی اہمیت وغیرہ کے لحاظ سے بہت شہرت حاصل کی،

ربیعہ بن نزار کے متعدد اولادین ہوئین، جن سے بڑے بڑے قبائل نکلے اور نہایت دنیاوی اعزاز حاصل کیا، اور حکومتین قائم کین، اُن کے مشہور قبائل و بطون یہ ہین، بنو جدیلہ، منبّہ بن افصی (خاندان حضرت صہیبؓ)، بنو وائل، بکر بن وائل، بنو عجل، بنو عبد قیس، بنو تغلب وغیرہ، پھر ان سے بھی بہت سے بطون شاخ در شاخ ہو کر نکلے ہین،

قضاعہ کو عام مورخین اگرچہ قحطانی النسل خیال کرتے ہین، مگر از روے تحقیق وہ عدنانی ہین، بنو قضاعہ نے بھی دنیاوی حکومت اور قبائل کی کثرت کے اعتبار سے بہت شان و شوکت حاصل کی، حافی بن قضاعہ کے تین لڑکے تھے، عمرو، عمران اور اسلم ان ہی تینون سے تمام بطون و شعوب پھیلے،

[1] قبائل کی تفصیل ابن خلدون جلد ۲ سے ماخوذ ہے،

بنو عمرو کے مشہور بطون عبدان، بلی (حضرت کعب بن عجرہ، خدیج بن سلامہ، سہل بن رافع، ابو بردہ رضوان اللہ علیہم کا خاندان) بہرا (حضرت مقداد بن اسودؓ کا خاندان)

بنو اسلم کے مشہور بطون ہذیم، جہینہ اور نہد ہیں،

بنو عمران کے مشہور قبائل بنو تلیم، بنو تجم، بنو جرم، بنو اسد، بنو تمر، بنو کلب وغیرہ ہیں، پھر ان میں بھی شاخ در شاخ ہو کر سینکڑوں بطون نکلے،

مضر بن نزار بطون و قبائل کی وسعت اور تاریخی اہمیت میں قضاعہ اور ربیعہ سے زیادہ ممتاز ہے،

مضر کے دو لڑکے تھے، الیاس اور قیس عیلان ان ہی دونوں کی نسل سے تمام مضری قبائل کا سلسلہ پھیلا،

بطون خندف بن الیاس بن مضر

الیاس کے تین لڑکے تھے، مدرکہ، طانجہ، قمعہ، یہ تینوں قبیلہ قضاعہ کی ایک عورت خندف قضاعیہ کے بطن سے تھے، اس لئے یہ اسی کی طرف منسوب ہوئے، اور ان کے تمام بطون خندف کہلائے،

قمعہ کے مشہور قبائل بنو خزاعہ اور بنو افصے ہیں، بنو خزاعہ سے بنو مصطلق، بنو کعب (حضرت عمران بن حصینؓ کا خاندان) بنو عدی (ام المومنین حضرت جویریہؓ کا خاندان) بنو جہینہ وغیرہ نکلے ہیں، اور بنو افصے سے بنو مالک اور بنو اسلم (حضرت سلمہ بن اکوعؓ کا خاندان) پیدا ہوئے، یہ قبائل مرظہران اور اس کے قرب و جوار میں آباد ہوئے،

طانجہ کے مشہور بطون و قبائل ضبّہ، رباب، تمیم اور مزینہ (بحیر و کعبؓ مداح رسول اکرم و معقل بن یسارؓ کا خاندان) ہیں، چھوٹے بطون میں صوفہ اور محارب وغیرہ کا شمار ہے، پھر تمیم کی شاخیں بنو حارث، بنو اسید (حضرت ہند بن زرارہ صحابیؓ اور حنظلہ بن ربیعؓ کاتب نبوی کا خاندان) بنو مالک اور بنو سعد وغیرہ ہیں، یہ سب عراق اور نجد میں آباد تھے،

مدرکہ کے مشہور قبائل ہذیل، قارہ، اسد، اور کنانہ ہیں، پھر بنو اسد سے بنو کاہل، بنو غنم (ام المومنین حضرت

زینب رضؓ اور عکاشہ بن محصن کا خاندان) بنو ثعلبہ وغیرہ نکلے یہ بھی اضلاع نجد مین آباد تھے، کنانہ سے بنو عبد مناۃ، بنو مالک اور بنو نضر تھے، بنو عبد مناۃ سے بنو بکر، بنو مرہ، بنو حارث، اور بنو عامر تھے، بنو بکر سے بنو لیث (ابو واقد اور قیس بن شداخ کا خاندان) بنو سعد (عبدہ بن سعد کا خاندان) بنو جزع وغیرہ پیدا ہوئے،

بطون قیس عیلان بنو خندف کی طرح بنو قیس سے بھی بطون وشعوب کا وسیع سلسلہ پھیلا، قیس عیلان کے تین لڑکے تھے، عمرو، کعب اور خفصۃ، ان تینون سے الگ سلسلے چلے،

بنو عمرو کے بطون بنو فہم، بنو عدوان وغیرہ ہین، ان دونون کی اولادین طائف اور نجد مین بستی تھین،

بنو سعد کے مشہور قبائل غنی، باہلہ، غطفان، مرہ، پھر غطفان کے بنو عبس، بنو ذبیان، بنو اشجع، (خاندان حضرت معقل بن سنان رضؓ) پھر بنو عبس سے بنو حارث. (خاندان حضرت حذیفہ بن یمان رضؓ) اور ذبیان سے بنو ثعلبہ، بنو فزارہ، بنو مرہ (خاندان حضرت سمرہ بن جندب رضؓ)

بنو خفصہ بن قیس کے دو بڑے بطن بنو سلیم اور بنو ہوازن مستقل صدہا بطون کا منبع تھے، بنو مازن (خاندان عتبہ بن غزوان) بھی بنو خفصہ کا ایک بطن تھا، مگر اس کی مستقل ہستی نہ تھی، بلکہ سلیم اور ہوازن کے تحت مین تھا،

بنو سلیم کے بطون بنو ذکوان، بنو عبس (خاندان حضرت عباس بن مرداس رضؓ) بنو ثعلبہ، بنو بھز (خاندان حضرت حجاج بن علاط رضؓ) بنو زعبہ، بنو عوف، بنو سلیم ان مین سے کچھ نجد کے بالائی حصہ مین آباد تھے، کچھ خیبر کے اطراف مین، اس کے علاوہ افریقہ مین ان کی بڑی تعداد تھی،

بنو ہوازن کے مشہور قبائل بنو معاویہ، بنو منبہ، بنو سعد (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رضاعی تعلق اس خاندان سے تھا، پھر بنو منبہ سے بنو ثقیف، بنو جشم، بنو سعد وغیرہ ہین، یہ سب کے سب طائف مین آباد تھے، اور بنو معاویہ سے بنو نصر، بنو خشیم، بنو سلول، بنو مرہ، بنو عامر وغیرہ تھے، ان مین بھی شاخ در شاخ ہو کر صدہا بطون نکلے،

قبائل کی تقسیم مین بعض خانوادون کی کسی قدر تفصیل کردی گئی ہے اور بعض مین صرف مورث اعلیٰ کی طرف تمام شاخون کو منسوب کردیا گیا ہے اور شاخ در شاخ کی تفصیل نہین کی گئی ہے اور نہ درمیانی واسطون کا ذکر کیا گیا ہے؛

عدنان کی حکومتین

بنی عدنان نجد، حجاز، اور تہامہ مین آباد تھے اور ابتداً سب بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے، جہان شاداب مرغزار اور پانی کے چشمے ملتے، وہین خیمہ زن ہوجاتے، اونٹ اور بکریون کے گلے اُن کا ذریعۂ معاش تھے، ایک عرصہ تک اسی حالت مین رہے، مگر عدنان کی چوتھی پشت کے بعد اس کی اولاد مین اس قدر کثرت ہوئی، کہ قدیم اقامت گاہین ان کے لئے کافی نہ ہوسکین، چنانچہ عدنان کی پانچون شاخین اپنے اپنے مستقر سے نکل کر تمام اطراف مین پھیل گئین، ان مین سے ربیعہ، قضاعہ اور مضر نے بڑا دنیاوی اعزاز حاصل کیا، متعدد بڑی بڑی حکومتین اور چھوٹی چھوٹی ریاستین قائم کین، جو صدیون تک بڑی شان و شوکت سے چلتی رہین[1] چنانچہ بنو قضاعہ کی حکومتین حجاز سے لیکر شام اور عراق تک پھیلی ہوئی تھین[2] اور ان کے حکمران قبائل مین تنوخ اور سلیح نے بڑا جاہ و جلال حاصل کیا، اور دونون یکے بعد دیگرے شام کے تختِ حکومت پر بیٹھے[3] شام کی سلطنت کے علاوہ تبوک اور دومۃ الجندل مین بھی ان کی ریاستین تھین[4] بنو قضاعہ کی طرح اگرچہ ربیعہ کی کوئی باقاعدہ سلطنت نہ تھی، تاہم ان کی سیادت اور ان کا اقتدار تمام قبائل مین مسلم تھا، چنانچہ یہ اظہارِ سیادت اور تفوق کے لئے اپنا ایک شعار مخصوص کرلیتے تھے، جو تمام قبائل کے لئے واجب التسلیم ہوتا تھا، اور کوئی قبیلہ اس کی مخالفت کی جرأت نہین کرسکتا تھا، حتی کہ اس کی ادنیٰ مخالفت بھی اعلانِ جنگ تصور کی جاتی تھی، آل مضر مین بکر و تغلب کی ریاستین حجاز مین تھین، اور بنو عامر کی حکومت عراق مین تھی[5]، ان کے علاوہ نجد مین کندہ نے بڑی شاندار حکومت قائم کی، اگرچہ علماے انساب کندہ کو حمیر کی شاخ بتاتے ہین، مگر قیاسات و قرائن کی رو سے زیادہ عدنانی ہین، اس کی بڑی دلیل

[1] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۴۹ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۴۸۰ [5] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۳۰۰

یہ ہے کہ مشہور شاعر امراء القیس کندہ کا آخری شہزادہ فصیح عدنانی یعنی عربی شاعری کرتا تھا، اور اس کے کلام میں حمیری زبان کی جھلک تک نہ تھی، اس لسانی استدلال کے علاوہ وہ خود عدنانی ہونے کا مدعی تھا چنانچہ اپنے باپ کے مرثیہ میں کہتا ہے،[1]

حمیر معد حسبلو نائلا   دجہم قد علموشمائلا

دوسرے موقعہ پر اپنی مدح میں کہتا ہے،

وانا الذی عرفت معد فضلہ

اس کے برخلاف حمیر کا بھی متعدد اشعار میں ذکر کیا ہے، مگر کہیں ہم نسبی کا دعویٰ نہیں کیا،

عدنان کی تجارت اگرچہ قریش کے علاوہ تمام عدنانی بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے تاہم عام عربوں کی طرح ان کا مخصوص پیشہ تجارت تھا، مقامی خرید و فروخت کے علاوہ ملکوں پھر کر بھی بیوپار کرتے تھے، چنانچہ بخت نصر کے مشہور حملہ کے وقت جس میں عدنان کام آیا، عدنانی کاروانِ تجارت اس کے حدودِ سلطنت میں موجود تھے، اور بخت نصر نے پہلے ان ہی کو گرفتار کرلیا تھا،[2]

آلِ عدنان کا مذہب دنیا کے سب سے بڑے موحد خلیل بت شکن نے دنیا کے سامنے ایک ایسا دین حنیف پیش کیا تھا، جو شرک و بدعات کی آمیزش سے یکسر پاک تھا، اور خانہ کعبہ کی بنیاد توحید خالص پر رکھی تھی، تاکہ آستانوں پر جھکنے والی گردنیں صرف ایک خدائے قدوس کی عتبۂ توحید پر ناصیہ سائی کریں،

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا	اور جب ہم نے خانہ کعبہ کے مقام میں ابراہیم کو ٹھکانا
تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ	دیا، تو کہا کہ میرا شریک نہ ٹھہرانا، اور میرے اس گھر کو
وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ، وَأَذِّن فِي النَّاسِ	طواف کرنے والوں، نماز میں کھڑے ہونے والوں، رکوع
بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ	کرنے والوں، اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک

[1] ارض القرآن ج ۲ ص ۱۰۰، [2] ابن خلدون ج ۲ ص ۲۳۷،

مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ، (حج ۴) وصاف کرنا، اور لوگون مین حج کا اعلان کر دے، وہ تیرے پاس پیادہ اور سفر سے دبلی ہو جانے والی سواریون پر دور دراز راستہ سے آئین گے،

مگر چند ہی پشتون کے بعد دینِ ابراہیم کے شفاف آئینہ مین شرک و بدعات کا زنگ لگ گیا، اور اس نسل مین عمرو بن لحی ایک شخص پیدا ہوا جس نے مکہ مین بت پرستی رائج کی، اور خانۂ کعبہ مین متعدد بت لاکر نصب کئے[۱] چونکہ خانۂ کعبہ تمام عرب کا مذہبی مرکز تھا، اور تمام اکنافِ عرب کے لوگ یہان موسم حج مین جمع ہوتے تھے، اور عمرو بن لحی نے بت بھی اسی قلبِ توحید مین نصب کئے تھے، اس لئے بہت جلد آلِ عدنان نے بت پرستی قبول کر لی، اور چند ہی دنون مین یہ وبا تمام عرب مین پھیل گئی، اس کی تفصیل آئندہ قریش کے حالات مین آئے گی، بت پرستی کے علاوہ عدنانیون مین یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت کا اثر بھی جا بجا موجود تھا، چنانچہ قضاعہ اور ربیعہ مین نصرانیت کا اثر غالب تھا، بنی کنانہ مین یہودیت کے اثرات موجود تھے، تمیم مین مجوسیت کی جھلک پائی جاتی تھی، تمیم اور کنانہ دونون مین کچھ لوگ ستارہ پرستی کی طرف مائل تھے[۲] کچھ لوگ عقلی بلند پروازی کی آخری حدِ الحاد تک پرواز کر چکے تھے، اُن ہی کے متعلق قرآن مین آیا ہے،

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ (جاثیہ ع ۳) اور یہ لوگ کہتے ہین کہ جو کچھ ہے بس یہی ہماری دنیاوی زندگی ہے، اور ہم مرتے ہین اور جیتے ہین اور ہم کو صرف زمانہ ہی مارتا ہے،

اگرچہ ان تمام مذکورہ مذاہب کا اثر آلِ عدنان مین پایا جاتا تھا، مگر خال خال، ورنہ انکا عام مذہب بگڑا ہوا دینِ ابراہیمی تھا

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۷۸ [۲] طبقات الامم اندلسی ص ۴۳ [۳] یعقوبی ج ۱ ص ۲۹۸،

ایام عدنان آل عدنان مین صدہا خونریز جنگین ہوئین، اور ادنی ادنی سی باتون پر صدیون تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا، اگر اسلام نے آکر ان مین اخوۃ اور مساوات کی بنیاد نہ رکھی ہوتی، تو عجب نہین کہ یہ قوم صفحۂ ہستی سے نابود ہو جاتی، یہ لڑائیان ایام عرب کے نام سے مشہور ہین، اور دو قسم کی ہین، ایک وہ لڑائیان ہین، جو آل عدنان اور دوسری نسل سے ہوئین، اور دوسری خود عدنانیون کی خانہ جنگیان ہین،

آلِ عدنان کی لڑائیان دوسری نسل والون کے ساتھ عدنانیون مین خانہ جنگیون کے علاوہ دوسری متعدد جنگین بھی ہوئین، جن مین، یوم بیضاء، یوم خزار، یوم صفقہ، یا یوم مشقر، یوم کلاب ثانی، یوم ذی قار زیادہ مشہور ہین، یوم بیضاء بنومذحج یمنی اور بنومعد عدنانی کے درمیان ہوئی تھی جس مین یمن والون نے بہت سخت ہزیمت اٹھائی تھی، جنگ خزار بھی بنومعد عدنانی اور یمنیون کے درمیان ہوئی، اس مین بھی عدنانی غالب رہے، جنگ صفقہ یا مشقر فارس اور تمیم عدنانی مین ہوئی، اس مین اہل فارس نے تمیم کے بہت آدمی دھوکے سے قتل کر ڈالے، جنگ کلاب ثانی بنومذحج اور تمیم کے درمیان ہوئی، اس مین تمیم غالب رہے، یوم ذی قار عرب اور عجم کی عظیم الشان جنگ تھی، اس مین عجمیون نے بہت بری طرح شکست کھائی، اسی جنگ کے متعلق عربون مین یہ مثل مشہور ہے کہ ھذا اول یوم انتصرت العرب علی العجم، یعنی یہ پہلا دن تھا جسمین عرب عجم پر غالب ہوئے[1]،

عدنانیون کی خانہ جنگیان عدنانی قبائل مین بے شمار خانہ جنگیان ہوئین جن کا استقصا مشکل اور بے سود بھی ہے، اس لئے ہم صرف چند مشہور مشہور لڑائیون کے مختصر تذکرہ پر اکتفا کرتے ہین،

ایام بکر و تغلب ایام عرب مین بکر و تغلب کی لڑائیان بہت شہرت رکھتی ہین، اس کی ابتدا ایک معمولی واقعہ سے ہوئی، اور چالیس سال تک اس کا سلسلہ برابر قائم رہا، یہ لڑائیان حرب بسوس کے نام سے بھی مشہور ہین، اس مین پانچ لڑائیان بہت زیادہ شہرت رکھتی ہین یوم عنیزہ، یوم واردات، یوم

[1] ابن اثیر ایام عرب،

حنو، یوم قصیبات، یوم قضۃ پہلی مین طرفین برابر رہے، دوسری مین تغلب پر بنو بکر غالب رہے، تیسری مین بکر تغلب پر فتحیاب ہوئے، چوتھی مین بکر نے بڑی زبردست ہزیمت اٹھائی، اس کے علاوہ جنگ نقیح، جنگ فصیل متعدد چھوٹی چھوٹی لڑائیان ہوئین،[1]

یوم عبس و ذبیان | عبس و ذبیان کی لڑائیان داحس و غبراء کے نام سے مشہور ہین، داحس اور غبراء دو گھوڑے تھے، ان ہی کا مقابلہ بنائے فساد ہوا، اور اس سلسلہ مین متعدد لڑائیان ہوئین، جن مین یوم عراعر، یوم ہباءہ، یوم یوار، یوم جراجر، یوم غرق، وغیرہ زیادہ مشہور ہین،[2]

ایام ربیعہ و مضر | بنو تمیم مضری اور بنو بکر ربعی مین بہت لڑائیان ہوئین، مشہور لڑائیون کے نام یہ ہین، یوم نباج، یوم و ثیتل، یوم ذی طلوح، یوم جدود، یوم آباد، یوم غبیط، یوم شقیقہ، ان لڑائیون مین بنو بکر بنو تمیم پر غالب رہے، یوم فلج، یوم وقیط، یوم زویرین، یوم نعف قشاوہ، یوم مبائض، یوم شیطین، ان مین بنو بکر نے شکست کھائی، اور بنو تمیم فتحیاب ہوئے، ان لڑائیون کے علاوہ متعدد چھوٹی چھوٹی لڑائیان یوم ذی قار، یوم ساحوق، یوم اہباد، یوم نقیعہ وغیرہ ہوئین،[3]

ایام بنو عامر | بنو عامر قیس عیلان کی شاخ ہوازن کا ایک مشہور قبیلہ تھا، اور قبائل عرب مین ممتاز درجہ رکھتا تھا، مضری قبائل سے اس کی متعدد لڑائیان ہوئین، جن مین مشہور لڑائیون کے نام یہ ہین، یوم شعب جبلہ، یوم ذی نجب، یوم نسار، یوم جفار، یوم مروت، یوم رقم، یوم شعب جبلہ اور ذی نجب بنو عامر اور بنو تمیم مین ہوئی، پہلی مین عامر غالب رہے، دوسری مین تمیم، یوم نسار اور جفار کا معرکہ بھی ان ہی دونون مین ہوا، اس مین بنو عامر اگرچہ ثابت قدم رہے، تاہم ان کا بہت نقصان ہوا،[4] یوم مروت معمولی جھڑپ تھی، جنگ رقم بنو عامر اور غطفان مین ہوئی، اور غطفان غالب رہے،[5]

[1] ابن اثیر ص ۴۰۸ تا ۴۰۹، [2] تفصیل کے لئے دیکھو ابن اثیر ص ۴۲۲ تا ۴۳۳ [3] ایام عرب ابن اثیر ج ۱، [4] ابن اثیر ج ۱ ص ۴۳۵ [5] ایضاً ص ۴۶۳ [6] ایضاً ص ۴۰۲،

دیگر ایام مشہورہ | یوم اباغ منذر بن ماء السماء تغلبی اور حارث غسانی کے درمیان ہوئی، یوم کلاب اول ایام عرب میں بہت مشہور ہے یہ باہم حارث کندی کی اولاد میں ہوئی جس میں محمد کے بھی متعدد قبائل شریک تھے، یوم رحرحان، اس جنگ میں بنو تمیم، بنو عامر، بنو عبس اور بنو ہوازن وغیرہ سب شریک تھے، یوم اوارہ الاول بنو منذر بن امرء القیس اور بنو بکر بن وائل میں ہوئی،

دور سوم

قریش

مہاجرین کی اصل تاریخ فہر قریش سے شروع ہوتی ہے کیونکہ ان کی بڑی تعداد اسی کی نسل سے تھی، اس خاندان کا بانی فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ ہے "قریش" فہر کے مورث اعلیٰ نضر کا خطاب تھا، مگر چونکہ اس کی نسل میں صرف فہر ہی سے سلسلہ پھیلا، اس لئے یہ خطاب بھی فہر کی طرف منتقل ہو گیا، اور بنو فہر سب کے سب قریش کہلانے لگے، بنو نضر تجارت پیشہ تھے، اور "تقرش" تجارت کے معنوں میں آتا ہے، اس لئے بنو نضر کا نام قریش پڑ گیا، اس کے علاوہ قریش ایک بڑی قسم کی مچھلی ہے جو تمام دریائی جانوروں کو کھا جاتی ہے لہذا قوت و غلبہ کے اظہار کے لئے اپنے کو قریش کہنے لگے،

قبائل قریش اور ان کے مشاہیر | قریش کے عام حالات معلوم کرنے کے قبل ان کے قبائل کی تقسیم سمجھ لینی چاہئے قریش ایک خاندان کا نام نہیں ہے بلکہ چھوٹے چھوٹے دس خانوادوں پر مشتمل ہے جو سب کے سب فہر کی

سلہ ابن اثیر جلد ا ص ۳۹۸ سلہ ایضاً ص ۴۰۰ سلہ ایضاً ص ۴۰۵ سلہ ایضاً ص ۴۰۸ سلہ ابن خلدون جلد ۲ ص ۳۲۲ و روض الانف جلد ا ص ۱۰۰، سلہ قبائل قریش کی تقسیم ابن خلدون جلد ۲ از ص ۳۲۴ تا ۳۳۰ سے ماخوذ ہے،

نسل سے نکلے، فہر کے تین لڑکے تھے، محارب، حارث، غالب، محارب اور حارث کی نسل زیادہ نہ پھیلی، تاہم بعض اکابر صحابہؓ اور ناموران اسلام اس سے تعلق رکھتے تھے، چنانچہ ضحاک بن قیس، ضرار بن خطاب، کرز بن جابر وغیرہ بنو محارب تھے،

عشرہ مبشرہ میں ابو عبیدہ بن جراحؓ، ان کے علاوہ عقبہ بن نافع، فاتح افریقہ بانیٔ شہر قیروان اور عبد الملک بن قطبی والی اندلس وغیرہ بنو حارث سے تھے،

البتہ غالب کی اولاد بہت پھلی پھولی، قریش کے دسوں خانوادے اس کی نسل سے تھے،

بنو ہاشم، بنو امیہ، بنو نوفل، بنو عبد دار، بنو اسد، بنو تیم، بنو مخزوم، بنو عدی، بنو جمح، بنو سہم،

مشاہیر قریش | بنو امیہ خاندانِ سلاطین بنو امیہ دمشق و اندلس، ابو سفیانؓ، امیر معاویہؓ، حضرت عثمانؓ، ام المومنین ام حبیبہؓ،

بنو عدی :- خاندان حضرت عمر بن خطابؓ، سعید بن زیدؓ، جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھے،

بنو تیم خاندان حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت طلحہؓ، عمر بن عبد اللہ، عبد اللہ بن جدعان وغیرہم،

بنی عبد دار حضرت عثمان بن طلحہؓ، مصعب بن عمیرؓ،

بنی اسد زبیر بن عوامؓ، ورقہ بن نوفل، ام المومنین حضرت خدیجہؓ وغیرہ،

بنو مخزوم خالد بن ولیدؓ، عیاش بن ربیعہؓ، ابو جہل، ابو سلمہ، ام المومنین ام سلمہؓ،

بنو جمح صفوان بن امیہ، ابو محذورہ، موذن نبی صلی اللہ علیہ وسلم، عثمان بن مظعونؓ،

بنو سہم عمرو بن العاصؓ فاتح مصر،

بنو ہاشم خاندانِ رسالت، عباسؓ، حمزہؓ، مطلب، حضرت علیؓ وغیرہ،

قریش کے ان چند مشہور خانوادوں کے علاوہ کچھ اور چھوٹے گھرانے تھے، جن کو ان ہی کی شاخ

سمجھنا چاہیئے

بنو زہرہ خاندان حضرت آمنہ، و عبد الرحمن بن عوف رضؓ، و سعد بن وقاص رضؓ،

بنو عبد العزیٰ خاندان ابو العاص داماد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم،

بنو حبیب خاندان عبد اللہ بن عامر والی عراق،

بنو امیہ اصغر،

قریش کے مذکورہ خانوادے طرز زندگی کے اعتبار سے دو قسم کے تھے، قریش الظواہر اور قریش البطائح، قریش ظواہر، قریش کے وہ قبائل کہلاتے تھے، جو عام بدویوں کی طرح خانہ بدوش زندگی بسر کرتے تھے،

قریش البطائح وہ کہلاتے تھے جو مکہ میں آباد تھے، اور متمدن زندگی بسر کرتے تھے، تفصیل یہ ہے،

بطائح	ظواہر
بنو محارب	بنو قصی بن کلاب
بنو تیم الادرم	بنو کعب بن لوی
بنو خزیمہ بن لوی	
بنو سعد	
بنو حارث	

ایام قریش

عام عربوں کی طرح قریش بھی سخت جنگجو تھے بات بات پہ تلواریں نکل آتی تھیں، ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر قتل و غارت کا ہنگامہ برپا ہو جاتا تھا، ان کی مشہور لڑائیوں میں سے بعض یہ ہیں،

یوم فجار اول | یہ لڑائی قریش کنانہ اور قیس عیلان کے درمیان ہوئی، اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ایک کنانی بنو نصر (قیس عیلان) کے قبیلہ کے ایک شخص کا قرض دار تھا، مگر تنگدستی کی وجہ سے اس کو ادا نہ کر سکتا تھا، نصری قرضخواہ ایک بندر کو بازار عکاظ میں لیکر آیا، اور کنانی کو ذلیل کرنیکے خیال سے کہا کہ اس بندر کو کنانی قرض دار کی رقم کے مساوی قیمت پر کون خرید تا ہے، اتفاق سے ایک کنانی ادھر سے گذر رہا تھا، اُس نے سن لیا، اور غصہ میں بندر پر ایسی تلوار لگائی کہ وہین ٹھنڈا ہو کر رہ گیا، نصری شخص نے بنو قیس سے فریاد کی اور کنانی نے اپنے قبیلہ سے مدد مانگی، طرفین کے آدمی جمع ہوئے، مگر جنگ کی نوبت نہین آئی، اور آپس مین صلح ہو گئی، یہ واقعہ متعدد صورتون سے بیان کیا جاتا ہے، مگر نتیجہ سب کا صلح ہے[۱]،

یوم فجار ثانی | حرب فجار عرب کی سب سے بڑی اور مشہور جنگ ہے، جو عام فیل کے بیس سال بعد ہوئی، اس کا واقعہ یہ ہے، کہ براض قبیلۂ کنانہ کا ایک شخص تھا، اس کے قبیلہ والون نے اس کو نکال دیا، یہ اپنے قبیلہ سے نکل کر نعمان بن منذر کے یہان آیا، نعمان بن منذر تجارت پیشہ تھا، اور ہر سال کچھ نہ کچھ مال بازار عکاظ وغیرہ مین بغرض فروخت بھیجا کرتا تھا، عکاظ کے میلہ کا زمانہ آیا، تو براض نعمان کے یہان موجود تھا، اتفاق سے عروہ رحال بھی وہین موجود تھا، یہ شخص سلاطین اور امراء کے دربارون مین بہت آیا جایا کرتا تھا، نعمان نے کہا، مین کچھ سامان عکاظ بھیجنا چاہتا ہون، تم مین سے کون شخص ذمہ داری لیتا ہے، عروہ اور براض دونون نے اس خدمت کے لئے اپنے کو پیش کیا، اور اس مسابقت مین سخت کلامی کی نوبت آگئی، مگر چونکہ عروہ زیادہ تجربہ کار تھا، اس لئے نعمان نے یہ خدمت اسی کے سپرد کی، جب عروہ مال لیکر نکلا، تو براض بھی بدلہ لینے کیلئے اس کے پیچھے ہو لیا، اور موقعہ پا کر اس کو قتل کر کے سامان پر قبضہ کر لیا، جب عروہ کے قتل کی خبر مشہور ہوئی، تو قبیلۂ قیس کے کچھ لوگ براض سے بدلہ لینے کو نکلے، مگر براض نے ان کو بھی دھوکے سے قتل کر دیا، اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا، اور امیہ بن حرب سے کہلا دیا کہ مین نے عروہ کو قتل کیا ہے، تا بنو قیس

[۱] ابن اثیر ج ۱ ص ۳۴۹

اس کا بدلہ ضرور لیں گے، اس لئے پہلے سے تیار رہنا چاہئے، امیہ کو یہ پیام عکاظ میں ملا[1] اس نے تمام رؤسائے قریش کو خبر کر دی، اور پھر باہمی مشورہ سے عامر بن مالک سردار بنو قیس کے پاس ایک وفد مصالحت بھیجا، ابھی طرفین میں صلح کی گفت شنید ہو ہی رہی تھی کہ قریش کے کچھ لوگوں کو یہ غلط خبر ملی کہ قریش اور بنو قیس میں جنگ ہوا چاہتی ہے، قریش یہ سنکر مکہ کی طرف روانہ ہوئے، عامر بن مالک کو جب قریش کی روانگی کی خبر ہوئی تو سمجھا کہ قریش نے دھوکا دیا، اس لئے ایک جمعیت لیکر قریش کا تعاقب کیا، مکہ کے قریب مقابلہ ہوا، قریش کے پاؤں اکھڑنے ہی کو تھے، کہ بڑھ کر حرم میں داخل ہو گئے، اور بنو قیس واپس ہو گئے، مگر یہ کہتے ہوئے گئے کہ آئندہ سال عکاظ میں ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا، چنانچہ سال بھر میں دونوں نے پھر تیاری کی اور حسب وعدہ عکاظ میں سخت مقابلہ ہوا، ابتداً قریش پسپا ہو رہے تھے، لیکن ان کے عزم و ثبات نے جنگ کا رخ بدل دیا، اور بنو قیس نے سخت ہزیمت اٹھائی، آخر میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ طرفین کے مقتولین شمار کئے جائیں جس کے زیادہ ہوں، بقدر زیادتی دوسرا اس کی دیت ادا کرے، اس جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے، اور آپ کا سن مبارک بیس سال کا تھا[2]،

واقعۂ فیل اصحاب فیل کا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے چالیس سال قبل ہوا، اس موقعہ پر بھی بڑی ہولناک جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ یمن کے عیسائی حبشی بادشاہ ابرہہ اشرم نے یمن میں ایک عظیم الشان کنیسہ تیار کرایا، اور نجاشی اور قیصر روم کو لکھا کہ میں نے ایک بے مثل کنیسہ تعمیر کرایا ہے، اور میں چاہتا ہوں کہ خانہ کعبہ کے حجاج کو اس طرف پھیر لوں، عربوں نے سنا تو بہت برافروختہ ہوئے، اور اسی حالت غضب میں ایک کنانی نے کنیسہ میں نجاست ڈال دی، ابرہہ کو اس حرکت کی خبر ہوئی، تو اس کے بدلہ میں خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے چلا، مکہ کے پاس پہونچکر لوٹ مار شروع کر دی، قریش اور کنانہ کو معلوم ہوا تو مقابلہ کا ارادہ کیا، مگر پھر مشورہ سے طے ہوا کہ چند قریش ابرہہ کی ٹڈی دل

[1] ابن اثیر جلد ۱ ص ۴۴۲، ۴۴۴ [2] سیرۃ ابن ہشام، ص ۱۳۰، ۱۳۵،

فوج کا مقابلہ نہین کر سکتے، اس لئے خاموش ہو رہے، مکہ کے سردار اس وقت عبد المطلب تھے، اس لئے ابرہہ نے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم صرف خانۂ کعبہ کو ڈھانے کے ارادہ سے آئے ہین، اگر تم اس مین کسی قسم کا تعرض نہ کرو، تو خواہ مخواہ ہم کو تم سے لڑنے کی ضرورت نہین ہے، عبد المطلب خود گئے اور جا کر کہا کہ ہم مین اتنی طاقت نہین ہے کہ تمھارا مقابلہ کر سکین، خدا خود اپنے گھر کا محافظ ہے، اگر اس کو اپنی حرمت کا پاس ہوگا، تو خود ہی بچائے گا، چنانچہ اس گفتگو کے بعد عبد المطلب واپس آئے، اور قریش کو محفوظ مقامات مین بھیجدیا، اور خود مع چند قریش کے خانۂ کعبہ کی زنجیر پکڑ کر نہایت رقت انگیز دعائین مانگین، اور چلے گئے، جب ابرہہ نے حملہ کیا، تو خدا نے اپنے گھر کو اس کے شر سے بچا لیا، اور اس کی فوج پر آفت آئی، سپاہیون مین چیچک کی بیماری پھیلی، اور اللہ تعالیٰ نے ان پر پرندون کا جھنڈ بھیجا،

ایک جنگ قریش، کنانہ، خزاعہ اور قضاعہ مین تولیت حرم کے بارہ مین دو لڑائیان ہوئین، تفصیل یہ ہے کہ قصی جب مکہ مین آیا، تو حرم کے متولی بنو صوفہ تھے، قصی چند کنانی، اور قضاعی اشخاص کے ساتھ عقبہ گیا، اور بنو صوفہ سے کہا کہ تولیت حرم کے ہم تم سے زیادہ حقدار ہین، مگر انھون نے انکار کر دیا، جس پر طرفین مین جنگ ہوئی، اور بنو صوفہ نے شکست کھائی، بنو خزاعہ نے جب یہ دیکھا، تو ان کو یقین ہو گیا کہ قصی عنقریب صوفہ کی طرح ان کے اختیارات بھی سلب کرکے ان کو حرم سے الگ کر دے گا، اس لئے بنو بکر کو لے کر قصی سے علیحدہ ہو گئے، اور چاہا کہ لڑ کر قصی کو الگ کر دین، قریش کے معاون قضاعہ اور کنانہ تھے، غرضکہ دونون مین سخت جنگ ہوئی، فریقین کے ہزارون آدمی کام آئے، جب دونون خوب لڑ کر تھک گئے، تو یعمر بن عوف کنانی کو حکم بنایا، اس نے فیصلہ کیا کہ متولی قصی کو تسلیم کیا جائے، اور وہ اپنے مقتولین کا معاوضہ نہ لے، اور بنو بکر و خزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کرے، اس پر طرفین راضی ہو گئے،[1]

یوم ذات نکیف چونکہ قصی بنو بکر کو خانۂ کعبہ کی تولیت سے بیدخل کرکے خود متولی ہو گیا تھا، اس لئے قبیلۂ

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص ۳۰ تا ۳۳ طبری ص ۱۰۹۶ تا ۱۰۹۷،

بنو بکر میں قریش کے خلاف ہمیشہ رشک و رقابت کی آگ سلگتی رہی، مگر کوئی موقعہ نہ ملا، آخر کار عبد المطلب کے زمانہ میں دفعتہً یہ آگ بھڑک گئی، چنانچہ انھوں نے ارادہ کر لیا کہ کسی نہ کسی طرح لڑ بھڑ کر قریش کو حرم سے نکال دیں اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں؛ ادھر قریش بھی مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے، عبد المطلب نے بنو ہون، بنو حارث، اور بنو مصطلق کو جمع کر لیا، اور ذات نکیف میں دونوں کا مقابلہ ہوا، بنو بکر بری طرح مغلوب ہوئے اور ان کے بہت سے آدمی مارے گئے،[۱]

خانۂ کعبہ کی مرمت

خانہ کعبہ کی مرمت کے موقعہ پر بھی ایک خونریز جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ خانۂ کعبہ کی عمارت امتدادِ زمانہ سے بہت کمزور ہو گئی تھی، دیواریں پست تھیں، چھت گر گئی تھی، اس لئے قریش نے اس کو منہدم کر کے از سرِ نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا، اور اس قدر اہتمام کیا تھا کہ ناجائز مال سے ایک حبہ بھی نہیں لگایا، جب دیواریں اس قدر بلند ہو گئیں کہ حجر اسود نصب کیا جائے تو قبائلِ قریش میں سخت اختلاف ہوا کہ اس کا شرف کس کو حاصل ہو، یہ اختلاف اس حد تک بڑھ گیا کہ بنو عبد دار اور بنو عدی نے موت کا حلف لے لیا، چار دن اسی کشمکش میں گذر گئے، آخر میں یہ طے پایا کہ صبح سویرے جو شخص سب سے پہلے مسجد میں داخل ہو، وہ حکم مانا جائے، حسن اتفاق سے دوسرے دن سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے، سب نے باتفاق آپ کو حکم مان لیا، ابھی تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بے خبر تھے، آپکو اطلاع دی گئی، تو آپ نے رفعِ شر کی بہترین صورت یہ نکالی کہ ایک چادر پھیلا کر حجر اسود کو اس میں رکھ دیا، اور فرمایا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک شخص چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ کر اٹھائے، غرضکہ اس عاقلانہ تدبیر سے یہ فتنۂ عظیم رک گیا،[۲]

قریش کی سیاسی خود مختاری

مکہ چونکہ حجاز میں تھا، اس لئے وہ عرب کے دوسرے صوبوں کی بہ نسبت زیادہ سیاسی اہمیت رکھتا

---

[۱] ابن اثیر جلد ۱ ص ۳۴۸ ۔ [۲] سیرۃ ابن ہشام

تھا اور اسی اہمیت کی وجہ سے قدرتاً آس پاس کے حکمرانون کی نظرین اس طرف اٹھتی تھین، چنانچہ عجمی سلطنتون مین روم اور ایران نے، اور عربون مین حمیری اور حبشی حکومتون نے بارہا حجاز کو لینا چاہا، مگر ہمیشہ ناکام رہین، یہان تک کہ بعض محققین نے مکہ کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ مکہ تبکک سے مشتق ہے جس کے معنی مین نخوت اور غرور توڑنا، اور سرکشون کی گردن جھکانا ہو نکہ مکہ کی تسخیر مین بڑے بڑے جبابرہ کی گردنین جھک جاتی تھین اس لئے اس کو بکہ کہنے لگے[1] بہرحال مکہ اغیار کی دست بُرد سے ہمیشہ بچا رہا، حتی کہ وہان خود عربون کی حکومت بھی نہ قائم ہو سکی، اسی آزادی کا یہ نتیجہ تھا، کہ مکہ کے آس پاس بسنے والے قبائل مین کوئی باقاعدہ نظام حکومت قائم نہ تھا، بلکہ عام غیر متمدن اقوام کی طرح ایک سردار کی ماتحتی مین زندگی بسر کرتے تھے، خاص مکہ مین جہان بہت کچھ تمدن موجود تھا، کوئی نظام اجتماعی نہ تھا، البتہ ان کا ایک مشترک مرکز خانہ کعبہ تھا، جس کے گرد قبائل جمع ہو سکتے تھے، چنانچہ آیندہ چلکر ان منتشر قبائل نے جو کچھ بھی حکومت کی شکل اختیار کی، اس کا دار و مدار اسی خانۂ کعبہ تھا، قبائل کے آزاد پسند طبائع اگرچہ کسی کے تابع فرمان ہونا عار سمجھتے تھے، تاہم متولی کعبہ کا وقار ان کی نگاہون مین بحیثیت مذہبی پیشوا کے ضرور تھا،

قصی کا ظہور اور قریش کا اجتماع وحشت اور تمدن کی بھی طبعی عمر ہوتی ہے، جس کو ختم کر کے تمدن تباہ ہوتا ہے اور وحشت تمدن کی شکل اختیار کرتی ہے، چنانچہ قریش کی بداوت کا دور ختم ہوا، اور تمدن کی بنیاد پڑی، اگرچہ شہر مکہ کے قریش ضرور کچھ نہ کچھ متمدن تھے، لیکن عام طور پر ان مین بدویت ہی کا دور تھا، لیکن فہر کی پانچوین پشت مین کلاب بن مرہ کی پشت مین قصی نامی ایک مدبر پیدا ہوا جس نے قریش کی کایا پلٹ دی، قصی ابھی بچہ ہی تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، ماں نے قبیلہ بنی عذرہ مین دوسری شادی کر لی، قصی کی بھی نشو و نما وہان ہوئی، جوان ہوا، تو خود طبیعت نے اجنبیون مین رہنا گوارا نہ کیا، ماں کی زبانی اپنی خاندانی وجاہت و عظمت کا حال معلوم کر کے فوراً مکہ کا رخ کیا، دادھیالی والون نے ہاتھون ہاتھ لیا، اس وقت حرم کی ولایت حلیل بن

[1] معجم البلدان جلد ۸ ص ۱۴۳،

جلیشیہ خزاعی کے ہاتھ مین تھی قصی نے حلیل کی لڑکی سے شادی کرلی جب حلیل مرگیا، تو قصی کو خیال ہوا کہ قریش کے ہوتے بنو خزاعہ کو ولایتِ حرم کا کیا حق ہے، چنانچہ اس نے قریش و کنانہ کو آمادہ کرکے بنو خزاعہ کو لڑکر حرم سے نکال دیا، چونکہ قصی سے زیادہ خدمتِ حرم کا اہل و مستحق کوئی دوسرا نہ تھا، اس لئے یہ معزز عہدہ اسی کے سپرد ہوا، اس سے فراغت کے بعد قصی نے دیکھا کہ قریش کے تمام قبائل منتشر ہین، کوئی پہاڑون پر بسا ہے، کوئی خانہ بدوش ہی، نہ ان مین کوئی نظام ہے، اور نہ اصول جس سے ان کی قوت بالکل ٹوٹی ہوئی ہے، چنانچہ اس نے سب کو پہاڑون اور صحراؤن سے اکٹھا کرکے، ایک جگہ آباد کیا، اسی لئے اس کو مجمع بھی کہتے ہین، اب اس اجتماعی زندگی کے لئے ایک ایسی طاقت کی ضرورت تھی، جو اس کو منتظم صورت مین قائم رکھ سکے، اس لئے قصی نے ایک چھوٹی سی جمہوری حکومت قائم کی، جو باہمی مشورہ سے چلتی تھی، اس دن سے قریش کی تاریخ کا نیا دور شروع ہوا، اور یہ پہلا دن تھا، جب کہ قریش کو حجاز مین سیاسی اہمیت حاصل ہوئی، تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ قصی پہلا شخص ہے، جس کی اطاعت تمام قبائلِ قریش نے قبول کی، اور وہ خود اس سرزمین کا بادشاہ ہوا،[1]

قریش کا تمدن

حکومت کی بنیاد ڈالنے کے بعد سب سے پہلا اور اہم کام یہ تھا کہ فوجی اور عدالتی نظام کو علیحدہ علیحدہ منظم صورت مین قائم کیا جائے، چنانچہ فوجی، عدالتی، اور مذہبی نظام علیحدہ علیحدہ قائم کئے گئے، اور جمہوریت کے اصول کو ہر شعبۂ حکومت مین ملحوظ رکھا گیا، چنانچہ تمام شعبون مین ہر قبیلہ کے اشخاص لئے گئے، ان مین بعض بعض عہدے بہت قدیم تھے لیکن قصی نے تمام صیغون کو ترقی دے کر بہت سے نئے عہدے بھی اضافہ کئے گئے، ان صیغون اور عہدون کی تقسیم حسب ذیل تھی،[2]

---

[1] طبری ص ۱۰۹۶، سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۶۹، [2] عقد الفرید جلد ثانی ص ۴۳ مین یہ مناصب بلا ترتیب بیان کئے گئے ہین،

نظام عسکری قریش نے چار فوجی عہدے قائم کئے تھے، عقاب، قبہ، اعنہ، سفارہ،

نام عہدہ	توضیح	نام قبیلہ
عقاب	نشانِ قومی کی علمداری	بنو امیہ
قبہ	فوجی کیمپ کا انتظام اور اس کی دیکھ بھال	بنو مخزوم
اعنہ	فوج کی سپہ سالاری	"
سفارت	قبائل اور حکومت کے درمیان مراسلت کرنا	بنو عدی

عدالتی نظام اس کے دو شعبے تھے، حکومت و اشناق،

نام عہدہ	توضیح	قبیلہ
حکومت	مقدمات کی سماعت اور ان کا فیصلہ	بنو سہم
اشناق	جرمانہ، خونبہا اور مالی تاوان کی نگرانی	بنو تیم

نظام مذہبی قریش چونکہ خانۂ کعبہ کے متولی تھے، جہاں حج کے موقعہ پر ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا اجتماع ہوتا تھا، اس پر بڑی بڑی جائدادیں وقف تھیں، لاکھوں روپیہ نقد اور جنس کی صورت میں جمع ہوتا تھا، اس بنا پر اس کے لئے نہایت وسیع انتظام کی ضرورت تھی، چنانچہ قریش نے اس کا انتظام بہت وسیع پیمانہ پر کیا تھا، اور اس سے زیادہ مکمل ان کا کوئی انتظام نہ تھا، اس لئے چھ عہدے تھے، سقایہ، عمارہ، رفادہ، سدانہ، ایسار، اموال محجرہ، سقایہ اور رفادہ حجاج کے متعلق تھے، اور باقی خاص خانۂ کعبہ کے متعلق،

سقایہ یعنی حج کے موسم میں لاکھوں انسانوں کو پانی پلانا، یہ اہم ذمہ داری بنو ہاشم کے سپرد تھی،

رفادہ یعنی حجاج کے خورد و نوش کا انتظام، نادار حجاج کی مالی امداد اور ان کے کھانے پینے کی خبرگیری، اس کار خیر کی بنیاد قصی نے ڈالی تھی، ایک دن اس نے تمام قریش کو جمع کر کے تقریر کی کہ برادران قریش حجاج بیت اللہ معلوم نہیں کتنی مصیبتیں اٹھا کر بڑی بڑی مسافتیں طے کر کے محض زیارت بیت اللہ

کے خاطر آتے ہین، اور خدا کے مہمان ہوتے ہین، اور تم اپنے آپ کو "جیر اللہ" خدا کے پڑوسی کہتے ہو، کیا تمھارا اس قدر بھی فرض نہین کہ تم ان کی خاطر و مدارات کرو، مفلسون کو کھانا کھلاؤ، ناداروں کی مالی امداد کرو، اور ہر طرح ان کی آسایش کا سامان بہم پہنچاؤ[1]، اس تقریر کا قریش پر بہت اثر ہوا، اور ہر شخص نے ایک سالانہ رقم مقرر کر دی جو حجاج پر صرف ہوتی تھی[2]، اس کا انتظام بنو نوفل کے سپرد تھا،

عمارہ۔ چونکہ قریش کی ساری عظمت خانۂ کعبہ سے تھی، اس لئے ان کو اس کی نگرانی اور دیکھ بھال بین خاص اہتمام تھا، اور اس کے لئے علیحدہ عہدہ عمارہ قائم کیا تھا، جس کے منتظم بنو ہاشم تھے،

سدانہ۔ خانۂ کعبہ کی کلید برداری یا دربانی، چونکہ خانۂ کعبہ ایک حجرے کی شکل کا تھا، اور اس مین بیش قیمت سامان بھی رہتا تھا، اس لئے عموماً بند رہا کرتا تھا، صرف ضرورت کے اوقات مین کھولا جاتا تھا، اس دربانی کا شرف بنو عذار کو حاصل تھا،

ایسار۔ خانۂ کعبہ مین کچھ تیر رکھے ہوئے تھے، جن سے ضرورت کے وقت استخارہ کیا جاتا تھا، اس استخارہ کی خدمت بنو جمح کے سپرد تھی،

اموال محجرہ۔ حجاج و زائرین کعبہ بتون پر بڑے بڑے چڑھاوے چڑھایا کرتے، اور جائدادین وقف کرتے تھے، اس لئے اوقاف و محاصل کے انتظام کے لئے مخصوص ایک عہدہ قائم تھا، جس کو اموال محجرہ کہتے تھے، اس کی نگرانی بنو سہم کے متعلق تھی،

ندوہ | دار الندوہ ایک عمارت تھی، جسکو قصی نے خانۂ کعبہ کے بالمقابل تعمیر کیا تھا، اس مین اہم کامون کے وقت قریش جمع ہو کر مشورہ وغیرہ کرتے تھے، بلکہ بہت سی تقریبات بھی یہین انجام پذیر ہوتی تھین،

مشورہ | اگرچہ قریش کے تمام کام پبلک کے مشورہ سے انجام پاتا تھا، تاہم بنو اسد کا قبیلہ مشورہ کیلئے مخصوص تھا، بغیر ان سے مشورہ کئے ہوئے کوئی کام نہین انجام پاتا تھا،

---

[1] طبری ص ۱۰۹۶ [2] ایضاً،

حلف الفضول | عام نظامِ عدالت کے علاوہ قریش نے انسدادِ مظالم کے لئے ایک خاص انجمن قائم کر رکھی تھی، جس کا محرک ایک واقعہ تھا، وہ یہ کہ بنو زبید کا ایک شخص مکہ مین کچھ مال بغرض فروخت لایا، جس کو عاص ابن وائل نے خرید لیا، مگر اس کی قیمت نہین ادا کی، وہ بیچارہ قبائلِ قریش مین فریاد لے کر گیا، مگر عاص ابن وائل کی وجاہت سے اس کی فریاد رسی کی کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی، ایک صبح کو جب قریش خانہ کعبہ کے گرد جمع تھے، تو اس تاجر نے چند دردناک اشعار پڑھ کر اپنی بیکسی ظاہر کی زبیر بن عبد المطلب پر اس کا بہت اثر ہوا، اور اس نے بنو ہاشم، بنو زہرہ، بنو تیم بن مرہ کو عبد اللہ بن جدعان کے گھر مین جمع کیا، اور سبھون نے حلف لے کر عہد کیا، کہ جب تک بحر صوفہ مین پانی روان رہے گا، اور جب تک حرا، اور ثبیر[1] اپنی جگہ پر قائم رہین گے، اس وقت تک ہم سب مظلوم کی اعانت کرنا اپنا فرض سمجھین گے، جب تک کہ ظالم سے مظلوم کا بدلہ نہ لے لین،

اس حلف کی بنیاد ایسے پاکیزہ مقاصد کیلئے رکھی گئی تھی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2] کہ

شهدت فی دار عبد الله بن جدعان حلفا لو دعيت به فی الاسلام لاجبت،

یعنی عبد اللہ بن جدعان کے گھر مین ایسے حلف مین شریک ہوا کہ اگر اس کی شرکت کی دعوت مجھکو زمانہ اسلام مین بھی دی جائے تو قبول کر لون،

قریش کا مذہب | قریش کا مذہب اگرچہ مذہب ابراہیمی تھا لیکن اصنام پرستی ان مین اس قدر چھا گئی تھی کہ دین حنیف کے تمام خط و خال بالکل دھندلے ہو کر رہ گئے تھے اور ان کا پہچاننا مشکل تھا، مکہ کی پاک اور مقدس سرزمین مین بت پرستی کا سب سے پہلا بانی عمرو بن لحی ہے، یہ ایک مرتبہ کسی ضرورت سے شام گیا، وہان ایک شہر مین لوگونکو بت پوجتے دیکھا، تو پوچھا کہ ان کو کیون پوجتے ہو، انھون نے کہا یہ ہمارے معبود ہین، ہم ان کی پرستش کرتے ہین، اس کے صلہ مین یہ پانی برساتے ہین، اور ہر قسم کی امداد کرتے ہین، عمرو بن لحی نے کہا، لاؤ ہم کو بھی دو، انھون نے

[1] حرا، و ثبیر پہاڑ کے نام ہین [2] روض الانف جلد ا ص ۹۱،

یہان لیجاکر ان کی پرستش کرین گے، لوگون نے ہبل نامی بت اس کو دیدیا جس کو لاکر اس نے مکہ مین نصب کیا اور لوگون کو اس کی پرستش کی ترغیب دینا شروع کردی[۱]۔ اس بڑے بت کے علاوہ عمرو بن لحی نے چند چھوٹے چھوٹے بت بھی خانۂ کعبہ کے گرد نصب کردیئے، اور مناۃ کو مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام قدید پر لب ساحل نصب کیا تھا[۲]، غرضکہ یہ وبا عمرو بن لحی نے عام عرب مین پھیلائی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا ہے، "یجر قصبہ فی النار"[۳] یعنی اس کی آنتین آگ مین گھسیٹی جاتی ہین، قریش بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے، اور ان کا بھی عام مذہب یہی بت پرستی تھا، وہ متعدد بتون کی پوجا کرتے تھے، جن مین بعض تو قریش کے مخصوص بت تھے، اور بعض قریش اور دیگر قبائل مین مشترک تھے، چنانچہ اساف و نائلہ چاہ زمزم کے پاس نصب تھے، اور قریش کے مخصوص بت تھے، اور وہ ان کے پاس قربانی کیا کرتے تھے، ان دونون بتون کے متعلق قریش کا یہ اعتقاد تھا، کہ یہ قبیلۂ بنو جرہم کے مرد و عورت تھے، لیکن بعض گناہون کے باعث پتھر کے ہوگئے[۴]،

لات:- بنو ثقیف کا بت تھا، مگر قریش اور کنانہ بھی اس کی پوجا کرتے تھے[۵] اس کی تاریخ یہ ہے کہ لات مکہ مین ایک پتھر تھا جس پر حجاج کے لئے ستو گوندھا جاتا تھا، اور اسی نام کا ایک شخص بھی بنی ثقیف مین تھا، وہ مرگیا، تو لوگون نے کہا کہ وہ مرا نہین، بلکہ اپنے ہمنام پتھر مین گھس گیا ہے، اس وہم سے اس کی پرستش بھی شروع ہوگئی،

عزّیٰ:- بنو غطفان کا بت تھا، مگر قریش بھی اس کی پرستش کرتے تھے، اور تبرکاً اسی کے نام پر نام رکھتے تھے، چنانچہ عبد العزیٰ قریش کا مشہور نام ہے، یہ بت بنی غطفان کے ایک باغ مین نصب تھا، قریش برابر وہان تحائف لیجاتے تھے، اور قربانیان کرتے تھے[۶]،

---

۱ سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۷۸ مطبوعہ مصر ۲ معجم البلدان جلد ۸ ص ۱۶۷، ۳ روض الانف جلد ا ص ۱۰۱ مطبوعہ مصر ۴ سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۹۴ مطبوعہ مصر ۵ معجم البلدان جلد ۸ ص ۲۴۴، ۶ معجم البلدان جلد ا ص ۳۱۰،

مناۃ:۔ بنو خزاعہ اور ہذیل کا بت تھا، مگر قریش لات اور عزیٰ کی طرح اس کی بھی پرستش کرتے تھے، چنانچہ طواف کرتے وقت کہا کرتے تھے والّلات والعزّٰی ومنٰوۃ الثالثۃ الاخرٰی فانھن الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی، ان تینوں بتوں کو قریش خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، اور ان کا اعتقاد تھا کہ قیامت کے دن یہ ان کی سفارش کریں گے[1]، اس اعتقاد کی تردید قرآن پاک میں ان الفاظ میں آئی ہے،

اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَہُ الْاُنْثٰی تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی اِنْ ھِیَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْھَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطٰنٍ۔ (سورۂ نجم رکوع ۱)	کیا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے بت مناۃ پر نظر کی کیا تمہارے لئے بیٹے اور خدا کے لئے بیٹیاں ہیں، اگر ایسا ہے تو بڑی غیر منصفانہ تقسیم ہے، یہ تو نام ہی نام ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے رکھ لیا ہے، خدا نے ان کے معبود ہونے کی کوئی سند نہیں اتاری،

ہبل:۔ قریش کا یہ بت خانہ کعبہ کے عین وسط میں نصب تھا، اور قریش کے تمام بتوں میں سب سے زیادہ معزز مانا جاتا تھا، یہ سنگ سرخ کا انسانی مجسمہ تھا، اس پر انسانی قربانیاں بھی چڑھائی جاتی تھیں، چنانچہ عبدالمطلب نے منت مانی تھی، کہ وہ جس وقت اپنے دس بیٹوں کو جوان دیکھیں گے، تو ایک کو ہبل پر بھینٹ چڑھائیں گے[2]، لڑائیوں میں ہبل کی جے پکارتے تھے، جنگ احد کے موقعہ پر جب مسلمانوں کو پسپائی ہوئی، اور دشمنوں نے مشہور کر دیا کہ خدانخواستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے، تو ابوسفیان نے خوشی و مسرت میں اس کی جے کا نعرہ لگایا[3]، خانہ کعبہ کے بتوں کی تعداد تین سو ساٹھ تھی، جن میں حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی مورتیں بھی شامل تھیں[4]، ہبل کے سامنے سات تیر رکھے ہوئے تھے جن سے شادی اور غمی وغیرہ کے موقعہ پر قریش استخارہ کیا کرتے تھے، اگر راست آتا تو وہ کام کرتے ورنہ نہ کرتے[5]،

---

[1] معجم البلدان جلد ۸ ص ۱۷۰۔ [2] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ [3] بخاری جلد ۲ کتاب المغازی باب غزوۂ احد [4] بخاری جلد ۱ ص ۲۱۸۔ [5] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۸۳

بدعاتِ حج

اگرچہ قریش مذہب ابراہیمی کے پیرو تھے، مگر امتدادِ زمانہ سے اس میں اس قدر تغیر و تبدل ہوگیا تھا کہ مذہب کی اصل صورت مسخ ہو کر رہ گئی تھی، چونکہ حضرت ابراہیمؑ بیت اللہ کے بانی تھے، اس لئے حج ان کی تعلیمات میں راس العبادات تھا، قریش بلکہ پورا عرب اس فریضہ کو ادا کرتا تھا، مگر اس کے ارکان اور طریقہ ادا میں طرح طرح کی بدعات رائج کر دی تھیں، شہر حرام یعنی رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، اور محرم کو ضرورت کے وقت بدل دیتے تھے، یعنی محرم کا نام بدل کر صفر رکھ دیتے[1]، اور اس میں تمام وہ باتیں جائز سمجھتے، جو غیر شہر حرام میں جائز ہیں، حج کے مہینے میں عمرہ کرنا گناہ سمجھتے تھے[2]، خاموش حج کرتے، یعنی دورانِ حج میں منہ سے نہ بولتے، ایک شخص دوسرے شخص کو لگام لگا کر گھسیٹتا ہوا طواف کراتا[3]، قریش اپنے کو عام حجاج سے ممتاز رکھنے کیلئے بجائے عرفات کے مزدلفہ میں ٹھہرتے[4]، اسی پر یہ آیۃ نازل ہوئی، "ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ" (سورۂ بقرہ)

آفتاب نکلنے کے بعد افاضہ کرتے تھے[5]، حجاج بغیر متولی کی اجازت اور اس کی ابتدا کے رمی جمار نہیں کر سکتے تھے، رمی جمار کے بعد بغیر متولی کے واپس ہوئے لوٹ نہیں سکتے تھے[6]، طواف کے وقت وَاللَّاتِ وَالْعُزّٰی وَمَنَاۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی فَاِنَّہُنَّ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی وَاِنَّ شَفَاعَتَہُنَّ لَتُرْتَجٰی پڑھتے تھے[7]، تلبیہ میں خدا کے نام کے ساتھ ساتھ بتوں کو بھی داخل کر لیتے تھے[8]، قرآن مجید کی اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے، "مَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُہُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَہُمْ مُشْرِکُوْنَ" یعنی ان کے اکثر لوگ خدا پر ایمان بھی لاتے ہیں تو اس میں دوسروں کو بھی شریک کر لیتے ہیں،

قریش میں تنہا اصنام پرستی یا بدعاتِ حج ہی نہیں رائج تھیں، بلکہ تمام وہ اخلاق ذمیمہ جن میں سارا عرب مبتلا تھا، مثلاً شراب خواری، قمار بازی، دختر کشی، عیاشی، اوہام پرستی وغیرہ وغیرہ ان سے قریش

---

[1] بخاری جلد۱ باب بنیان الکعبہ باب ایام جاہلیت ص ۵۴۱ [2] بخاری جلد۱ کتاب المناسک ص ۲۱۳ [3] بخاری جلد۱ ص ۲۲۶،

[4] ایضاً ص ۲۲۰ [5] سیرۃ ابن ہشام جلد۱ ص ۶۰، [6] معجم البلدان جلد۶ ص ۱۶۶ [7] سیرۃ ابن ہشام جلد۱ ص ۴۷،

بھی تشفی نہ تھے، بلکہ علی الاعلان نہایت فخر و مباہات سے یہ کام کرتے تھے، سوتیلی ماں لڑکے کو بطور وراثت ملتی تھی، غرض کہ اس قبیل کی صدہا لغویتیں ان میں رائج تھیں تاہم ان برائیون کے ساتھ ساتھ ان مین بہت سی خوبیان بھی تھین، مظلومون کی دادرسی ان کا خاص شعار تھا، حلف الفضول کا ذکر اوپر آچکا ہے، جس سے قریش کے اس شریفانہ جذبہ کا بخوبی اندازہ ہوا ہوگا، مہمان نوازی تو ان کی ضرب المثل تھی، موسم حج مین ہزارون حجاج کی ضیافت کرتے تھے، نادارون کے ساتھ نقدی سلوک بھی کرتے تھے، اور اس سعادت مین قریش کا ہر فرد برابر کا حصہ لیتا تھا[۱]، حجاج کے پاس کپڑا نہ ہوتا، تو کپڑا دیتے[۲]، یہ طرز تواضع کچھ حجاج کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ عام مہمانون کے لئے بھی قریش کا دسترخوان اسی طرح وسیع تھا، ایفاے عہد مین خواہ کتنا ہی شدید جانی و مالی نقصان کیون نہ ہو، مگر عہد سے نہ پھرتے تھے،

مورخ یعقوبی نے قریش کی اجمالی حالت کا یہ نقشہ کھینچا ہے کہ مہمانون کی مہمان نوازی کرتے تھے، شہر حرام کی عظمت کرتے تھے، خواہش، مظالم اور قطع رحم کو برا سمجھتے تھے، جرائم کا تدارک کرتے تھے، حرم کے احترام کا اس سے اندازہ ہوگا کہ قصی جو قریش کا سب سے بڑا محسن تھا، اور قریش پر اس کا اتباع لازمی تھا، جب اس نے صفائی کے خیال سے حرم کے درختون کو کاٹنا چاہا، تو تمام قریش نے انکار کر دیا،

کفر و شرک کی اس عام تیرگی مین کہین کہین خداپرستی کا نور بھی پرتو فگن تھا، چنانچہ قریش مین خداپرستون کی خاصی تعداد موجود تھی، مثلاً زید بن عمرو بن نفیل زمانۂ جاہلیت مین موحد تھے، دین حنیف کی پیاس مین موسوی اور عیسوی چشمون کی طرف لپکے، مگر کہین پیاس نہ بجھی، آخر مین خانۂ کعبہ مین کھڑے ہو کر خدا کو شاہد بنایا کہ خدایا مین تجھے گواہ بناتا ہون کہ مین دین ابراہیمؑ پر ہون، وہ اس نعمت توحید کو تنہا اپنی ذات تک محدود نہ رکھنا چاہتے تھے، بلکہ قریش مین اپنے عقائد کی اشاعت بھی کرتے تھے، بت کی قربانیون پر قریش کو ملامت کرتے تھے، دختر کشی کی ممانعت کرتے تھے، حتی کہ لڑکیون کو لیکر خود پرورش کرتے تھے[۴]، اس کے علاوہ قریش کے

---

۱ روض الانف ۲ بخاری جلد ۱ ص ۵۰۴ ۳ یعقوبی جلد ۱ ص ۲۹۴ ۴ بخاری جلد ۱ ص ۵۴۰،

اور متعدد اشخاص بھی بت پرستی سے نفرت کرتے تھے، چنانچہ ورقہ بن نوفل، عبد اللہ بن جحش، عثمان بن حویرث،
زید کے ساتھ ایک مرتبہ بت خانہ مین گئے، توان کو خیال ہوا کہ یہ بھی کیا حماقت ہے کہ ہم پتھر کو پوجتے ہین،
جو نہ سن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے، اور نہ کسی کو فائدہ نقصان پہنچا سکتا ہے، [1] خود صحابۂ کرام رض مین متعدد مثالین
ایسی ملتی ہین، جو زمانۂ جاہلیت مین فطرتِ سلیمہ رکھتے تھے، مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رض،

لوازمِ تمدن

تجارت | قریش کا پیشہ تجارت تھا، زراعت کو وہ عار سمجھتے تھے، حتی کہ ابوجہل مرتے وقت بھی زراعت پیشہ
لوگون کے ہاتھ سے قتل کے عار کو نہ برداشت کر سکا، [2] قریش کی تجارت کا سلسلہ بہت وسیع تھا، ان کے
تجارتی قافلے ملکون ملکون پھر کر بیوپار کرتے تھے، عموماً ان کے کاروانِ تجارت سال مین دو مرتبہ جاتے تھے،
سورۂ قریش مین اسی کی طرف اشارہ ہے،

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اِیْلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ، (قریش)

تعجب ہے کہ قریش کو اپنے جاڑے اور گرمی کے سفر تجارت سے کسقدر الفت ہے، ان کو چاہیئے کہ اس گھر کے رب کو پوجین جس نے ان کو بھوک سے بچانے کیلئے کھانا کھلایا، اور خوف سے امن بخشا،

قریش کی تجارت کو قصی نے بہت با اصول اور منتظم کر دیا تھا، نجاشی شاہ حبش اور قیصر شاہِ روم سے
اجازت نامے حاصل کئے، تاکہ قریش آسانی اور امن سے ان کے حدودِ حکومت مین اپنا تجارتی کاروبار
پھیلا سکین، اس زمانہ مین اگرچہ راستے پر امن نہ تھے، رہزنی اور لوٹ مار عام تھی، تاہم قریش کے کاروانِ
تجارت سے کوئی تعرض نہین کرتا تھا، اور وہ بے خوف و خطر گھوم پھر کر اپنا بیوپار کرتے تھے، اس کی وجہ

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۷۶، [2] بخاری جلد ۲ ص ۵۶۵،

یہ بھی کہ قریش حرم کے متولی ہونے کی وجہ سے جیر اللہ خدا کے پڑوسی کہلاتے تھے، اور خانہ کعبہ کی عظمت تمام عرب کرتے تھے اس نسبت سے وہ لوگ قریش کا بھی بہت احترام کرتے تھے، اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہین کرتے تھے، قریش مین اس درجہ تجارت کا چرچا تھا کہ اس مین مرد عورت، بوڑھے جوان بچے سب اپنا سرمایہ لگاتے تھے، چنانچہ حضرت خدیجہ بیوگی کے زمانہ مین بڑے پیمانہ پہ تجارت کرتی تھین، بروایت ابن سعد تنہا حضرت خدیجہؓ کا مالِ تجارت کل قریش کے سامانِ تجارت کے برابر ہوتا تھا، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہؓ کا مال لیکر بصرے تشریف لے گئے ہین،[۱] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس بھی تجارت فرماتے تھے اور آپ کی تجارت کے واقعات کتبِ احادیث مین مذکور ہین، چنانچہ سائب نامی ایک شخص کی اور آپ کی تجارت مشترک تھی، اور بعد اسلام انھون نے آپ کی خوش معاملگی کی شہادت بھی دی،[۲] آپ یمن کے بازار جرش مین دو بار تشریف لے گئے،[۳] بحرین مین بھی آپ کا جانا ثابت ہے،[۴] ابو طالب بھی تاجر تھے، اکابر قریش مین ابوسہل اور ابوسفیان وغیرہ تجارت کرتے تھے،[۵] حضرت ابوبکرؓ کا بھی شغل تجارت تھا، مدینہ مین مقام سنح پر آپ کا ایک پرچہ بافی کا کارخانہ تھا،[۶] کبھی کبھی خود مال لیکر باہر تشریف لیجاتے تھے، چنانچہ اسلام کے بعد بصریٰ مالِ تجارت لیکر جاتے تھے،[۷]

حضرت عمرؓ بھی تاجر تھے،[۸] ان کی تجارت کا سلسلہ ایران تک پھیلا ہوا تھا،[۹] اور بذات خود تجارت کے سلسلہ مین بہت آیا جایا کرتے تھے، چنانچہ خود کہتے ہین کہ بہت سے ارشاداتِ نبوی مین تجارت کی دوڑ دھوپ کی وجہ سے نہ سن سکا،[۱۰] حضرت عثمانؓ عرب کے بہت بڑے تاجر تھے، اسی بنا پر ان کو غنی کہا جاتا ہے، بنو قینقاع کے بازارون مین آپ کا کھجورون کا کاروبار تھا،[۱۱] زمانۂ جاہلیت مین ربیعہ بن حارث کی شرکت مین تجارت کرتے تھے،[۱۲] حضرت علیؓ نے بھی اذخر کی تجارت کی ہے،[۱۳] ابان بن سعید قرشی بھی تاجر تھے،

۱؎ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۰۰ ۲؎ ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۶ ۳؎ ارض القرآن ص ۱۳۰ جلد ۲ ۴؎ ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۰ ۵؎ ابن ماجہ باب المزاح، ۶؎ مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۲۶ ۷؎ ایضاً جلد ۳ ص ۲۴۳ ۸؎ بخاری جلد ۱ ص ۲۷۰ ۹؎ مسند احمد بن حنبل ۱۰؎ اصابہ جلد ۲ ص ۱۹۰ ۱۱؎ بخاری جلد ۱ ص ۲۸۰

اور شام وغیرہ جاکر تجارت کرتے تھے،[۱] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہانِ عالم کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تو ان میں ایک خط قیصر روم کے نام بھی تھا، جب قاصد خط لیکر پہنچا، تو اس وقت قریش کے تاجر وہان موجود تھے، چنانچہ قیصر نے ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوالات کئے،[۲] غرضکہ تمام قریش تجارت پیشہ تھے، چنانچہ ابن اسحاق کے الفاظ یہ ہین کانت قریش قوماً تجاراً،[۳] چنانچہ قریش نے جب مسلمانون کو حج سے روکا تو انھون نے یہ دھمکی دی کہ ہم تمھاری شام کی تجارت روک دین گے، عرب عموماً ان چیزون کی تجارت کرتے تھے (۱) کھانے کا مسالہ اور خوشبودار جڑین (۲) سونا لوہا جواہرات (۳) خام کھالین، بنا ہوا چمڑا اونی پوشش اور بھیڑ بکری وغیرہ،

توراۃ مین جابجا ان چیزون کا ذکر آیا ہے، قریش بھی غالباً انہی چیزون کی تجارت کرتے ہون گے، بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چمڑا اور چاندی کی تجارت زیادہ کرتے تھے، قریش نے مہاجرین کے خلاف جو وفد نجاشی کے پاس تحفہ لیکر بھیجا، وہ تحفہ بھی یہی چمڑا تھا،[۴] طبری نے لکھا ہے، کہ "ومعہ فضۃ کثیرۃ وھی عظم تجارتھم"[۵]

عرب کی دس تجارتی منڈیان تھین، ان مین قریش زیادہ تر بازار ذوالمجاز اور عکاظ مین شریک ہوتے تھے،[۶] زمانہ اسلام مین لوگون نے اس غرض سے حج کی شرکت کو برا جانا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی،[۷]

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ (بقرہ ۲۵) — تمھارے لئے اس مین کوئی حرج نہین (کہ زمانہ حج مین) اپنے رب کا فضل تلاش کرو،

زمانہ اسلام مین تجارت اور زیادہ چمکی، چنانچہ مہاجرین کا زیادہ وقت بازارون مین کاروبار تجارت

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳۶ [۲] بخاری جلد ۱ ص ۴ [۳] سیرۃ ابن ہشام ص ۱۰۰ [۴] مسند حنبل مسند اہل بیت ۱ [۵] طبری ص ۴، ۱۲۷ [۶] یعقوبی جلد ۱ ص ۱۴۱ [۷] کتاب البیوع باب ما جاء فی قولہ تعالیٰ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض،

میں گذرتا تھا[1]، اور زمانہ جاہلیت کی منڈیوں میں بھی وہی چہل پہل باقی رہی، اور زمانہ اسلام میں تقریباً سو سو برس تک یہ بازار گرم رہے، سب سے پہلے ۱۲۹ھ میں بازار عکاظ خارجیوں کی لوٹ مار کے خوف سے بند ہوا[2]،

علوم وفنون یوں تو شاعری اور زبان آوری کا مذاق تمام عرب میں تھا، تاہم بعض مخصوص قبائل ایسے تھے، جن کی زبان معتبر اور قابل اسناد سمجھی جاتی تھی، از آنجملہ قبیلۂ مضر کی زبان زیادہ معتبر تھی، ان میں بھی قریش زیادہ فصیح اللسان مانے جاتے تھے، ان کی فصاحت کی سند اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ قرآن کریم جو فصاحت وبلاغت کا سرچشمہ ہے قریش کی زبان میں اترا[3]، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے فصیح اللسان ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے کہ میں تم سب میں فصیح تر ہوں، اس لئے کہ میں قریش کے خاندان سے ہوں، اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے[4]، قریش میں بڑے بڑے باکمال شعراء پیدا ہوئے، بلکہ خاص بنو ہاشم میں متعدد شعراء تھے، خلفائے اربعہ کو بھی شاعری کا ذوق تھا، چنانچہ ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں ان کے اشعار بھی نقل کئے ہیں[5]، قریش میں ذوق شاعری کے ساتھ ساتھ تعلیم کا بھی کچھ نہ کچھ رواج تھا، اگرچہ ان میں تعلیم عام نہ تھی، تاہم ظہور اسلام کے وقت پڑھے لکھے اشخاص کی خاصی تعداد موجود تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، ابوعبیدہؓ، طلحہؓ، یزید بن ابی سفیانؓ، ابوحذیفہ بن عتبہ، حاطب بن عمرو، ابوسلمہ بن عبد الاسد، ابان ابن سعید، خالد بن سعید، عبد اللہ بن سعد، ابوسفیان بن حرب، امیر معاویہؓ وغیرہم اچھی طرح پڑھنا لکھنا جانتے تھے، یہ تعلیم صرف مردوں تک محدود نہ تھی، بلکہ مشہور عورتوں میں ام المومنین حضرت حفصہؓ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں، اور حضرت ام سلمہؓ صرف پڑھ سکتی تھیں، لکھ نہیں سکتی تھیں، ان کے علاوہ قریش کی غیر معروف عورتیں مثلاً ام کلثوم بنت عقبہ، کریمہ بنت مقداد لکھنا جانتی تھیں، عائشہ بنت سعد نے تعلیم حاصل کی تھی[6]،

رفاہ عام کے کام قریش کی مذہبی سیادت کے علاوہ ان کے دوسرے اعمال بھی عام حجازیوں سے ان کو ممتاز

---

[1] بخاری جلد ا ص ۲۴۴، [2] فتح الباری جلد ۳ ص ۴۸۳، [3] بخاری جلد ا ص ۴۹۷، [4] طبقات ابن سعد جلد ا ص ۷۱، [5] کتاب العمدہ ص ۱۲، ۱۳، [6] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۷۷، ۴۷۸،

کرتے تھے جس سے ان کے معاصر قبائل مین ان کی قدر و منزلت زیادہ ہوتی تھی چنانچہ اہل مکہ اور اس کے قرب و جوار کے قبائل کی آسایش کے خیال سے قریش کے خاندان نے متعدد کنوئین مختلف مقامات پر کھدوائے[1] تھے اہل مکہ کی سب سے بڑی خدمت یہی تھی کہ اس بے آب و گیاہ زمین مین ان کے لئے آب شیرین مہیا کیا جائے ان کے کنوؤن اور ان کے مالکون کے نام کی تفصیل یہ ہے۔[2]

شہر مکہ کے اندرونی کنوئین

جگہ	نام کنوان	نام شخص
مکہ کے بالائی حصہ مین	•	عبد شمس
ابو طالب کی گھاٹی پر	بذر	ہاشم بن عبد مناف
	سجلہ	مطعم بن عدی
	سقیہ	بنو اسد ابن عبد العزیٰ
	ام احراد	بنو عبد دار
	سنبلہ	بنو جمح
	غمر	بنو سہم

مکہ کے بیرونی کنوئین

	احرم	مرہ بن کعب
	خم خم	بنی کلاب بن مرہ

اسلام کا ظہور

قریش بلکہ پورے عرب پر جہالت کی گھٹا چھائی ہوئی تھی کہ دفعۃً افق مکہ پر برق تجلی چمکی اور نور حق کا اجالا تمام عرب مین پھیل گیا، ابھی آفتاب رسالت کی کرنین پھوٹی ہی تھین کہ خیرہ چشمونکی آنکھین تاب نظارہ نہ لاسکین اور ہر چہار جانب سے ظلم و تعدی کے بادل امنڈنے لگے کہ نور حق کی روشنی کو تاریکی

[1] بخاری جلد ۲ ص ۹۰۵ [2] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۸۹

مین چھپا دین یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کی ابتدا ہی کی تھی کہ ہر طرف سے مخالفت کے طوفان اٹھنے لگے مگر سیلِ صداقت برابر پھیلتا گیا، یہان تک کہ ریگستانِ عرب کو رشکِ گلزار بنادیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوتِ اسلام شروع کی تو ابتداءً مشرکین نے آپ کی تعلیم کو زیادہ اہمیت نہ دی، مگر رفتہ رفتہ جب اس کا حلقہ وسیع ہونے لگا، اور لوگ برابر دائرۂ اسلام مین داخل ہونا شروع ہوئے، تو ان کو سخت تشویش پیدا ہوئی، اور اس کے استیصال کی تمام امکانی کوششین شروع کردین، وہ اشاعتِ اسلام سے زیادہ پیچ و تاب اپنے مذہب اور اپنے معبودون کی مذمت پر کھاتے تھے، پہلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خود سمجھاتے بجھاتے رہے، مگر جب آپ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور آپ کی تبلیغی سرگرمی برابر جاری رہی تو مجبوراً ان لوگون کو ابو طالب کی طرف رجوع کرنا پڑا کہ وہ آپ کے کفیل تھے، چنانچہ عمائدِ قریش کا ایک وفد ان کے پاس گیا، اور اپنے ارادہ سے آگاہ کیا کہ تمھارا بھتیجا ہمارے معبودون کو برا بھلا کہتا ہے، ہمارے مذہب کی مذمت کرتا ہے، ہمارے سمجھدار اشخاص کو بے شعور کہتا ہے، اور ہمارے آبا و اجداد کو گمراہ بتاتا ہے، اس لئے یا تو تم اس کو روکو، ورنہ ہمارے حوالہ کردو، اس وقت ابو طالب نے خوش اسلوبی سے معاملہ کو رفع دفع کردیا، مگر پھر مشرکین نے دیکھا کہ اس شکایت کا بھی کوئی اثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ پڑا، اور آپ کے سابق طرزِ عمل مین کوئی تبدیلی نہین ہوئی تو دوبارہ ابو طالب کے پاس آئے، اس مرتبہ ابو طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سمجھایا کہ بیٹا! چچا پر ناقابلِ برداشت بوجھ نہ ڈالو، اور اپنی قوم کی مخالفت چھوڑ دو، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال پیدا ہوا کہ اب چچا ہماری طرف سے مدافعت نہین کر سکتے، اور ان کی شفقت بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دیگی، اس سے آپ بہت متاثر ہوئے مگر اس بے بسی کے عالم مین بھی آبدیدہ ہو کر جواب دیا کہ چچا! خدا کی قسم اگر کفار میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائین پر ماہتاب رکھدین کہ مین اس فریضہ کو چھوڑ دون، تو بھی نہین چھوڑ سکتا، تا آنکہ اس مین مین ہلاک ہو جاؤن، یا کامیاب ہون، اس جواب سے ابو طالب بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ بیٹا! جاؤ جو جی مین آئے کرو، مین تم کو کسی حالت مین نہین چھوڑونگا[1] جب قریش کو ابو طالب کے

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۳۹، ۱۴۰

اس فیصلہ کی اطلاع ہوئی، تو تیسری مرتبہ پھر آئے، مگر اس مرتبہ انھون نے صاف جواب دیدیا، جب وہ لوگ اس طرف سے بالکل مایوس ہوگئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جاہ و ثروت کا لالچ دلانا شروع کیا کہ شاید اس سے وہ باز آجائین، چنانچہ ابوالولید نے رؤسائے قریش کے مشورہ سے متعدد دنیاوی دلفریبیان آپ کے سامنے پیش کین، کہ اگر تم اپنے مذہب کی اشاعت سے مال جمع کرنا چاہتے ہو، تو ہم تمھارے لئے اس قدر مال جمع کردین، کہ تم ہم سب سے زیادہ دولت مند بن جاؤ، اور اگر سرداری کی خواہش ہے، تو تم کو اپنا سردار بنالین، اور اگر بادشاہی کی تمنا ہے، تو بادشاہ بنانے پر بھی تیار ہین،

جب تمام ترغیبات ابوالولید دے چکا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اب میری بھی کچھ سنو، یہ کہکر آپ نے سورہ حم سجدہ کی چند آیتین تلاوت فرمائین، عتبہ نہایت خاموشی اور تاثر سے سنتا رہا، جب سن چکا، تو آپ نے فرمایا کہ یہ میرا جواب ہے،

عتبہ جب یہان سے اپنے ساتھیون مین گیا تو وہ لوگ اس کا بدلا ہوا رنگ دیکھ کر سرگوشیان کرنے لگے کہ یہ تو وہ عتبہ نہین معلوم ہوتے، جو یہان سے بھیجے گئے تھے، سبھون نے ماجرا پوچھا، انھون نے کہا، مین نے عجیب و غریب کلام سنا ہے، خدا کی قسم اس سے بہتر کلام آج تک میرے کانون نے نہین سنا، واللہ نہ وہ جادو ہے، نہ وہ شعر ہے، اور نہ وہ کہانت ہے، میری راے ہے، کہ تم اس شخص کو اس کی حالت پر چھوڑ دو، عجب نہین، کہ اس کا کلام غیبی آواز ہو، بالفرض اگر وہ کامیاب بھی ہوگیا، تو اس کی بادشاہت تمھاری بادشاہت ہے، اور اس کی عزت تمھاری عزت ہے، اور اگر وہ ناکام رہا، تو عربون کی کامیابی بھی تمھاری کامیابی ہے، عتبہ کے یہ خیالات سنکر لوگون نے کہا کہ تم اس کی زبان سے مسحور ہوگئے ہو، عتبہ نے جواب دیا کہ جو کچھ بھی ہو، مگر یہ میری راے ہے، آیندہ تم لوگ جو چاہو کرو[1]،

غرض جب ترغیب و ترہیب کوئی چیز کارگر نہ ہوئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرح اپنے فریضہ

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد اص ۱۵۵،۱۵۰،

سے دست کش نہ ہوئے، بلکہ انہماک اور سرگرمی پہلے سے بھی زیادہ بڑھتی گئی، اور قبائل قریش میں مسلمانوں کا روز افزوں اضافہ ہوتا گیا، اکابر قریش میں حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ مشرف باسلام ہو چکے، تو مشرکین کا جنون اور تیز ہو گیا، اور شان نبوت میں طرح طرح کی گستاخیاں شروع کردیں، کوئی آپ پر خاک ڈالتا، کوئی آپ کے دروازہ پر غلاظت ڈال جاتا، کوئی آپ کے برتنوں میں گندی چیزیں ڈال دیتا، امیہ بن خلف آپ کے چہرۂ مبارک پر غلاظت پھینک دیتا، ایک مرتبہ آپ سجدہ میں تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آپ کی گردن پر سوار ہو گیا، اور اس زور سے دبایا کہ آنکھیں نکل پڑیں، بعض مرتبہ یہ سنگ دل اس طرح سے گلا گھونٹتے کہ دم گھٹنے رہ جاتا، ایک مرتبہ قریش کچھ مشورہ کر رہے تھے اتفاقاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سے گذرے، سبھوں نے دوڑ کر گھیر لیا، اور پوچھا کہ کیا تم ہی ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا، ہاں میں ہی ہوں، اس پر ایک شخص نے مجمع سے نکلکر آپ کی چادر سے آپ کا گلا بڑی زور سے گھونٹنا شروع کیا، حضرت ابوبکرؓ موجود تھے، یہ دردناک منظر نہ دیکھ سکے، اور روکر فرمانے لگے کہ کیا تم ایسے آدمی کی جان صرف اس بات پر لینے کو آمادہ ہو کہ وہ خدا کو ایک کہتا ہے،[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان قریش میں بہت معزز تھا، اس لئے ان مخالفتوں کے باوجود آپ کے بہت سے حامی موجود تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے اکابر قریش جو مشرف باسلام ہو چکے تھے، ان کو بھی خاندانی عظمت اور وجاہت سے زیادہ نہ ستا سکتے تھے، اس لئے سارا غصہ ان غریب مسلمانوں پر ٹوٹتا تھا، جن کا کوئی یار و مددگار نہ تھا، اور کفار کے بس میں جو کچھ بھی تھا، بھوک پیاس، مارپیٹ ہر طرح سے ان غریب وخستہ حال مسلمانوں پر مظالم ڈھائے، ان کی زندگی کی داستان صرف مار پیٹ پر ختم نہیں ہوتی، بلکہ مارپیٹ کے علاوہ نئے نئے انداز ستم ایجاد کرتے تھے،

امیہ بن خلف حضرت بلالؓ کو چلچلاتی ہوئی دھوپ میں جب کہ مکہ کی زمین توے کی طرح جلتی ہوتی،

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۵۳، بخاری باب بنیان الکعبہ باب مبعث النبی میں بھی واقعہ تھوڑے تغیر کیساتھ مذکور ہے،

گرم ریت پر لٹاتا، اور سینہ پر بھاری پتھر رکھدیتا، کہ جنبش نہ کرسکیں، اور کہتا، کہ محمد سے توبہ کرکے لات وعزیٰ کی پرستش کا اقرار کرو، ورنہ یونہی سسک سسک کر مرجاؤ گے، مگر اس وقت بھی اس شیدائے رسالت کی زبان سے احد احد کی صدا بلند ہوتی[1]،

حضرت عمار بن یاسرؓ بھی بے یار و مددگار تھے، اس لئے قریش کا دست ستم ان پر بھی دراز ہوتا اور ان کو دوپہر کے وقت انگاروں پر لٹاتے، پانی میں غوطہ دیتے، مگر زبان کلمۂ حق سے نہ پھرتی، ایک مرتبہ مشرکین ان کو انگاروں پر لٹا رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سے گذرے، اور آپ کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا یَا نَارُ کُونِی بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی عَمَّارٍ کَمَا کُنْتِ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ، اچھے ہونے کے بعد بھی ان کی پیٹھ پر زخم کے نشانات باقی تھے[2]،

حضرت خباب بن ارتؓ بھی مشرکین کے ظلم وستم کے شکار تھے، وہ خود حضرت عمرؓ کو اپنی مظلومی کی داستان سناتے تھے کہ مشرکین انگارے دہکاتے اور مجھکو پیٹھ کے بل لٹاتے، اور ایک شخص چھاتی پر پتھر رکھ کر جنبش نہ کرنے دیتا، اور اس عذاب میں اس وقت تک مبتلا رہتا جب تک کہ خود میرے زخموں کی رطوبت آگ کو نہ بجھا دیتی[3]،

حضرت صہیبؓ بھی انہی بیکس لوگوں میں تھے، جن کو ستا کر مشرکین دل ٹھنڈا کرتے تھے جب انھوں نے ہجرت کا ارادہ کیا، تو مشرکین نے کہا کہ تو ہمارے یہاں افلاس وفقر کی حالت میں آیا تھا یہاں رہ کر دولتمند ہوا، اب چاہتا ہے کہ جان مال لیکر نکل جائے، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، انھوں نے فرمایا، اگر میں سب مال متاع تم کو دیدوں تو مجھے جانے دوگے انھوں نے کہا ہاں، انھوں نے سارا مال حوالہ کردیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قربانی کی خبر سنی تو فرمایا "رَبِحَ صُهَیْبٌ رَبِحَ صُهَیْبٌ" صہیب نفع مند رہے، صہیب نفع مند رہے[4]،

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۶۰ و اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۶، [2] طبقات ابن سعد جزو ثالث قسم اول ص ۱۷۷، ۱۸۰، [3] ایضاً ص ۱۱۷، [4] ایضاً ص ۱۶۴،

یہ تو مردوں کی مثالیں تھیں، ان اشقیا کے دستِ ستم سے عورتیں بھی نہ بچ سکیں،

حضرت سمیہؓ حضرت عمار بن یاسرؓ کی والدہ سابقاتِ اسلام میں تھیں، ان کو ابوجہل بہت ستاتا تھا، حتی کہ نیزے سے زخمی کر کے شہید کر ڈالا۔[1]

حضرت زنیرہؓ دائرۂ اسلام میں ابتدا ہی میں داخل ہوئیں، ابوجہل ان کو بہت اذیتیں دیتا تھا، حضرت عمرؓ بھی قبل از اسلام ان کو بہت مارا کرتے تھے[2]، انہی میں ایک خاتون لبینہؓ تھیں، منجملہ دیگر ضعفاے اسلام کے حضرت ابوبکرؓ نے ان کو بھی خرید کر آزاد کر دیا تھا[3]،

یہ تمام مہاجرین ضعفاے اسلام میں تھے، جن کا کوئی حامی و مددگار نہ تھا، اس لیے ان پر جو ستم ڈھاتے کم تھے جب کہ ان کی زد سے ذی وجاہت اور صاحب حیثیت لوگ نہ بچ سکے، حضرت ابوبکرؓ زمانۂ جاہلیت میں خاصی عمر کے تھے، اور اپنے قبیلہ میں معزز تھے، تاہم کسی مشرک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت پر ان کی ڈاڑھی نوچ لی[4]،

حضرت عثمانؓ جب مشرف باسلام ہوئے تو ان کے چچا حکم بن ابو العاص رسی سے باندھتے اور کہتے کہ اب بھی اس نئے دین کو نہ چھوڑو گے؟[5]

حضرت عمرؓ نے قبل از اسلام اپنی بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعید بن زیدؓ کو اسلام پر اس قدر مارا کہ ان کے چہرے سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے[6]، یہ مذکورۂ بالا چند واقعات مثال کے طور پر لکھ دیئے گئے، ورنہ انکی فہرست اس سے کہیں زیادہ طویل ہے،

---

[1] اصابہ جلد ۸ ص ۱۱۴

[2] ایضاً جلد ۸ ص ۹۱ [3] ایضاً ص ۱۷۹،

[4] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۵۲

[5] طبقات جزو اول قسم ثالث ص ۳۸،

پہلی ہجرت

یا

مہاجرین کی پہلی جماعت

حبشہ کی پہلی ہجرت مظلوم مسلمان کفار کی سختیاں سہتے سہتے عاجز آ گئے تھے، نہ وہ کفار کے خوف سے کہیں چل پھر سکتے تھے، اور نہ عبادت کر سکتے تھے، اس لئے ان کو ایسی جائے پناہ کی تلاش تھی، جہاں وہ کچھ اطمینان وسکون حاصل کر سکیں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ دیا کہ تم لوگ فی الحال حبشہ کو ہجرت کر جاؤ، وہاں کا بادشاہ رحم دل اور منصف مزاج ہے، وہ تم کو آرام سے رکھے گا، اس قسم کے حکم کے لوگ منتظر ہی تھے، حکم پاتے ہی بڑی تعداد ہجرت کے لئے آمادہ ہو گئی، اور مسلمانوں کا یہ پہلا مصیبت زدہ قافلہ راہ خدا میں غریب الوطن ہوا، یہ جماعت ذیل کے اشخاص پر مشتمل تھی، حضرت عثمان بن مظعون رض رئیس قافلہ تھے،

مرد	عورتین
حضرت عثمان رض	حضرت رقیہ رض
حضرت ابو حذیفہ رض	حضرت سہلہ بنت سہیل رض
حضرت زبیر بن عوام رض	
حضرت مصعب بن عمیر رض	
حضرت عبد الرحمن بن عوف رض	
حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد رض	حضرت ام سلمہ رض
حضرت عثمان بن مظعون رض	
حضرت عامر بن ربیعہ رض	حضرت لیلی بنت ابی حثمہ رض

عورتین	مرد
	حضرت ابو سبرہ بن ابی رہم رضؓ حضرت سہیل بن بیضاء رضؓ حضرت حاطب بن عمرو رضؓ

اس قافلہ کی روانگی کے بعد لوگ برابر ہجرت کرتے رہے، یہان تک کہ حبشہ مین مسلمانون کی کافی تعداد ہوگئی، اور بہت آرام وآسایش کی زندگی بسر کرنے لگے، مگر قریش مسلمانون کا آرام وآسایش کب گوارا کر سکتے تھے،

حبشہ سے مسلمانون کے اخراج کی کوشش

اس لئے نجاشی کے پاس ایک وفد ہدایا وتحائف کے ساتھ بھیجا کہ وہ کسی نہ کسی طرح پناہ گزین مسلمانون کو وہان سے نکال دے، اس وفد کے ارکان مین عبد اللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص تھے، یہ دونون حبش پہنچے اور نجاشی کے دربار مین حاضری کے قبل پہلے درباری بطریقون سے ملے، اور فرداً فرداً ہر ایک کو تحفہ دیکر کہا کہ ہماری قوم کے چند سادہ لوح لونڈون نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے، جو ہمارے اور تمھارے دونون کے مذہب سے مخالف ہے، اور وہ اپنے وطن سے بھاگ کر نجاشی کی حکومت مین پناہ گزین ہوئے ہین، ہم ان کو پکڑنے آئے ہین، اس لئے آپ لوگون کی خدمت مین ہماری درخواست ہے کہ جس وقت ہم بادشاہ سلامت کے حضور مین عرض گذار ہون، تو براے مہربانی آپ لوگ ہماری تائید فرمائین، اور ان کو مشورہ دین کہ ہمارے مفرورین ہمارے حوالہ کر دیئے جائین، اس کے بعد نجاشی کی خدمت مین باریاب ہو کر ہدایا پیش کئے اور عرض کیا کہ ہمارے چند سادہ لوح لڑکون نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے، جو ہمارے اور آپ دونون کے مذہب سے مختلف ہے، اس لئے ہم عرض گذار ہین کہ ان کو ہمارے حوالہ کر دینے کا حکم صادر فرمایا جائے، بطارقہ کو پہلے ہی ہموار کر لیا تھا، اس لئے انھون نے پرزور طریقہ سے تائید کی کہ بیشک

یہ لوگ ان لڑکون کی بہ نسبت زیادہ تجربہ کار اور ان کے واقف کار ہین، اس لئے ان کا حوالہ کردینا ہی مناسب ہے،

نجاشی کا جواب

نجاشی یہ درخواست سنکر بہت برہم ہوا، اور کہا، کہ جب تک مین ان لوگون کو بُلا کر خود تحقیقات نہ کرلون گا، اس وقت تک مین اپنے مہمان اور پناہ گزینون کو ہرگز حوالہ نہین کرسکتا، البتہ اگر وہ تمھارے بیان کے مطابق ہین، تو مجھے حوالہ کرنے مین کوئی عذر نہ ہوگا، اور اگر ایسا نہین ہے، تو تم لوگ کسی طرح ان کو نہین لیجاسکتے، اور وہ جب تک ہماری پناہ مین رہین گے، آزادی سے رہسکین گے،

نجاشی کا مسلمانون کو تحقیقِ حال کے لئے طلب کرنا

چنانچہ نجاشی نے مسلمانون کو بلایا، چونکہ یہ واقعہ ان لوگون کے لئے بالکل نیا تھا، اس لئے بہت گھبرائے، اور سب سوچنے لگے کہ کیا جواب دینا چاہئے، مگر آخر مین یہ فیصلہ کیا، کہ جو کچھ واقعہ ہے صحیح صحیح بیان کردین گے، خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو،

جب یہ لوگ حاضر ہوئے، تو نجاشی نے پوچھا، کہ تمھارا کون سا دین ہے جس کے باعث تم نے آبائی مذہب کو چھوڑدیا، اور وہ تمھارا جدید مذہب ہم سب لوگون کے مذہب سے نرالا ہے، اس کا جواب حضرت جعفرؓ نے ایک مختصر تقریر مین دیا،

حضرت جعفرؓ کی تقریر

ایہا الملک، ہم ایک جاہل قوم تھے، بتون کو پوجتے تھے، مردار خوار تھے، فواحش مین مبتلا تھے، قطعِ رحم کرتے تھے، پڑوسیون کے ساتھ برا برتاؤ رکھتے تھے، ہمارا زبردست زیردست کو کھاجاتا تھا، ہماری یہ حالت تھی، کہ ہم مین خدا نے ایک ایسا پیغمبر مبعوث کیا، جس کے صدق، عفاف، امانت اور نسب کو ہم جانتے ہین، اس نے ہم کو خداے واحد کی طرف بلایا کہ ہم صرف اسی کی پرستش کرین، اور ہم نے اور اپنے آبا کے اصنام کی پرستش چھوڑدین، اس نے ہم کو سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلۂ رحمی کرنے، پڑوسیون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے، حرام باتون اور خونریزی سے محترز رہنے کا حکم دیا، اور فواحش سے، جھوٹ بولنے سے، یتیم کا مال کھانے سے، عفیفہ عورتون پر تہمت لگانے سے منع کیا، اور خداے واحد کی تنہا عبادت کا حکم دیا، کہ اس مین کسی کو شریک نہ کرین، اور صوم و صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا حکم دیا، ہم نے

اس کو مانا، اور اس پر ایمان لائے، اب جب کہ ہم نے شرک چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کی، اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا، اس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی، اور ہم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگی کہ پھر ہم خدا پرستی کو چھوڑ کر اصنام پرستی شروع کر دیں[1]،

نجاشی کا آیات قرآنی سے متاثر ہونا اور اسلام کی حقانیت کا اعتراف

نجاشی نے کہا، خدا کا کلام تم کو کچھ یاد ہے؟ حضرت جعفرؓ نے کہا ہاں! نجاشی نے سننے کی خواہش کی، حضرت جعفرؓ نے کھٰیٰعص کا تھوڑا سا ابتدائی حصہ سنایا، جس کو سن کر نجاشی اور اس کے درباری اسقف اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہو گئیں، نجاشی نے کہا، کہ یہ اور عیسیٰ کا لایا ہوا مذہب ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہیں،

وفد مشرکین کی ایک چال

اور عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ سے کہا کہ تم دونوں چلے جاؤ، یہ لوگ کسی طرح تمہارے حوالہ نہیں کئے جا سکتے، جب یہ دونوں اس طرح ناکام ہوئے تو ایک دوسری تدبیر سوچی، وہ یہ کہ نجاشی کے سامنے مسلمانوں سے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ان کا عقیدہ دریافت کیا جائے، عیسائی ان کو ابن اللہ کہتے ہیں، اور مسلمان عبداللہ بتائیں گے، ان کے اس عقیدہ کا اثر نجاشی پر بُرا پڑے گا، غرض دوسرے دن عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بہت غلط عقیدہ رکھتے ہیں، اور ان کی شان میں نارو الفاظ استعمال کرتے ہیں، ہمارے اس قول کی تصدیق آپ ان کو بلا کر کر سکتے ہیں، یہ آزمایش پہلے سے بھی زیادہ سخت تھی، تاہم ان لوگوں نے یہی فیصلہ کیا کہ قرآن میں جو کچھ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق مذکور ہے، وہی نجاشی کے سامنے بیان کریں گے، خواہ اس کا نتیجہ خراب ہی کیوں نہ نکلے،

مسلمانوں کی دوبارہ طلبی اور وفد کی ناکامی

غرض کہ یہ لوگ دربار میں بلائے گئے، نجاشی نے سوال کیا کہ عیسیٰ کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہو، حضرت جعفرؓ نے جواب دیا کہ ہماری کتاب کے رو سے وہ خدا کے بندے اور

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد اص ۱۸۱ و ۱۸۲،

اس کے رسول اور اس کی روح تھے، نجاشی نے زمین پر ہاتھ مار کر ایک تنکا اٹھایا، اور کہا، کہ جو تم کہتے ہو حضرت عیسیٰ اس تنکے سے ذرہ برابر بھی۔۔۔۔ زیادہ نہین تھے، اس پر بطارقہ بہت زیادہ چین بجبین ہوئے، اور قریش کی سفارت ناکام رہی[1]،

مہاجرین حبش کی واپسی | ابھی مہاجرین حبش مین کچھ ہی دن رہے تھے، کہ ان کو اہلِ مکہ کے اسلام کی غلط خبر ملی، اس خبر سے فطرةً ان کو وطن لوٹنے کا شوق پیدا ہوا کہ اب وہان بھی امن و امان نصیب ہوگا، اس خیال سے یہ لوگ مکہ روانہ ہوگئے، مگر مکہ کے قریب پہنچکر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی، اب یہ لوگ بڑی کشمکش مین پڑے، نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن، لیکن بالآخر یہ سب کسی نہ کسی کی امان مین داخل ہوگئے، البتہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دو ایک دن ٹھہر کر واپس چلے گئے،

دوسری ہجرت

حبشہ کی دوسری ہجرت | مہاجرین مکہ مین قیام پذیر تو ہوگئے، مگر مشرکینِ مکہ ان کو کب چین لینے دیتے، بالخصوص اس وجہ سے اور جلے ہوئے تھے کہ قریش کی سفارت مہاجرین کے مقابلہ مین دربارِ حبش سے ناکام واپس ہوئی تھی اور مہاجرین وہان آرام و اطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے اس لئے پھر پہلے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ایذا رسانی شروع کردی، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ہجرتِ حبشہ کی اجازت دیدی، مگر اس مرتبہ پہلی ہجرت کی طرح آسانی سے قافلہ چلا جانا دشوار تھا، کفار نے سخت مزاحمت کی، طرح طرح رکاوٹین ڈالنا شروع کین، تاہم ۸۳ مرد اور ۲۰ عورتون کا قافلہ کسی نہ کسی طرح حبش روانہ ہوگیا[2]، اکثر کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہین،

---

[1] یہ واقعات سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۲۰۲، ۲۰۳ مین مفصل مذکور ہین، [2] طبقات ابن سعد جزء اول قسم اول ص ۱۳۸

۱	حضرت عثمان بن عفان رضؓ	۲۰	حضرت حاطب بن عمرو رضؓ
۲	" ابوحذیفہ رضؓ	۲۱	" عبداللہ بن سہیل رضؓ
۳	" عبداللہ بن جحش رضؓ	۲۲	" سعد بن خولہ رضؓ
۴	" شجاع بن وہب رضؓ	۲۳	" ابوعبیدہ بن جراح رضؓ
۵	" عتبہ بن غزوان رضؓ	۲۴	" سہیل بن بیضاء رضؓ
۶	" طلیب بن عمیر رضؓ	۲۵	" معمر بن ابی سرح رضؓ
۷	" عبدالرحمن بن عوف رضؓ	۲۶	" عیاض بن زہیر رضؓ
۸	" عبداللہ بن مسعود رضؓ	۲۷	" جعفر بن ابی طالب رضؓ
۹	" مقداد بن عمرو رضؓ	۲۸	" خالد بن سعید رضؓ
۱۰	" ابوسلمہ بن عبدالاسد رضؓ	۲۹	" معیقیب بن ابی فاطمہ رضؓ
۱۱	" معتب بن عوف رضؓ	۳۰	" خالد بن حزام رضؓ
۱۲	" عامر بن ربیعہ رضؓ	۳۱	" اسود بن نوفل رضؓ
۱۳	" خنیس بن حذافہ رضؓ	۳۲	" عمرو بن امیہ رضؓ
۱۴	" عثمان بن مظعون رضؓ	۳۳	" یزید بن زمعہ رضؓ
۱۵	" عبداللہ بن مظعون رضؓ	۳۴	" ابوالروم بن عمیر رضؓ
۱۶	" قدامہ بن مظعون رضؓ	۳۵	" فراس بن نضر رضؓ
۱۷	" سائب بن عثمان رضؓ	۳۶	" جہم بن قیس رضؓ
۱۸	" ابوسبرہ بن ابی رہم رضؓ	۳۷	" ابوفکیہہ رضؓ
۱۹	" عبداللہ بن مخرمہ رضؓ	۳۸	" مطلب بن ازہر رضؓ

۳۹	حضرت عتبہ بن مسعود رضؓ	۵۴	حضرت تمیم بن حارث رضؓ
۴۰	" شرجیل بن حسنہ رضؓ	۵۵	" سعید بن حارث رضؓ
۴۱	" حارث بن خالد رضؓ	۵۶	" سعید بن عمرو رضؓ
۴۲	" عمرو بن عثمان رضؓ	۵۷	" محمیہ بن جزء رضؓ
۴۳	" عباس بن ابی ربیعہ رضؓ	۵۸	" حاطب بن حارث رضؓ
۴۴	" ہاشم بن ابو حذیفہ رضؓ	۵۹	" خطاب بن حارث رضؓ
۴۵	" ہبار بن سفیان رضؓ	۶۰	" سفیان بن معمر رضؓ
۴۶	" عبداللہ بن سفیان رضؓ	۶۱	" خالد بن سفیان رضؓ
۴۷	" معمر بن عبداللہ رضؓ	۶۲	" جنادہ بن سفیان رضؓ
۴۸	" عبداللہ بن حذافہ رضؓ	۶۳	" نبیہ بن عثمان رضؓ
۴۹	" قیس بن حذافہ رضؓ	۶۴	" سلیط بن عمرو رضؓ
۵۰	" ہشام بن عاص رضؓ	۶۵	" سکران بن عمرو رضؓ
۵۱	" ابو قیس بن حارث رضؓ	۶۶	" مالک بن زمعہ رضؓ
۵۲	" سائب بن حارث رضؓ	۶۷	" عمرو بن حارث رضؓ
۵۳	" حجاج بن حارث رضؓ	۶۸	" عثمان بن عبد غنم رضؓ
۱	حضرت سودہ بنت زمعہ رضؓ	۵	حضرت حبیبہ بنت ابو سفیان رضؓ
۲	" فاطمہ بنت علقمہ رضؓ	۶	" ام سلمہ بنت ابی امیہ رضؓ
۳	" عمیرہ بنت سعدی رضؓ	۷	" ربطہ بنت حارث رضؓ
۴	" حسنہ ام شرجیل رضؓ	۸	" رملہ بنت ابی عوف رضؓ

۹	حضرت لیلیٰ بنت ابی حثمہ رضؓ	۱۵	حضرت ام حرملہ رضؓ
۱۰	" سہلہ بنت سہیل رضؓ	۱۶	" فاطمہ بنت مجلل رضؓ
۱۱	" ام کلثوم اسماء بنت عمیس رضؓ	۱۷	" فکیہہ بنت یسار رضؓ
۱۲	" فاطمہ بنت صفوان رضؓ	۱۸	" برکہ بنت یسار رضؓ
۱۳	" امینہ بنت خلف رضؓ	۱۹	" اسماء بنت عمیس رضؓ
۱۴	" خزیمہ بنت جہم رضؓ		

غریب مسلمانوں کو خانماں برباد کرنے کے بعد بھی قریش کی آتشِ غضب نہ ٹھنڈی ہوئی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی حمایت کے جرم میں بنو ہاشم کا مقاطعہ کر دیا، اور ایک معاہدہ مرتب کیا، جس کی رو سے بنو ہاشم کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات جرم قرار دیئے گئے، اس ظالمانہ معاہدہ کے بعد بنو ہاشم شعب ابی طالب میں پناہ گزین ہو گئے، اور تین سال تک قید و بند میں گذارے، بالآخر قریش کے ایک نرم دل آدمی ہشام بن عمرو کو بنو ہاشم کی بیکسی پر رحم آیا، اور انہوں نے چند معززین کی تائید سے اس معاہدہ کو منسوخ کر کے چاک کر ڈالا، اور ہاشمیوں کو قید تنہائی سے نجات ملی،[1]

حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال

اس معاہدہ کی تنسیخ کو تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی اور چہیتے چچا ابو طالب کا انتقال ہو گیا، اس سانحہ کے تقریباً سوا مہینہ بعد ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے بھی داغِ مفارقت دیا، اور دو ڈھائی مہینہ کے اندر اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں محافظ اٹھ گئے،

قریش کی ایذا رسانی

اب قریش کے لئے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی، ابو طالب کی حمایت اور حضرت خدیجہ رضؓ کا تمول اور ان کی وجاہت سب ختم ہو چکے تھے، اس لئے ان کو دل کھول کر بخار اس نکالنے کا موقعہ ملا، اور انہوں نے کسی ممکن ایذا رسانی سے دریغ نہ کیا، ان میں اکثر واقعات اوپر گذر چکے ہیں، ایک مرتبہ

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد اول ۲۰۲، ۲۰۵،

ایک گستاخ نے مٹی لاکر فرقِ مبارک پر جھونک دی، آپ اسی حالت مین گھر تشریف لائے ایک صاحبزادی نے اس حالت مین دیکھا، تو زار و قطار رونے لگین، سر سے مٹی دھوتی جاتی تھین، اور آنسو بہتے جاتے تھے، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشفی دیتے تھے کہ جانِ پدر رو مت، خدا تمھارے باپ کو کفار کی درازدستیون سے روکنے والا ہے، اس موقع پر آپنے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ابو طالب کی زندگی تک قریش میرے ساتھ کوئی ناروا سلوک نہ کر سکے[1]،

تبلیغ اسلام، طائف کا سفر

ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضہ کے انتقال کے بعد مشرکین مکہ کے جور و ستم نے سرزمین حرم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تنگ کردی، اس لئے آپنے زید بن حارثہ کی معیت مین طائف کا رخ کیا، کہ شاید وہان کچھ بندگانِ خدا توحید کی صدا پر لبیک کہین، چنانچہ طائف پہنچکر سردارانِ ثقیف کے سامنے اسلام پیش کیا، لیکن جواب کیا ملتا ہے؟ کیا خدا نے تم کو بھیجا ہے!؟ کیا خدا کو تمھارے علاوہ دوسرا پیغمبر نہین ملا؟ خدا کی قسم ہم تم سے بات نہین کر سکتے کیونکہ اگر تم پیغمبر ہو جیسا کہ تمھارا خیال ہے، تو تم سے گفتگو کرنے مین بڑا خطرہ ہے، اور اگر جھوٹے ہو، تو قابلِ التفات نہین[2]، آپ یہ جواب سن کر ایک گونہ مایوس ہو گئے تاہم دس دن ٹھہر کر قبیلۂ ثقیف کے ایک ایک سربرآوردہ شخص سے ملے لیکن سب نے جواب دیا کہ محمد ہمارے یہان سے نکل جاؤ، اور جہان تمھاری آواز سننے والے ہون وہان جاؤ، صرف اس جواب پر اکتفا نہین کیا، بلکہ کچھ اوباشون کو لگا دیا جنھون نے ذات اقدس پر سنگ باری شروع کردی، اور اس قدر پتھر برسائے کہ آپکے دونون پاؤن زخمون سے چور ہو گئے، زید بن حارثہ رضہ آپ کو بچاتے تھے، اس مدافعت مین وہ بھی زخمی ہوئے[3]،

مکہ کی واپسی اور مطعم بن عدی کی امان

غرض اس طرح آپ وہان سے مغموم و ناکام واپس ہوئے، راستہ مین زید ابن حارثہ رضہ نے گذارش کی کہ مکہ مین ہم کس طرح رہ سکتے ہین، جب کہ قریش ہمارے نکالنے پر تلے ہوئے ہین،

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۲۲۰، [2] ایضاً ص ۲۳۹، زید بن حارثہ کا نام طبقات مین ہے [3] ابن سعد حصۂ سیرۃ ص ۱۴۲،

آپ نے فرمایا کہ خدا اپنے مذہب کا حافظ وناصر ہے، وہ خود ہماری حفاظت کا سامان کریگا، چنانچہ خدا نے آپ کی حفاظت کا سامان کیا، اور مطعم بن عدی نے اپنی پناہ مین لیکر عام اعلان کر دیا کہ مین نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دی، اس لئے کوئی آپ کے ستانے کا ارادہ نہ کرے، اور آپ اطمینان سے ان کے گھر مین رہنے لگے[1]،

مطعم بن عدی کا گھر اور تبلیغ اسلام

اسلام اور بانی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف غیظ وغضب کا جو طوفان اٹھا تھا، وہ طائف سے واپسی کے بعد پہلے سے بھی زیادہ تند ہو گیا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مطلق خوف زدہ اور مایوس نہ ہوئے، بلکہ مطعم بن عدی کے گھر مین بیٹھ کر اور قبائل کا دورہ کرکے بدستور اشاعت اسلام فرماتے رہے، اور اجتماع کا کوئی موقع ایسا نہ چھوڑا جسمین خدا کا پیغام نہ پہنچایا ہو، حج کے موسم مین حجاج کے فرودگاہون پر بالخصوص عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کے بازارون مین، غرض جہان کہین خدا کے کچھ بندے یکجا ہوتے وہان آپ ان کے کانون تک اس کا پیغام پہنچا دیتے، پورے دس سال تک آپ اس فرض نبوت کو نہایت جانفشانی اور تندہی کے ساتھ ادا کرتے تھے، جن قبائل مین آپ نے گشت لگا کر پیغام خداوندی پہونچایا، ان کی فہرست حسب ذیل[2] ہے،

بنو عامر، بنو محارب، بنو فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نضر، بکاء، کندہ، کعب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ، لیکن اس دعوت کا مشترک جواب یہ ملتا کہ آدمی کا قبیلہ اس آدمی کے حالات زیادہ جانتا ہو، یعنی جب قریش نے تمھاری دعوت کو مسترد کر دیا، تو دوسرے کیون قبول کرین گے،

تبلیغ کا اثر قبائل پر

اگرچہ عرب کے تمام قبائل مین اسلام کے خلاف یکسان فضا تھی، تاہم انفرادی طور پر ان مین ایسے نفوس صالحہ موجود تھے جن کی فطرت سلیمہ دعوت حق سننے پر مستعد تھی، اور ان کے قلب سلیم کا عارضی زنگ تھوڑی کوشش سے دور ہو سکتا تھا، چنانچہ کفر وضلالت کے بیابان مین توحید کی آواز بالکل بے اثر نہ رہی، بلکہ بہتیرے قبائل مین اسلام کا خاصا چرچا ہو چلا، ان قبائل اور ان کے ان مقدس نفوس کا اجمالی خاکہ ذیل

[1] ابن سعد حصہ سیرۃ ص ۲۴۴، [2] زرقانی جلد ا ص ۳۵۹،

ہیں درج کیا جاتا ہے اس سے اندازہ ہوگا، کہ ہجرت کے قبل مکہ کی زندگی میں اسلام نے کن کن قبائل کو متاثر کیا،

نام قبیلہ یا بطن	اسمائے گرامی
بنو ہاشم	حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رض ،، جعفر بن ابو طالب رض ،، علی بن ابو طالب رض
موالیِ بنو ہاشم	حضرت آنسہ مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ،، ابو کبشہ رض ،، ،، ،، زید بن حارثہ رض ،، ،،
بنو مطلب	حضرت عبیدہ بن حارث رض ،، طفیل بن حارث رض
بنو مطلب کے حلیف	حضرت ابو مرثد غنوی رض ،، مرثد بن ابی مرثد رض
بنو عبد شمس	حضرت عثمان بن عفان رض ،، خالد بن سعید رض
بنو شمس کے حلیف	حضرت عبداللہ بن جحش رض ،، ابو احمد بن جحش رض ،، عکاشہ بن محصن رض ،، شجاع بن وہب رض

بنوشمس کے حلیف	حضرت عقبہ بن وہب رض
بنونوفل کے حلیف	حضرت عتبہ بن غزوان رض
بنواسد بن عبد العزی	حضرت زبیر بن عوام رض
بنواسد کے حلیف	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رض
بنوعبد دار	حضرت مصعب بن عمیر رض
بنوعبد بن قصی	حضرت طلیب بن عمیر رض
بنی زہرہ بن کلاب	حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رض " سعد بن ابی وقاص رض " طلیب بن ازہر رض " عبد اللہ الاصغر رض " عبد اللہ بن شہاب رض " عامر بن ابی وقاص رض " مطلب بن ازہر رض
بنی زہرہ کے حلیف	حضرت عبد اللہ بن مسعود رض " مقداد بن عمرو رض " خباب بن ارت رض " مسعود بن ربیع رض " عتبہ بن مسعود رض " شرجیل بن حسنہ رض

بنو تیم بن مرہ	حضرت ابوبکر صدیق رض " طلحہ بن عبید اللہ رض " عامر بن فہیرہ خادم صدیق اکبر رض " حارث بن خالد رض " عمرو بن عثمان رض
بنو مخزوم بن یقظہ	حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد رض " ارقم بن ارقم رض " شماس بن عثمان رض " عیاش بن ابی ربیعہ رض " سلمہ بن ہشام رض " ہاشم بن ابو حذیفہ رض " ہبار بن سفیان رض " عبد اللہ بن سفیان رض
بنو مخزوم کے حلیف	حضرت عمار بن یاسر رض " معتب بن عوف رض
بنو عدی	حضرت عمر بن الخطاب رض " زید بن خطاب رض " سعید بن زید رض " عبد اللہ بن عمر رض

بنو عدی	حضرت عمرو بن سراقہ رض " نعیم النجام بن عبداللہ رض " معمر بن عبداللہ رض " عدی بن نضلہ رض " عروہ بن ابی اثاثہ رض " مسعود بن سوید رض " عبداللہ بن سراقہ رض
حلیف بنو عدی	حضرت عامر بن ربیعہ رض " عاقل بن ربیعہ رض " خالد بن ربیعہ رض " ایاس بن ربیعہ رض " عامر بن ربیعہ رض " خولی بن ابی خولی رض " مہجع بن صالح غلام عمر بن خطاب رض
بنو سہم	حضرت خنیس بن حذافہ رض " عبداللہ بن حذافہ رض " ہشام بن عاص رض " ابو قیس بن حارث رض " عبداللہ بن حارث رض

بنو سہم	حضرت سائب بن حارث رضہ حجاج بن حارث رضہ " تمیم بن حارث رضہ " سعید بن حارث رضہ " سعید بن عمرو رضہ
بنی جمح بن عمرو	حضرت عثمان بن مظعون رضہ " عبداللہ بن مظعون رضہ " قدامہ بن مظعون رضہ " سائب بن عثمان رضہ " معمر بن حارث رضہ " حطاب بن حارث رضہ " سفیان بن معمر رضہ " خالد بن سفیان رضہ " جنادہ بن سفیان رضہ " نبیہہ بن عثمان رضہ
بنو عامر بن لوی	حضرت ابو سبرہ بن ابی رہم رضہ " عبداللہ بن مخرمہ رضہ " حاطب بن عمرو رضہ " عبداللہ بن سہیل رضہ

بنو عامر بن لوئی	حضرت عمیر بن عوف رضہ " وہب بن سعد رضہ " سلیط بن عمرو رضہ " سکران بن عمرو رضہ " مالک بن زمعہ رضہ
بنو فہر بن مالک	حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضہ " سہیل بن بیضاء رضہ " معمر بن ابی سرح رضہ " عیاض بن زہیر رضہ " عمرو بن حارث رضہ " عثمان بن عبد غنم رضہ
بنو اسد بن عبد العزی	حضرت سعید بن عبد قیس رضہ " خالد بن خزام رضہ " اسود بن نوفل رضہ " عمرو بن امیہ رضہ " یزید بن زمعہ رضہ
بنو عبد دار بن قصی	حضرت ابوالروم بن عمیر رضہ " فراس بن نضر رضہ " جہم بن قیس رضہ

بنو عبد بن قصی کے حلیف	حضرت ابو فکیہہ رضہ
بنی سعد کے حلیف	حضرت محمیہ بن جزء رضہ
قبیلۂ دوس	حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ دوسی رضہ
	" طفیل بن عمرو دوسی رئیس قبیلہ رضہ

قبیلۂ دوس کی خواہش جب کہ مکہ میں چاروں طرف مشرکین کی یورش اور دشمنانِ اسلام کا نرغہ تھا، اس وقت بھی اطرافِ مکہ کے وہ قبائل جن پر اسلام کا پرتو پڑ چکا تھا ذاتِ نبوی کی حمایت اور امداد پر آمادہ تھے، چنانچہ قبیلۂ دوس جو مستحکم قلعہ کا مالک تھا، اس کے سردار طفیل بن عمرو نے خواہش کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ہجرت کر آئیں لیکن آپ نے انکار کر دیا[1]، اسی طریقہ سے ایک ہمدانی نے آپ کی حفاظت پر آمادگی ظاہر کی،[2] لیکن آپ بغیر حکم الٰہی کے مجبور تھے،

مدینہ کا خواب بالآخر جس چیز کا انتظار تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ رویا میں اس کا مشاہدہ کرا دیا گیا، اور آپ نے خواب دیکھا کہ مکہ سے کھجوروں والی زمین میں ہجرت کر رہے ہیں، اس سے آپ یمامہ یا ہجر سمجھے لیکن درحقیقت یہ یثرب کی بابرکت زمین تھی[3]،

اہلِ مدینہ کا قبولِ اسلام اوپر گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موسم میں حجاج میں تبلیغ اسلام فرماتے تھے، اس سلسلہ میں آپ کو چند خزرجی اشخاص ملے، آپ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا، ان کا آئینۂ قلب اس کے پہلی ہی عکس میں توحید کے پرتو سے چمک اٹھا، البتہ ان کی تعداد اور اولیت میں اختلاف ہے کہ پہلی مرتبہ کتنے لوگ مشرف باسلام ہوئے اور وہ کون کون لوگ تھے، ان کی تعداد باختلاف روایت ۲، ۶، اور ۸ ہے، لیکن ۶ کی روایت مرجح ہے، اور اس صورت میں واقعہ کی صورت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موسم حج میں بنو نجار کے کچھ آدمی ملے، آپ نے دریافت فرمایا کہ تم یہود کے حلیف ہو، انھوں نے اثبات میں

[1] مسلم جلد ۱، باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لا یکفر [2] مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۱۳ [3] بخاری جلد ۱ ص ۵۵۱،

جواب دیا، آپ نے اسلام پیش کیا، اور قرآن کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں، اور وہ لوگ مشرف باسلام ہو گئے، ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں[۱]،

حضرت اسعد بن زرارہ رضؓ	حضرت عوف بن حارث رضؓ
حضرت رافع بن مالک رضؓ	حضرت قطبہ بن عامر رضؓ
حضرت عقبہ بن عامر رضؓ	حضرت جابر بن عبداللہؓ رضؓ

انصارؓ کی پہلی بیعت دوسرے سال موسم حج میں خزرج کے بارہ آدمی آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی، یہ بیعت جہاد نہ تھی، بلکہ چند اخلاقی باتوں کا عہد تھا، یعنی شرک، چوری، زنا، قتل اولاد اور بہتان سے احتراز، اور امر بالمعروف میں اطاعت، یہ لوگ جب بیعت کرکے واپس جانے لگے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیرؓ کو تعلیم قرآن کے لئے ساتھ کر دیا، یہ وہاں امامت بھی کرتے تھے[۲]،

انصارؓ کی دوسری بیعت تیسری مرتبہ خزرجی مسلمان بہتر اشخاص اپنے ساتھ لائے اور ان سبھوں نے بیعت کی، مگر یہ بیعت آسان نہ تھی، اس میں جان کی بازی تھی کہ وہ ہزاروں دشمنانِ اسلام کے درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اپنے اہل وعیال کی طرح کریں گے[۳]،

عام ہجرت انصارؓ کی بیعت اور اذنِ ہجرت کے بعد ستم رسیدہ مسلمانوں کے لئے بیت الامن مدینہ کی شاہراہ کھل گئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں کو مژدہ سنا دیا، اور ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا، سب سے پہلے حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسدؓ اور عامر بن ربیعہؓ نے ابتدا کی[۴]، اس کے بعد مسلمان ہر طرف سے جوق در جوق اس جائے پناہ میں آنے لگے، ان کی فہرست بہت طویل ہے، اکثروں کے اسمائے گرامی یہ ہیں[۵]،

---

[۱] ابن سعد حصہ سیرۃ ص ۱۴۰، [۲] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۳۳، [۳] ایضاً ص ۲۴۳۔ [۴] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۵۶ [۵] ناموں کی تفصیل سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۵۳ تا ۲۶۲ سے لی گئی ہے،

عبداللہ بن جحش رضہ	محمد بن عبداللہ بن جحش رضہ	زید بن حارثہ رضہ
ابو احمد بن جحش رضہ	عمر بن خطاب رضہ	کنانہ بن حصین رضہ
عکاشہ بن محصن رضہ	عیاش بن ابی ربیعہ رضہ	آنسہ رضہ
شجاع بن وہب رضہ	زید بن خطاب رضہ	ابو کبشہ رضہ
عقبہ بن وہب رضہ	عمرو بن سراقہ رضہ	عبیدہ بن حارث رضہ
اربد بن حمیرہ رضہ	عبداللہ بن سراقہ رضہ	طفیل بن حارث رضہ
منقذ بن نباتہ رضہ	خنیس بن حذافہ رضہ	حصین بن حارث رضہ
یزید بن رقیش رضہ	سعید بن زید رضہ	مسطح بن اثاثہ رضہ
سعید بن رقیش رضہ	عمرو بن نفیل رضہ	سویبط بن سعد رضہ
محرز بن نضلہ رضہ	واقد بن عبداللہ رضہ	طلیب بن عمیر رضہ
قیس بن جابر رضہ	خولی بن ابی خولی رضہ	خباب مولیٰ عقبہ بن
عمرو بن محصن رضہ	مالک بن ابی خولی رضہ	غزوان رضہ
مالک بن عمرو رضہ	ایاس بن بکیر رضہ	زبیر بن عوام رضہ
صفوان بن عمرو رضہ	عامر بن بکیر رضہ	ابو سبرہ رضہ
ثقیف بن عمرو رضہ	عاقل بن بکیر رضہ	مصعب بن عمیر رضہ
ربیعہ بن اکثم رضہ	خالد بن بکیر رضہ	ابو حذیفہ رضہ
زبیر بن عبیدہ رضہ	طلحہ بن عبیداللہ رضہ	سالم مولیٰ ابو حذیفہ رضہ
تمام بن عبیدہ رضہ	صہیب بن سنان رضہ	عقبہ بن غزوان رضہ
سنجرہ بن عبید رضہ	حمزہ بن مطلب رضہ	عثمان بن عفان رضہ

مستورات	جذامہ بنت جندل رضہ	سنجرہ بنت تمیم رضہ
	ام قیس بنت محصن رضہ	حمنہ بنت جحش رضہ
زینب بنت جحش رضہ	ام حبیب بنت ثمامہ رضہ	ام سلمہ رضہ
ام حبیب بنت جحش رضہ	آمنہ بنت رقیش رضہ	——— - ———

ہجرت کا سلسلہ فتح مکہ تک قائم رہا اور اس کے اسباب۔

مدینہ آ جانیکے بعد مسلمانون کی زندگی بڑی حد تک محفوظ و مطمئن ہو گئی تھی، تاہم ہجرت عظمیٰ کے بعد اس کا سلسلہ منقطع نہین کیا گیا، اور کچھ نہ کچھ لوگ برابر ہجرت کرتے رہے اس کے متعدد وجوہ و اسباب تھے، اوّل یہ کہ ابھی بہت سے ستم دیدہ مسلمان مشرکین کے پنجۂ ظلم مین اسیر تھے، جب جب ان کی گلو خلاصی ہوتی گئی، مدینہ آتے گئے، دوسرے یہ کہ ان مسلمانون کے لئے جو مکہ سے دور دراز مقامات پر رہتے تھے، اتنا وقت درکار تھا کہ ہجرت کے لئے ضروری انتظامات کر سکین تیسرا اور سب سے اہم سبب یہ تھا کہ ہجرت کے بعد بھی اسلام مین اتنی قوت پیدا نہ ہوئی تھی کہ وہ اپنے ان پرستارون کے جان و مال کی پوری حفاظت کر سکے، جو مدینہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر رہتے تھے اور یہ اس وقت تک ناممکن تھا جب تک کہ مشرکین کی قوت نہ ٹوٹ جائے، اور ان کا سب سے بڑا قلعہ اور مرکز مکہ مکرمہ مسلمانون کے قبضہ مین نہ آ جائے، اس لئے ہجرت کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہا، جب تک خانۂ کعبہ پر توحید کا علم نصب نہ ہو گیا، اور ہجرت عظمیٰ کے بعد سے فتح مکہ تک برابر مسلمان آتے رہے چنانچہ غزوۂ خیبر کے قبل تک جو فتح مکہ کے کچھ ہی دن پیشتر ہوا قابلِ ذکر اشخاص مین حضرت سعد بن عامر رضہ بن خدیم رضہ، حجاج بن علاط اور عوف بن مالک اشجعی رضہ آئے پھر عین غزوۂ خیبر کے موقعہ پر مہاجرین حبش کا پورا قافلہ مدینہ آ گیا، ان سب کے نام اوپر لکھے جا چکے ہین، پھر فتح مکہ کے کچھ دن پہلے مسلمانون کی کافی تعداد آئی جن مین ذیل کے اشخاص قابلِ ذکر ہین، حضرت عمرو بن عاص رضہ، خالد بن ولید رضہ، مغیرہ بن شعبہ رضہ، سلمہ بن اکوع رضہ ابو ہریرہ دوسی رضہ، عبد اللہ بن ابی اوفی رضہ، ربیعہ بن کعب اسلمی رضہ، سلیمان بن صرد رضہ، اور یہ سلسلہ فتح مکہ تک قائم

(۲) فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ

لا ھجرۃ بعد الفتح ولا جھاد ونیۃ[1] — فتح مکہ کے بعد ہجرت نہین اب صرف جہاد اور نیت کا ثواب ہے،

کیونکہ اب اسلام کو کل عرب مین امن وامان حاصل ہوگیا تھا اور مسلمانون کی حفاظت کے لئے کسی خاص دار الامان کی ضرورت نہین تھی،

مہاجرین رض کے فضائل ومناقب

کلام اللہ اور مہاجرین انسان کے لئے تھوڑی عرصہ تک مصائب برداشت کرلینا زیادہ دشوار نہین ہے کچھ دنون کے لئے وہ مالی نقصان بھی اٹھا سکتا ہے، جسمانی اذیتین بھی برداشت کرسکتا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر ایک مرتبہ جان بھی دے سکتا ہے، مگر جیتے جی ہمیشہ کے لئے خویش واقارب، اہل وعیال اور مال ودولت سب چھوڑ کر جلا وطنی کی مصیبت نہین سہ سکتا، مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سب سے بڑا ایثار، سب سے بڑی قربانی اور سب سے بڑا شرف یہی ہے کہ وہ صرف خدا اور رسول کی خوشنودی کیلئے اپنے وطن، اپنے اہل وعیال اور اپنے مال وجائداد سب کو چھوڑ کر بے خانمان ہوئے، یہ وہ جذبۂ قدسیت ہے جس کی مثال مذاہب عالم کے تاریخی صفحون مین نہین مل سکتی، جب وہ گھر سے بے گھر ہوے، تو ان کے جیب ودامن مال ودولت کے زخارف سے خالی تھے، کھانے پینے تک کا سہارا نہ تھا، نہ کپڑا تھا، نہ غلہ تھا، غرض وہ ہر قسم کی مادی دولت سے تہی دامن تھے، لیکن ان کے دل ایمان، خدا اور رسول کی محبت، اور ولولۂ مذہب کی دولت سے معمور تھے، اور اس نے ان کو تمام مزخرفات دنیوی سے بے نیاز کردیا تھا،

---

[1] بخاری کتاب الجہاد باب وجوب النفیر وما یجب من الجہاد،

خدا نے ان کے یہ تمام صفات قرآن پاک میں خود بیان فرمائے ہیں، چنانچہ سورۂ حشر میں مہاجرین رضؓ کی یہ خصوصیات شمار کرائی گئی ہیں،

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (حشر ع ۱)

(مالِ غنیمت میں) ان محتاج مہاجرین کا بھی حق ہوتا ہے جو اپنے وطن سے نکالے گئے، اور اپنی جائداد و دولت سے محروم کردیئے گیے، اور خدا کے فضل اور اس کی رضامندی کے متلاشی ہیں، اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہ ہیں راست باز لوگ،

ان کے اقوال و افعال یہ تھے،

اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (حج ع ۶)

وہ لوگ اپنے گھروں سے ناحق اس جرم میں نکالے گئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے نہ ہٹوا دیتا تو کلیسے اور گرجے اور عبادت خانے اور مسجدیں جنمیں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے گرا دیئے جاچکے ہوتے، اور جو اللہ کی مدد کریگا، اللہ ضرور اسکی مدد کریگا، بیشک اللہ قوت والا اور غالب ہے، یہ لوگ (مہاجرین) اگر ہم انکو حکومت دیکر زمین پر قادر کردیں تو یہ نماز پڑھیں گے زکوٰۃ دیں گے اور لوگوں کو اچھے کام کیلئے کہیں گے اور برے کاموں سے منع کریں گے اور انجام خدا ہی کیلئے ہے،

ان کی قربانیوں کے صلہ میں دنیا اور آخرت کی سب سے گرانبہا نعمت ان کو حاصل تھی، یعنی رضائے الٰہی اور اس کی رحمت، درجات اور مراتب کے اعتبار سے بھی وہ خدا کے نزدیک سب سے بلند تر تھے،

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا (توبہ ع ۲)	جو لوگ ایمان لائے، اور ہجرت کی، اور جان ومال سے اللہ کے راستہ مین جہاد کیا، یہ لوگ اللہ کے نزدیک بہت بلند مرتبہ ہین، اور یہی لوگ کامیاب ہونیوالے ہین، ان کا رب ان کو اپنی خوشنودی اور رحمت اور ایسے باغون کی خوشخبری دیتا ہے، جن مین ان کو دائمی آسایش ہے اور یہ لوگ ان مین ہمیشہ ہمیشہ رہین گے،

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہجرت کے علاوہ ان کی شان یہ بھی ہے کہ وہ اپنی جان اور اپنا مال خدا کی راہ مین لٹاتے ہین،

ایک دوسری آیت مین نہ صرف مہاجرین کے لئے بلکہ مہاجرین کے نقش قدم پر چلنے والون کے لئے بھی اس خوشنودی کا مژدہ سنایا گیا ہے،

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (توبہ ع ۱۳)	اور مہاجرین وانصار مین سے جن لوگون نے اسلام مین سبقت کی اور وہ لوگ جنھون نے خلوص قلب سے ان کا اتباع کیا، خدا ان سے راضی ہے، اور وہ لوگ خدا سے راضی ہین، اور ان کے لئے ایسے باغ تیار کرائے گئے ہین، جن کے نیچے نہرین رواں ہین، ان مین وہ ہمیشہ ہمیشہ رہین گے، یہ بڑی کامیابی ہے،

ایمان والون کی شان یہ ہے، کہ وہ رحمت الٰہی سے ناامید نہین ہوتے اس لئے مہاجرین ہمیشہ اسکی رحمت کے امیدوار رہتے تھے،

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	جو لوگ ایمان لائے، اور ہجرت کی، اور راہ خدا مین

أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (بقرع ۲۷)

جہاد کیا یہی لوگ خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے،

خدا ان کی اس امید رحمت کو اس طرح پورا کرے گا کہ ان کے تمام گناہون سے درگذر کرے گا، اور ان کی خطائین ان کے نامۂ اعمال سے مٹادے گا،

فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (آل عمران ع ۲۰)

پس جن لوگون نے ہجرت کی اور اپنے وطن سے نکالے گئے، اور میرے راستے مین تکلیفین پہنچائے گئے، اور لڑے اور مارے گئے، ہم ان کی برائیون کو مٹادین گے اور ان کو ایسے باغون مین داخل کرین گے جن کے نیچے نہرین رواں ہون گی،

خدا ان کی اس خانہ بربادی کے صلہ مین ان کو دنیا مین بھی بلند مرتبہ کرے گا، اور آخرت مین بھی سرفراز فرمائے گا،

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (نحل ع ۶)

اور جن مسلمانون نے اپنی مظلومیت کی وجہ سے ہجرت کی ان کو ہم دنیا مین ضرور اچھی جگہ بٹھائین گے، اور آخرت کا اجر اس سے بہت بڑا ہے، کاش وہ لوگ جانتے،

مہاجرین نے راہ خدا مین تمام شدائد اٹھائے جلاوطن ہوئے، ہر طرح کی جسمانی اور روحانی تکلیفین برداشت کین مگر ابرو پر شکن تک نہ آئی، اور نہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹا، خدا نے ان کو اس استقامت اور صبر کا صلہ دیا،

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِن بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ

پھر خدا ان لوگون کے لئے جنھون نے مصیبت مین مبتلا ہونے کے بعد گھر بار چھوڑا، اور جہاد کیا، اور ان کی

مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ	تکلیفون پر) صبر کیا، بیشک تمھارا خدا (ان امتحانون کے
(نحل ع ۱۴)	بعد) بخشنے والا مہربان ہے،

سورۂ حج مین ایک موقع پر اپنے انعام واکرام کا ذکر ان الفاظ مین کیا ہے،

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا	جن لوگون نے خدا کی راہ مین ہجرت کی، پھر شہید ہوگئے
أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا وَإِنَّ	یا مرگئے، ان کو ضرور خدا اچھا رزق دے گا، بیشک خدا
اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ لَيُدْخِلَنَّهُمْ	ہی روزی دینے والون مین بہتر روزی دینے والا ہے،
مُدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ،	وہ ان کو ایسی جگہ داخل کرے گا جس سے وہ لوگ
(حج ع ۸)	خوش ہوجائین گے،

تنگدستی و عسرت کے وقت جب کہ تمام رشتہ اریان منقطع ہوجاتی ہین اور احباب کنارہ کش ہوجاتے ہین، مہاجرین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا، خدا نے اس کے عوض مین ان پر اپنا یہ فضل کیا،

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَ	اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان مہاجرین و انصار پر
الْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ	اپنا فضل و کرم کیا جنھون نے عسرت کی گھڑیون مین نبی کا
الْعُسْرَةِ (توبہ ع ۱۴)	ساتھ دیا،

خدا نے صرف اپنے فضل وکرم پر اکتفا نہ کیا، بلکہ صاحب مقدور مسلمانون کو ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خطاؤن سے درگذر کرنے کی ہدایت فرمائی، اور اس کو موجب مغفرت قرار دیا،

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ	تمھارے صاحب فضل اور صاحب مقدور لوگ قرابت
أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ	والون اور محتاجون اور مہاجرین فی سبیل اللہ کی (مالی)
فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا	مدد نہ کرنے کی قسم نہ کھائین، بلکہ چاہیے کہ ان کی خطائین
تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ	معاف کردین، اور ان سے درگذر کرین، کیا تم نہین

رَّحِيْمٌ (نور ع ۳)	چاہتے کہ خدا تمھاری مغفرت کرے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے،

ہجرت اخلاص فی الاسلام کی علامت اور ایمان کی کسوٹی ہے، اس سے مومنین اور منافقین مین امتیاز ہوتا ہے بغیر ہجرت ان پر اعتماد کی اجازت نہین،

فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (نساء ع ۱۱)	جب تک یہ لوگ (منافقین) خدا کی راہ مین ہجرت نہ کرجائین اسوقت تک ان مین سے کسی کو دوست نہ بناؤ،

مسلمانون مین صرف وہی ایک دوسرے کے دوست ہین، جنھون نے راہ خدا مین گھر چھوڑے، اور اس کے راستہ مین جانی ومالی جہاد کیا، یا جنھون نے مہاجرین کی امداد کی،

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (انفال ع ۱۰)	جو لوگ ایمان لائے، اور انھون نے ہجرت کی، اور راہ خدا مین اپنے جان ومال سے جہاد کیا، اور جن لوگون نے ان (مہاجرین) کو جگہ دی اور ان کی مدد کی، یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہین،

وراثت کیلئے تنہا ایمان کافی نہین، بلکہ ایمان کے ساتھ ساتھ ہجرت بھی نہایت ضروری ہے، ورنہ وارث مورث کی وراثت نہین پاسکتا،

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا، (انفال ع ۱۰)	اور وہ لوگ جو ایمان لائے مگر ہجرت نہین کی، تو تم کو ان کی وراثت سے کوئی تعلق نہین، جب تک وہ ہجرت نہ کرجائین،

ایمان کی پختگی کا دارومدار ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ پر ہے،

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ	اور جو لوگ ایمان لائے اور انھون نے ہجرت کی،

فی سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (انفال ع ۱۰)

اور خدا کے راستہ مین جہاد کیا، اور جن لوگون نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی یہی لوگ پکے ایمان والے ہین اور ان کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی ہے،

احادیث نبوی | قرآن کے علاوہ احادیث مین بھی ہجرت کی اہمیت اور مہاجرین کے فضائل کا کافی ذخیرہ موجود ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک موقعہ پر مہاجرین کی فضیلت اس پیرایہ مین ظاہر کرتے ہین

لولا الهجرة لكنت امرأً من الانصار[1]

اگر ہجرت نہ ہوتی تو مین بھی انصار کا ایک فرد ہوتا،

ہجرت حفاظتِ دین کی خاطر کی جاتی تھی،

فقالت لا هجرة اليوم كان المؤمنون يفر احدهم بدينه الى الله ورسوله[2]

حضرت عائشہ رضہ نے فرمایا کہ اب ہجرت کا حکم منسوخ ہوگیا۔ یہ مومنین کے لئے اس وقت تھی جب وہ اپنے دین کو بچانے کے لئے خدا اور اس کے رسول کی طرف فتنہ کے خوف سے بھاگ کر پناہ گزین ہوتے تھے،

ہجرت کا معاملہ نہایت سخت ہے، اور وہی لوگ اس کو کر سکتے ہین، جو اپنے ایمان واعتقاد مین نہایت سخت ہون،

جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسأله عن الهجرة فقال ويحك ان الهجرة شأنها شديد[3]

ایک اعرابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر ہجرت کے بارہ مین سوال کیا، آپ نے فرمایا، تجھ پر افسوس ہے ہجرت بہت ہی سخت ہے،

ہجرت کا ثمرہ نیت پر ہے،

عن عمر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عمر رضہ نے فرمایا کہ مین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے

[1] بخاری، باب بنیان الکعبۃ باب ہجرت النبی [2] ایضاً [3] بخاری جلد ۱ ص ۵۵۳

یقول الاعمال بالنیة فمن کانت ھجرتہ	ہوے سنا کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے پس جس کی
الی دنیا یصیبھا او امرأۃ یتزوجھا فھجرتہ	نیت ہجرت دنیا کے لئے یا کسی عورت سے شادی کی نیت
الی ماھاجر الیہ ومن کانت ھجرتہ	سے ہوگی تو یہ ان ہی چیزون کے لئے ہوگی، اور جو ہجرت
الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ	اللہ ورسول کے لئے ہوگی، اس کا اللہ ورسول کی خوشنودی
ورسولہ[۱]	مین شمار ہوگا،

اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرت جاہ ودولت کے لئے نہ تھی، بلکہ جس چیز کے لئے تھی، اس کو خود حضرت خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہین،

کنا ھاجرنا مع رسول اللہ صلعم نبتغی وجہ	ہم لوگون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خالصۃً لوجہ اللہ
اللہ فوجب اجرنا علی اللہ[۲]	ہجرت کی تھی، اس لئے ہم اجر کے مستحق ہوگئے،

چونکہ مہاجرین رضی اللہ عنہم اپنے وطن کو خالصۃً لوجہ اللہ چھوڑتے تھے، اس لئے دوبارہ اس زمین مین رہنا اور مرنا تک گوارا نہ کرتے تھے، چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ہجرت کے بعد کسی ضرورت سے مکہ آئے، اور وہان آکر بیمار پڑگئے، حالت نازک ہوئی، تو محض اس خیال سے زیادہ پریشان تھے کہ مکہ ہی مین انتقال نہ ہوجائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ آپ خود بیان کرتے ہین،

عن سعد بن ابی وقاص قال جاءنی النبی	حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ علیہ وسلم یعودنی وانا بمکۃ وھو یکرہ ان	میری عیادت کو مکہ تشریف لائے، اور آپ اس مقام
یموت بالارض التی ھاجر منھا[۳]	پر موت کو ناپسند فرماتے تھے، جہان سے ہجرت
	کی گئی ہو،

اسی حدیث مین اس موقع پر ایک روایت مین ہے کہ خود حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] بخاری جلد ۱ باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینہ [۲] ایضاً [۳] بخاری جلد اول ص ۳۸۲،

سے دعاے صحت کی درخواست کی تاکہ ان کی ہجرت ناکام نہ رہ جائے،

قال مرضت فعادنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت یا رسول اللہ ادع اللہ ان لا یردنی علی عقبی[1]

حضرت سعدؓ فرماتے ہین کہ مین بیمار ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے مین نے درخواست کی کہ حضورؐ میرے لئے دعا فرمائین کہ خدا مجھ کو الٹے پاؤن نہ لوٹائے

اس درخواست پر آپنے یہ دعا فرمائی،

اللھم امض اصحابی ھجرتھم ولا یردھم علی اعقابھم[2]

خدایا میرے اصحاب کی ہجرت پوری کردے، اور ان کو الٹے پاؤن نہ لوٹا،

اکابر اصحابؓ ہجرت کو اپنے لئے سرمایۂ فخر سمجھتے تھے، چنانچہ حضرت عثمانؓ فخریہ فرماتے تھے، کہ "ھاجرت الھجرتین الاولیین[3]"،

مہاجرین قیامت کے دن عام مسلمانون سے ممتاز اور آفتاب کی طرح تابان ہون گے،

عن ابن عمر قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوماً حین طلعت الشمس فقال سیاتی ناس من امتی یوم القیمۃ نورھم کضوء الشمس قلنا من اولئک یا رسول اللہ فقال فقراء المھاجرین تتقی بھم المکارہ یموت احدھم وحاجتہ فی صدرہ یحشرون من اقطار الارض[4]

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہین کہ ایک دن ہم لوگ طلوع آفتاب کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، آپ نے فرمایا کہ عنقریب قیامت کے دن میری امت کے کچھ لوگ ایسے اٹھین گے کہ جن کا نور ضیاے شمس کے مماثل ہوگا، ہم لوگون نے کہا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہون گے؟ فرمایا فقراء مہاجرین جن کے ذریعہ سے مصیبتون کا تحفظ کیا جاتا ہے اور اپنی حسرتین اور تمنائین سینون مین لئے ہوئے دنیا سے اٹھتے ہین، یہ لوگ مختلف اقطاع عالم سے اٹھائے جائین گے،

[1] بخاری جلد اول ص ۳۸۳ [2] بخاری باب ہجرۃ الحبشہ [3] ایضاً [4] کنز العمال جلد ۷ص ۱۳۰

مہاجرین کے لئے عام مسلمانوں سے مدتوں پہلے جنت کے دروازے کھل جائیں گے،

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تعلم اول زمرة تدخل الجنة من امتي فقراء المهاجرين يأتون يوم القيامة الى باب الجنة ويستفتحون فيقول لهم الخزنة اوقد حوسبتم قالوا بأي شيء نحاسب وانما كانت اسيافنا على عواتقنا في سبيل الله حتى متنا على ذالك قال فيفتح لهم فيقيلون فيها اربعين عاما قبل ان يدخلها الناس[۱] (مسند ابن عمر)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم میری امت کے اس زمرہ کے لوگوں کو جانتے ہو، جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا، وہ فقراء مہاجرین ہوں گے قیامت کے روز وہ جنت کے دروازہ پر آکر باب جنت کھلوانا چاہیں گے، دربان سوال کریں گے کہ کیا تمہارا حساب ختم ہو چکا، وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہمارا کس چیز کا حساب ہوگا، خدا کے راستہ میں ہماری تلواریں ہمارے زیب دوش رہیں، اور اسی آن کے ساتھ جان دی، اس کے بعد جنت کے دروازے کھولدیئے جائیں گے اور عام لوگوں کے داخلہ سے چالیس سال قبل وہ لوگ اس میں آرام کریں گے،

مہاجرین کسی حالت اور کسی وقت میں بھی اسلام کی خدمت سے پہلو تہی نہ کرتے تھے، فاقہ پر فاقہ ہوتے مگر ان کی جانفروشیوں میں فرق نہ آتا، غزوۂ خندق کے موقعہ پر علی الصباح کڑکڑاتے جاڑوں میں خالی پیٹ خندق کھودتے تھے چنانچہ اسی موقعہ پر ایک دن صبح سویرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نکلے تو یہ منظر دیکھا،

قال خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم الى الخندق فاذا المهاجرون والانصار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کی طرف گئے تو آپ نے دیکھا کہ مہاجرین اور انصار سردی کی صبح میں خندق کھود رہے

۱؎ کنز العمال جلد ۷، ص ۱۳۳،

یجھدون فی غداۃ باردۃ فلم یکن لھم عبید یعملون ذالک فلما رای ما بھم من النصب والجوع

ہیں اور ان کے پاس کوئی نوکر چاکر نہین کہ اس کام کو کردے، اور ان کی تھکن اور بھوک کو دیکھ کر،

یہ دعا فرمائی،

اللھم ان العیش عیش الآخرۃ فاغفر الانصار والمہاجرۃ[1]

خدایا اصل عیش آخرت کا عیش ہے، مہاجرین اور انصار کی مغفرت فرما،

ان فضائل کے علاوہ مہاجرین رض کی ایک نمایان فضیلت یہ تھی کہ ان کا دامن نفاق کے داغ سے پاک وصاف تھا، اس لئے منافق وہ لوگ تھے جو درپردہ تو اسلام کے دشمن تھے مگر خوف سے اس کا اظہار نہ کرسکتے تھے، یا وہ تھے جو مال و دولت کی طمع مین مسلمان ہوئے تھے یا وہ تھے جو خوف سے اسلام لائے تھے، اور مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اسلام ان تینون چیزون کی آمیزش سے پاک تھا، اس لئے کہ جب یہ لوگ مشرف باسلام ہوئے، اس وقت اسلام بالکل ابتدائی حالت مین تھا، نہ اس کے پاس مال وزر تھا، نہ قوت و حکومت تھی بلکہ اس زمانہ مین جو لوگ مسلمان ہوئے ان کی جان اور ان کا مال خود خطرہ مین پڑ گیا تھا، اس لئے ان کا اسلام خاصۃً للہ تھا، ایک سبب یہ بھی تھا کہ مکہ کی سیزدہ سالہ زندگی مین مسلمان تعداد اور قوت دونون حیثیتون سے کفار کے مقابلہ مین ضعیف تھے، اس لئے وہ مسلمانون کا مقابلہ اپنی قوت کے بل پر کرتے تھے اس لئے ان کی دوستی اور دشمنی دونون کھلی ہوئی تھین،

اس کے برعکس مدینہ مین انصار رض کے علاوہ کچھ لوگ تو خوف سے اسلام کے دائرہ مین داخل ہوئے اور کچھ لوگون نے مال وزر کی طمع مین اسلام قبول کیا، اس کے علاوہ جن لوگون کے اقتدار کو اسلام نے صدمہ پہنچایا تھا وہ درپردہ تو ان کے مخالف تھے مگر علی الاعلان اس کا اظہار نہین کرسکتے تھے کہ مسلمانون

[1] بخاری جلد ۲ کتاب المغازی باب غزوۂ خندق،

مین کافی طاقت آچکی تھی، خود انصار ان کے پشت پناہ تھے چنانچہ عبداللہ بن ابی وغیرہ اسی قسم کے لوگون مین تھے اس لئے مکی سورتون مین کہین نفاق ومنافقت کا تذکرہ نہین ہے اور مدنی سورتون مین اس کا بکثرت ذکر آتا ہے، نساء، توبہ، انفال، احزاب، حدید اور فتح مدنی سورتین ہین اور ان سب مین مذمت کے ساتھ نفاق کا ذکر ہے، سورہ منافقون مخصوص طور پر ان کی پردہ دری مین نازل ہوئی ہے سورۂ توبہ مین بھی نہایت تفصیل کے ساتھ ان کی نفاق آمیز دوستی کا راز فاش کیا گیا ہے،

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ،

(توبہ ع ۱۲)

دیہاتی بدو کفر اور نفاق مین بہت سخت ہین، اور یہ اسی لائق ہین کہ خدا نے اپنے رسول پر جو اتارا ہے اس کے احکام کو نہ جانین اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے دیہاتیون مین کچھ ایسے بھی ہین کہ جو کچھ خدا کی راہ مین صرف کرتے ہین اسکو تاوان سمجھتے ہین اور تم مسلمانون پر گردش زمانہ کے منتظر ہین سو ان ہی پر بری گردش ہوگی اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے

خداوند تعالیٰ نے دوسرے موقع پر مدینہ کی بھی صراحت کر دی ہے،

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ،

(توبہ ع ۱۳)

اور مسلمانو! تمھارے آس پاس کے دیہاتیون مین منافق ہین اور خود مدینہ والون مین جو نفاق پر اڑے ہوئے ہین ان کو تم نہین جانتے ہم ان کو جانتے ہین عنقریب ہم انکو دوہرا عذاب دین گے پھر بڑے عذاب کیطرف لوٹائے جائین گے

علامہ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ مین مہاجرینؓ کی اس فضیلت کا ذکر ان الفاظ مین کیا ہے کہ "امام احمد بن حنبل اور دوسرے علماء کہتے ہین کہ مہاجرینؓ مین کوئی منافق نہ تھا بلکہ نفاق انصار کے

قبیلون مین ظاہر ہوا جب مدینہ مین اسلام کا غلبہ ہوا اور اس مین اوس و خزرج کے قبیلے داخل ہوئے اور مسلمانون کو ایک ایسا محفوظ گھر مل گیا جس کے ذریعہ سے وہ اپنی حفاظت کرنے اور لڑنے پر قادر ہوگئے تو مدینہ کے باشندے اسلام مین داخل ہوگئے اور اس کے قرب وجوار کے اعراب خوف اور جان بچانے کیلئے اسلام لائے، یہ لوگ منافق تھے، جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ، اسی لئے نفاق کا ذکر مدنی سورتون مین ہے، مکی سورتون مین نہین ہے، کیونکہ جو لوگ ہجرت کے قبل مکہ مین اسلام لائے تھے، ان مین کوئی منافق نہ تھا اور جن لوگون نے ہجرت کی ان مین بھی کوئی منافق نہ تھا بلکہ یہ سب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے تھے، اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھنے والے تھے، اور اللہ اور اس کا رسول ان کو ان کے اہل وعیال اور ان کے مال ودولت سے زیادہ محبوب تھا،

شاہ معین الدین احمد ندوی ۱۰ر جولائی ۲۸ء
دار المصنفین اعظم گڈھ

لہ منہاج السنہ جلد ۳ ص ۱۲۸،

حضرت زبیر بن العوامؓ

نام، نسب، خاندان زبیر نام، ابو عبد اللہ کنیت، حواری رسول اللہؐ لقب، والد کا نام عوام اور والدہ کا نام صفیہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب ابن مرہ بن کعب بن لوئی القرشی الاسدی، حضرت زبیرؓ کا سلسلۂ نسب قصی بن کلاب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے، اور چونکہ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ سرور کائناتؐ کی پھوپھی تھیں، اس لئے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے، اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بھی حقیقی بھتیجے تھے، اور حضرت صدیقؓ کے داماد ہونے کے سبب سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساڑھو بھی تھے، اور اس طرح ذاتِ نبویؐ کے ساتھ ان کو متعدد نسبتیں حاصل تھیں،

حضرت زبیرؓ ہجرت نبوی سے اٹھائیس سال قبل پیدا ہوئے، بچپن کے حالات بہت کم معلوم ہیں، لیکن اس قدر یقینی ہے کہ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ نے ابتدا ہی سے ان کی ایسی تربیت کی تھی کہ وہ جوان ہو کر ایک عالی حوصلہ، بہادر، اولو العزم مرد ثابت ہوں، چنانچہ وہ بچپن میں عموماً انھیں مارا پیٹا کرتیں، اور سخت سے سخت محنت و مشقت کے کام کا عادی بناتی تھیں، ایک دفعہ نوفل بن خویلد جو اپنے بھائی عوام کے مرنے کے بعد ان کے ولی تھے، حضرت صفیہؓ پر نہایت خفا ہوئے کہ کیا تم اس بچے کو اس طرح مارتے مارتے مار ڈالو گی، اور بنو ہاشم سے کہا کہ تم لوگ صفیہ کو سمجھاتے کیوں نہیں، حضرت صفیہؓ نے حسب ذیل رجز میں اس خفگی کا جواب دیا[1]،

من قال انی ابغضه فقد کذب　　انما اضربه لکی یلب

[1] ابن سعد و اصابہ تذکرۂ زبیرؓ

جس نے یہ کہا کہ مین اس سے بغض رکھتی ہون، اس نے جھوٹ کہا، مین اس کو اس لیۓ مارتی ہون کہ عقل مند ہو،

ویھزم الجیش ویاتی بالسلب الخ

اور فوج کو شکست دے اور مالِ غنیمت حاصل کرے

اس تربیت کا یہ اثر تھا کہ وہ بچپن ہی مین بڑے بڑے مردون کا مقابلہ کرنے لگے تھے، ایک دفعہ مکہ مین ایک جوان آدمی سے مقابلہ پیش آیا، انھون نے ایسا ہاتھ مارا کہ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا، لوگ اسے لاد کر شکایۃً حضرت صفیہؓ کے پاس لاۓ، تو انھون نے معذرت وعفو خواہی کے بجاۓ سب سے پہلے یہ پوچھا کہ تم نے زبیرؓ کو کیسا پایا، بہادر یا بزدل[1]،

اسلام حضرت زبیرؓ صرف سولہ برس کے تھے کہ نورِ ایمان نے ان کے خانۂ دل کو منور کر دیا[2]، بعض روایتون سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پانچوین یا چھٹے مسلمان تھے لیکن یہ صحیح نہین معلوم ہوتا، تاہم سابقینِ اسلام مین وہ ممتاز اور نمایان تقدم کا شرف رکھتے ہین؛

حضرت زبیرؓ اگرچہ کمسن تھے لیکن استقامت اور جان نثاری مین کسی سے پیچھے نہ تھے، قبول اسلام کے بعد ایک دفعہ کسی نے مشہور کر دیا کہ مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر لیا ہے، یہ سنکر جذبۂ جان نثاری سے اس قدر بیخود ہوۓ کہ اسی وقت ننگی تلوار کھینچکر مجمع کو چیرتے ہوۓ آستانۂ اقدس پر حاضر ہوۓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو پوچھا زبیر! یہ کیا ہے؟ عرض کی "مجھے معلوم ہوا تھا کہ خدانخواستہ حضور گرفتار کر لیے گئے ہین" سرور کائنات نہایت خوش ہوۓ، اور ان کے لیۓ دعاۓ خیر فرمائی، اہلِ سیر کا بیان ہے کہ یہ پہلی تلوار تھی، جو راہِ محبت وجان نثاری مین ایک بچے کے ہاتھ سے برہنہ ہوئی[3]،

ہجرت عام بلاکشانِ اسلام کی طرح حضرت زبیرؓ مشرکین مکہ کے پنجۂ ظلم وستم سے محفوظ نہ تھے، ان کے چچا نے ہر ممکن طریقہ سے ان کو اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا، لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا، جو اتر جاتا، بالآخر اس نے برہم

---

[1] اصابہ جلد ۲ تذکرۂ زبیرؓ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۵۹ [3] اسد الغابہ تذکرۂ زبیر بن عوامؓ

ہو کر اور بھی سختی شروع کی، یہان تک کہ چٹائی مین لپیٹ کر باندھ دیتا، اور اس قدر دھونی دیتا، کہ دم گھٹنے لگتا، لیکن وہ ہمیشہ یہی کہے جاتے "کچھ کرو، اب مین کافر نہین ہوسکتا"[1]

غرض مظالم و شدائد سے اس قدر تنگ آئے کہ وطن چھوڑ کر حبش کی راہ لی، پھر کچھ دنون کے بعد وہان سے واپس آئے تو خود سرورِ کائناتؐ نے مدینہ کا قصد کیا، اس لئے انھون نے بھی یثرب کی مبارک سرزمین کو وطن بنایا،

مواخات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مین حضرت طلحہؓ کو حضرت زبیرؓ کا اسلامی بھائی قرار دیا تھا لیکن جب مدینہ پہونچنے کے بعد انصار و مہاجرین مین تعلقات پیدا کرنے کے لئے ایک دوسری مواخات منعقد ہوئی تو اس دفعہ حضرت سلمہ بن سلامہ انصاریؓ سے رشتۂ اخوت قائم کیا گیا، جو مدینہ کے ایک معزز بزرگ اور بیعتِ عقبہ مین شریک تھے،

غزوات غزوات مین ممتاز حیثیت سے شریک رہے، سب سے پہلے غزوۂ بدر پیش آیا، حضرت زبیرؓ نے اس معرکہ مین نہایت جانبازی و دلیری کے ساتھ حصہ لیا، جس طرف نکل جاتے تھے غنیم کی صفین تہ و بالا کر دیتے تھے، ایک مشرک نے ایک بلند ٹیلے پر کھڑے ہو کر مبارزت چاہی، حضرت زبیرؓ بڑھ کر اس سے لپٹ گئے، اور دونون قلابازیان کھاتے ہوئے نیچے آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونون مین جو سب سے پہلے زمین پر رکے گا، وہ مقتول ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ مشرک پہلے زمین پر گر کر حضرت زبیرؓ کے ہاتھ سے واصلِ جہنم ہوا،[2] اسی طرح عبیدہ بن سعید سے مقابلہ پیش آیا، جو سر سے پاؤن تک زرہ پہنے ہوئے تھا، صرف دونون آنکھین کھلی ہوئی تھین، حضرت زبیرؓ نے تاک کر اس زور سے آنکھ مین نیزہ مارا، کہ اس پار نکل گیا، اس کی لاش پر بیٹھ کر بمشکل نیزہ کو نکالا، پھل ٹیڑھا ہوگیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور یادگار حضرت زبیرؓ سے اس نیزہ کو لے لیا، اس کے بعد پھر خلفاء مین تبرکاً منتقل ہوتا رہا، یہان تک خلیفۂ ثالثؓ کے بعد حضرت

---

[1] اصابہ جلد ۲ تذکرہ زبیرؓ [2] کنز العمال جلد ۶ ص ۴۱۶:

زبیرؓ کے وارث حضرت عبداللہؓ کے پاس پہنچا، اور ان کی شہادت تک ان کے پاس موجود تھا،

وہ جس بے جگری کے ساتھ بدر میں لڑے اس کا اندازہ صرف اس سے ہوسکتا ہے کہ ان کی تلوار میں دندانے پڑ گئے تھے، تمام جسم زخموں سے چھلنی ہوگیا تھا خصوصاً ایک زخم اس قدر کاری تھا کہ وہاں پر ہمیشہ کے لئے گڑھا پڑ گیا تھا، حضرت عروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ ہم ان میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے، [۱]

معرکۂ بدر میں حضرت زبیرؓ زرد عمامہ باندھے ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج ملائکہ بھی اسی وضع میں آئے ہیں، [۲] غرض مسلمانوں کی شجاعت وثابت قدمی نے میدان مار لیا، حق غالب رہا، اور باطل کو شکست ہوئی،

غزوۂ اُحد ۳ھ میں معرکۂ اُحد کا واقعہ ہوا، اثنائے جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار کھینچکر فرمایا، کون اس کا حق ادا کریگا؟ تمام جان نثاروں نے بیتابی کے ساتھ اپنے ہاتھ پھیلائے، حضرت زبیرؓ نے تین دفعہ اپنے آپ کو پیش کیا، لیکن یہ فخر حضرت ابودجانہ انصاریؓ کے لئے مقدر ہوچکا تھا، [۳]

جنگ اُحد میں جب تیر اندازوں کی بے احتیاطی سے فتح شکست سے مبدل ہوگئی، اور مشرکین کے اچانک حملے سے غازیانِ دین کے پاؤں متزلزل ہوگئے، یہاں تک کہ شمع نبوت کے گرد صرف چودہ صحابہؓ پروانہ وار ثابت قدم رہ گئے تھے، تو اس وقت بھی یہ جان نثار حواری جان نثاری کا فرض ادا کر رہا تھا، [۴]

غزوۂ خندق ۵ھ میں یہودیوں کی مفسدہ پردازی سے تمام عرب مسلمانوں کے خلاف امنڈ آیا، سرور کائنات نے مدینہ کے قریب خندق کھود کر اس طوفان کا مقابلہ کیا، حضرت زبیرؓ اس حصہ پر مامور تھے جہاں عورتیں تھیں، [۵] بنوقریظہ اور مسلمانوں میں باہم معاہدہ تھا، لیکن اسی عام سیلاب میں وہ بھی اپنے عہد پر قائم نہ رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کے لئے کسی کو بھیجنا چاہا اور تین بار فرمایا، کون اس قوم کی خبر لائے گا؟ حضرت زبیرؓ نے ہر مرتبہ بڑھ کر عرض کی کہ "میں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہوکر فرمایا "ہر نبی کے لئے حواری

[۱] بخاری باب غزوۂ بدر [۲] کنز العمال جلد ۶ ص ۴۱۷ [۳] زرقانی جلد ۲ ص ۳۲ [۴] ایضاً [۵] مسند جلد ۱ ص ۱۶۴،

ہوتے ہیں، میرا حواری زبیرؓ ہے، اس نازک وقت میں حضرت زبیرؓ کی اس طرح بے خطر تنہا آمد ورفت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس جانبازی سے اس قدر متاثر تھے کہ فرمایا فداک ابی وامی یعنی میرے باپ ماں تم پر فدا ہوں،[2]

کفار بہت دنوں تک خندق کا محاصرہ کئے رہے، لیکن پھر کچھ تو ارضی وسماوی مصائب اور کچھ مسلمانوں کے غیر معمولی ثبات واستقلال سے پریشان ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے،

غزوۂ خیبر | غزوۂ خندق کے بعد غزوۂ بنو قریظہ اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے، پھر خیبر کی مہم میں غیر معمولی شجاعت دکھائی، مرحب یہودی خیبر کا رئیس تھا وہ مقتول ہوا تو اس کا بھائی یاسر غضبناک ہو کر ھل من مبارز کا نعرہ بلند کرتے ہوئے میدان میں آیا، حضرت زبیرؓ نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا، وہ اسقدر تنومند اور قوی ہیکل تھا کہ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ نے کہا یا رسول اللہ! میرا لخت جگر آج شہید ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں! زبیر اس کو مارے گا، چنانچہ درحقیقت تھوڑی دیر ردوبدل کے بعد وہ واصل جہنم ہوا،[3]

غرض خیبر فتح ہوا اور اس کے بعد فتح مکہ کی تیاریاں شروع ہوئیں، مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے تمام کیفیت لکھ کر ایک عورت کے ہاتھ قریش مکہ کے پاس روانہ کی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوگئی اور ایک جماعت اس عورت کی گرفتاری پر مامور ہوئی، حضرت زبیرؓ بھی اس میں شریک تھے، وہ گرفتار ہو کر آئی اور خط پڑھا گیا تو ابن ابی بلتعہؓ کا سر ندامت سے جھک گیا، رحمۃ للعالمین نے ان کی عذر خواہی پر جرم معاف فرمادیا، اور یہ آیت نازل ہوئی، یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ الآیۃ[4] (ممتحنہ ع ۱)

فتح مکہ | رمضان ۸ھ میں دس ہزار مجاہدین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا قصد کیا اور شاہانہ جاہ

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ خندق [2] مسند جلد ۱ ص ۱۶۴ و بخاری کتاب المناقب باب مناقب زبیرؓ [3] سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۸۷ [4] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الفتح،

و جلال کے ساتھ اس سرزمین مین داخل ہوئے جہان سے آٹھ سال قبل طرح طرح کے مصائب وشدائد برداشت کرنے کے بعد بے بسی کی حالت مین نکلنے پر مجبور ہوئے تھے' اس عظیم الشان فوج کے متعدد دستے بنائے گئے تھے، سب سے چھوٹا اور آخری دستہ وہ تھا جس مین خود سرور دو عالمؐ موجود تھے، حضرت زبیرؓ اس کے علمبردار تھے،[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مین داخل ہوئے اور ہر طرف سکون واطمینان ہوگیا تو حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ بن اسود اپنے گھوڑون پر بارگاہ نبوت مین حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر ان کے چہرون سے گرد وغبار صاف کیا اور فرمایا مین نے گھوڑے کیلئے دو حصے اور سوار کیلئے ایک حصہ مقرر کیا ہے جو ان حصون مین کمی کریگا خدا اس کو نقصان پہنچائے گا،[2]

مختلف غزوات | فتح مکہ کے بعد واپسی کے وقت غزوۂ حنین پیش آیا، کفار کمین گاہون مین چھپے ہوئے مسلمانون کی نقل وحرکت دیکھ رہے تھے، حضرت زبیرؓ اس گھاٹی کے قریب پہونچے تو ایک شخص نے اپنے ساتھیون سے پکار کر کہا لات وعزیٰ کی قسم یہ طویل القامت سوار یقیناً زبیر ہے تیار ہو جاؤ، اس کا حملہ نہایت خطرناک ہوتا ہے' یہ جملہ ختم ہی ہوا تھا کہ ایک زبردست جمعیت نے اچانک حملہ کردیا حضرت زبیرؓ نے نہایت پھرتی اور تیز دستی کے ساتھ اس آفت ناگہانی کو روکا اور اس قدر شجاعت وجانبازی سے لڑے کہ یہ گھاٹی کفار سے بالکل صاف ہوگئی،

اس کے بعد جنگ طائف اور تبوک کی فوج کشی مین شریک ہوئے، پھر ۱۰ھ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کا قصد کیا، حضرت زبیرؓ اس سفر مین بھی ہمرکاب تھے،

حج سے واپس آنے کے بعد سرور کائناتؐ نے وفات پائی، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے، بعض روایات کے مطابق حضرت زبیرؓ کو بھی خلیفہ اول کی بیعت مین پس وپیش تھا، تاہم وہ زیادہ دنون تک اس پر قائم نہین رہے،

---

[1] بخاری باب غزوۃ الفتح [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۷۳،

جنگِ یرموک کا حیرت انگیز کارنامہ

سوا دو برس کی خلافت کے بعد خلیفۂ اوّل بھی رہ گزینِ عالمِ جاودانی ہوئے اور فاروقِ اعظمؓ نے مسندِ حکومت پر قدم رکھا، خلیفۂ اوّل کے عہد میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا حضرت عمرؓ نے تمام عرب میں جوش پھیلا کر اس کو اور بھی زیادہ وسیع کر دیا، حضرت زبیرؓ کا دل گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے افسردہ ہو چکا تھا، تاہم ایک مردِ میدان و جانباز بہادر کے لئے اس جوش و ولولہ کے وقت عزلت نشین رہنا سخت ننگ تھا، خلیفۂ وقت سے اجازت لیکر شامی رزم گاہ میں شریک ہوئے، اس وقت یرموک کے میدان میں ملکِ شام کی قسمت کا آخری فیصلہ ہو رہا تھا، اثنائے جنگ میں لوگوں نے کہا اگر آپ حملہ کر کے غنیم کے قلب میں گھس جائیں تو ہم بھی آپ کا ساتھ دیں حضرت زبیرؓ نے کہا تم لوگ میرا ساتھ نہیں دے سکتے، لوگوں نے عہد کیا تو اس زور سے حملہ آور ہوئے کہ رومی فوج کا قلب چیرتے ہوئے تنہا اُس پار سے اس پار نکل گئے، اور کوئی رفاقت نہ کر سکا، پھر واپس لوٹے تو رومیوں نے گھوڑے کی باگ پکڑ لی، اور نرغہ کر کے سخت زخمی کیا، گردن پر دو زخم اس قدر کاری تھے کہ اچھے ہونے کے بعد بھی گڑھے باقی رہ گئے، عروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ بدر کے زخم کے بعد یہ دوسرا زخم کا گڈھا تھا جس میں بچپن میں ہم ...... انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے،[1]

غرض ان ہی حیرت انگیز جانبازیوں کا نتیجہ تھا کہ رومیوں کی ٹڈی دل فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور فرزندانِ توحید تمام ملکِ شام کے وارث بن گئے،

فسطاط کی فتح

فتحِ شام کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ کی سرکردگی میں مصر پر حملہ ہوا، انہوں نے چھوٹے چھوٹے مقامات کو فتح کرتے ہوئے فسطاط کا محاصرہ کر لیا اور قلعہ کی مضبوطی نیز فوج کی قلت دیکھ کر دربارِ خلافت سے اعانت طلب کی، امیر المومنین حضرت عمرؓ نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط میں لکھا کہ ان افسروں میں ایک ایک ہزار ہزار سوار کے برابر ہے، افسروں میں حضرت زبیرؓ بھی تھے، ان کا جو رتبہ تھا اس کے لحاظ سے عمروؓ نے ان کو افسر بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات ان کے ہاتھ میں دیئے، انہوں نے گھوڑے

[1] بخاری کتاب المغازی،

پر سوار ہوکر خندق کے چارون طرف چکر لگایا اور جہان جہان مناسب تھا مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کئے، اس کے ساتھ منجنیقون سے پتھر برسانے شروع کئے، اس پر پورے سات مہینے گذر گئے اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا، حضرت زبیرؓ نے ایک دن تنگ آکر کہا کہ آج مین مسلمانون پر فدا ہوتا ہون، یہ کہکر ننگی تلوار ہاتھوین لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، چند اور صحابہؓ نے ان کا ساتھ دیا، فصیل پہ پہنچکر سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کئے، ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل اٹھی، عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے، بدحواس ہوکر بھاگے، ادھر حضرت زبیرؓ نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور تمام فوج اندر گھس آئی، مقوقس حاکم مصر نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی اور اسی وقت سب کو امان دیدی گئی،[1]

اسکندریہ کی تسخیر فسطاط فتح کرکے اسلامی فوج نے اسکندریہ کا رخ کیا اور مدتون قلعہ کا محاصرہ کئے پڑی رہی لیکن جس قدر زیادہ دن گذرتے جاتے تھے، اسی قدر دربار خلافت سے اس کے جلد فتح کر لینے کا تقاضا بڑھتا جاتا تھا، غرض ایک روز عمرو بن العاصؓ نے آخری اور قطعی حملہ کا ارادہ کرلیا اور حضرت زبیرؓ اور مسلمہ بن مخلدؓ کو فوج کا ہراول بنا کر اس زور سے یورش کی کہ ایک ہی حملہ مین شہر فتح ہوگیا،

مفتوحہ ممالک کی تقسیم کا مطالبہ مصر کامل طور پر مسخر ہوگیا تو حضرت زبیرؓ نے عمرو بن العاصؓ سپہ سالار فوج سے اراضی مفتوحہ کی تقسیم کا مطالبہ کیا اور فرمایا کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو مجاہدین پر تقسیم فرمادیا تھا، اسی طرح تمام ممالک مفتوحہ کو تقسیم کردینا چاہئے، عمرو بن العاصؓ نے کہا خدا کی قسم مین امیر المومنینؓ کی اجازت کے بغیر کچھ نہین کرسکتا، حضرت عمرؓ کو لکھا گیا تو انھون نے لکھا کہ اس کو اسی طرح رہنے دینا چاہئے تاکہ آیندہ نسلین بھی اس سے مستفید ہوتی رہین، حضرت زبیرؓ کے ذہن مین بھی اس کی مصلحت آگئی اور خاموش ہو رہے،[2]

---

[1] فتوح البلدان ص ۲۲۰ [2] مسند ابن حنبلؒ جلد ۱ ص ۱۶۶

سنہ ۲۳ھ مین خلیفۂ وقت حضرت عمرؓ نے ایک مجوسی کے ہاتھ ناگہانی طور پر زخمی ہو کر سفر آخرت کی تیاری کی تو عہدۂ خلافت کیلئے چھ آدمیون کے نام پیش کئے اور فرمایا کہ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم آخر وقت تک ان سے راضی رہے تھے، ان چھ بزرگون مین ایک حضرت زبیرؓ بھی تھے، لیکن تین دن کی مسلسل گفت و شنید اور بحث و مباحثہ کے بعد مجلسِ شوریٰ نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو اس مسندِ گرامی پر بٹھا دیا، حضرت زبیرؓ نے بھی بے چون و چرا اس انتخاب کو تسلیم کر کے بیعت کر لی۱،

خلیفۂ ثالثؓ کے عہد مین حضرت زبیرؓ نے نہایت سکون و خاموشی کی زندگی بسر کی، اور کسی قسم کے ملکی مہم مین شریک نہین ہوئے، درحقیقت عمر بھی اس حد سے متجاوز ہو چکی تھی، لیکن سنہ ۳۵ھ مین مصری مفسدون نے بارگاہِ خلافت کا محاصرہ کیا تو انھون نے اپنے بڑے صاحبزادہ عبداللہ بن زبیرؓ کو امیرالمومنین کی مساعدت وحفاظت پر مامور کر دیا،

غرض اٹھارہوین ذی الحجہ جمعہ کے روز حضرت عثمانؓ مفسدین کے ہاتھ سے شہید ہوئے، حضرت زبیرؓ نے حسبِ وصیت پوشیدہ طریقہ پر رات کے وقت نمازِ جنازہ ادا کی اور مضافاتِ مدینہ مین حشِ کوکب نامی ایک مقام مین سپردِ خاک کیا،

خلیفۂ وقت کے قتل سے تمام مدینہ مین مفسدین کا رعب طاری ہو گیا، ہر شخص دم بخود تھا، حضرت عثمانؓ کے طرفدار اور تمام بنو امیہ مکہ اور دوسرے مقامات کی طرف بھاگ گئے، چونکہ مصری حضرت علیؓ کے طرفدار تھے، اس لئے انھون نے ان کو خلافت کا بارِ گران اٹھانے پر مجبور کیا اور مسجدِ نبوی مین لوگون کو بیعت کے لئے جمع کیا، حضرت طلحہؓ و زبیرؓ گو برابر کے دعویدار تھے، تاہم مصریون کے خوف سے زبان نہ ہلا سکے اور کسی طرح بیعت کر لی۲،

حضرت علیؓ کی مسند نشینی کے بعد بھی مدینہ مین امن و امان قائم نہ ہو سکا، سبائی فرقہ جو اس انقلاب کا بانی

۱ بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ ۲ تاریخ طبری ص ۳۰۶۷

تھا، اور فتنہ و فساد کے نئے نئے کرشمے دکھا رہا تھا، جاہل بدوی جو ہمیشہ ایسے لوٹ مار کے موقعوں پر شریک ہو جاتے ہیں، سبائیوں کے ساتھ ہو گئے، حضرت علیؓ نے کوشش کی کہ یہ لوگ اپنے اپنے وطن کی طرف لوٹ جائیں اور بدویوں کو بھی شہر سے نکال دیا جائے، لیکن سبائیوں کے ضد اور انکار سے کامیابی نہ ہوئی،[۱]

حضرت زبیرؓ جو اساطین امت میں تھے کب تک خاموشی کے ساتھ اس شورش و ہنگامہ آرائی کا تماشا دیکھتے، اصلاح حال اور رفع فساد کا انتظار کرتے کرتے کامل چار ماہ گذر گئے لیکن امن و سکون کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی، آخر تھک کر حضرت طلحہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کے پاس آئے، اور اصلاح و اقامت حدود کا مطالبہ کیا، انھوں نے جواب دیا بھائی! میں اس سے غافل نہیں لیکن ایک ایسی قوم کے ساتھ کیا کر سکتا ہوں جس پر میرا کچھ اختیار نہیں، بلکہ وہ خود مجھ پر حکمران ہے[۲] غرض جب اس طرف سے بھی مایوسی ہوئی تو یہ دونوں خود عملاً اس شورش کو رفع کرنے کیلئے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے،

ام المومنین حضرت عائشہؓ حج کے خیال سے مکہ آئی تھیں اور اب تک مدینہ کی شورشوں کا حال سنکر یہیں مقیم تھیں، حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سب سے پہلے ام المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان لفظوں میں مدینہ کی بد امنی کا نقشہ کھینچا،

انا تحملنا بقینا هرباً من المدینة من غوغاء	ہم اعراب کے شور و شر کے خوف سے مدینہ سے بھاگ آئے
اعراب بعد فارقنا قوماً حیاری لا یعرفون	ہیں اور ہم نے وہاں ایسی حیران قوم کو چھوڑا ہے جو نہ حق کو
حقاً ولا ینکرون باطلاً ولا یمنعون	پہچانتی ہے اور نہ باطل سے احتراز کرتی ہے، اور نہ اپنی
انفسهم،[۳]	جانوں کی حفاظت کرتی ہے،

ام المومنینؓ نے فرمایا "تو پھر کوئی رائے قائم کر کے اس شورش کو فرو کرنا چاہیئے" غرض تھوڑی دیر کی بحث و مباحثہ کے بعد علم اصلاح بلند کرنے پر سب کا اتفاق ہوا، بنو امیہ بھی جو مدینہ سے بھاگ کر یہاں مجتمع

---

[۱] تاریخ طبری ص ۳۰۸۱ [۲] ایضاً ص ۳۰۸۰ [۳] ایضاً ص ۳۰۹۹

ہو گئے تھے جوشِ انتقام مین ساتھ ہو گئے اور اس طرح داعیانِ اصلاح کی ایک ہزار جماعت بصرہ کی طرف روانہ ہوئی تاکہ وہان سے اپنی قوت مضبوط کر کے مدینہ کا رخ کرے، راہ مین امویون نے خلافت و امامت کی بحث چھیڑ کر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو لڑانا چاہا لیکن ام المومنینؓ کی مداخلت سے معاملہ رفت و گذشت ہو گیا بصرہ کے قریب پہنچے تو عثمان بن حنیف والی بصرہ نے مزاحمت کی لیکن وہان داعیانِ اصلاح کے حامیون کی ایک بڑی جماعت بھی موجود تھی، وہ خود عثمانؓ کے ساتھیون سے دست و گریبان ہو گئی، یہان تک کہ کشت و خون کی نوبت پہنچ گئی، عثمان بن حنیف کا یہ بیان تھا کہ جب طلحہ و زبیرؓ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تو پھر انھین علمِ مخالفت بلند کرنے کا کیا استحقاق ہے؟ ان دونون کا یہ جواب تھا کہ ہم قہراً و جبراً شریکِ بیعت ہوئے یا اور اگر فرض کر لو کہ یہ بیعت صحیح تھی تب بھی اس سے مطالبۂ اصلاح کی نفی نہین ہوتی، غرض معاملہ زیادہ طول کھینچا تو مصالحت کی یہ صورت قرار پائی کہ ایک شخص تحقیقات کے لئے مدینہ روانہ کیا جائے، اگر ثابت ہو کہ طلحہؓ و زبیرؓ بیعت پر مجبور کئے گئے تھے تو عثمان بن حنیف مزاحمت سے باز آئین گے ورنہ ان دونون کو اس جماعت سے کنارہ کش ہونا پڑے گا، چنانچہ کعبؓ اس تحقیقات پر مامور ہوئے، انھون نے جمعہ کے روز مسجد نبویؐ مین داخل ہو کر حاضرین سے بآنگ بلند سوال کیا،

یا اھل المدینۃ انی رسول اھل البصرۃ — اے اہل مدینہ! مین اہلِ بصرہ کا قاصد بنکر آیا ہون کیا واقعی

الیکما اکرہ ھؤلاء القوم ھذین الرجلین — اس قوم نے ان دونون کو علی کی بیعت پر مجبور کیا تھا یا

علی بیعۃ علی ام اتیاھا طائعین، — وہ خوشی سے اس پر تیار ہوئے تھے؟

مجمع مین تھوڑی دیر تک سناٹا رہا لیکن اسامہ بن زیدؓ سے نہ رہا گیا بول اٹھے "خدا کی قسم ان دونون نے سخت ناپسندیدگی کے ساتھ بیعت کی تھی" اس سے ایک ہلچل پڑ گئی، تمامؓ اور سہل بن حنیف اسامہؓ سے الجھ پڑے صہیب بن سنانؓ، ابو ایوبؓ اور محمد بن مسلمہؓ وغیرہ کبار صحابہ نے دیکھا کہ لوگ اسامہؓ کو مار ڈالین گے تو سب نے یک زبان ہو کر کہا، "ہان خدا کی قسم اسامہؓ نے سچ کہا" غرض اس طرح اسامہؓ کی جان بچ گئی، اور کعبؓ بصرہ

واپس آئے، دوسری طرف حضرت علیؓ کو ان واقعات کی اطلاع مل چکی تھی، انھون نے عثمان بن حنیف کو لکھا کہ اولاً تو یہی صحیح نہین کہ وہ مجبور کئے گئے اور اگر ان بھی ہو تو قوم و ملک کی بہتری کے لئے ایسا ہونا ضروری تھا، اور اگر وہ مجھے معزول کرنا چاہتے ہین تو ان کے پاس کوئی معقول عذر نہین اور اگر کچھ اور مقصد ہے تو اس پر غور ہوسکتا ہے۔ اس خط کے بعد عثمانؓ نے اپنی راے بدل دی، اور کعبؓ کی تحقیقات کے باوجود اعیانِ اصلاح کی مزاحمت پر اڑے رہے۔

حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے دیکھا کہ اب سہولت کے ساتھ یہ معاملہ طے نہ ہوگا تو ایک روز عشا کے وقت اپنے ساتھیون کے ساتھ مسجد پہنچے اور عبدالرحمن بن عتابؓ کو نماز پڑھانے کے لئے کھڑا کر دیا، عثمان بن حنیف نے اس کو اپنے حق مین مداخلت تصور کرکے ایرانی "زط" اور "سیابجہ" سپاہیون کو حملہ کا حکم دیدیا، لیکن حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے پامردی کے ساتھ مقابلہ کرکے ان کو بھگا دیا، دوسری طرف چند آدمی دار الامارت مین گھس گئے اور عثمان ابن حنیف کو پکڑ کر سامنے لائے، ان لوگون نے اس بے رحمی کے ساتھ ان کو مارا تھا اور ڈاڑھیان نوچی تھین کہ چہرہ پر ایک بال بھی باقی نہ تھا، حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کو یہ سخت ناگوار گذرا، اور حضرت عائشہؓ سے اس کے متعلق دریافت کیا، انھون نے حکم دیا کہ عثمان کو چھوڑ دو، جہان جی چاہے جائے، غرض اس طرح بصرہ پر قبضہ ہوگیا،[1] اور ایک بڑی جماعت اس مہم مین ساتھ دینے پر تیار ہوگئی،

جنگ جمل اور حضرت زبیرؓ کی حق پسندی

حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے اہل کوفہ کو بھی خطوط لکھ کر شرکت کی ترغیب دی لیکن وہان حضرت امام حسنؓ نے پہنچ کر پہلے ہی ان کو اپنا طرفدار بنالیا اور تقریباً نو ہزار کی عظیم الشان جمعیت مقام ذی قار مین حضرت علیؓ کی فوج سے مل کر بصرہ کی طرف بڑھی، حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کو معلوم ہوا تو انھون نے بھی اپنی فوج کو مرتب و منظم کرکے آگے بڑھایا، دسوین جمادی الآخر ۳۶ھ جمعرات کے دن دونون فوجون مین مٹ بھیڑ ہوئی، کیسا عبرت انگیز نظارہ تھا، چند دن پیشتر جو لوگ بھائی بھائی تھے آج

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۷۴

باہم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو کر نگاہ غیظ و غضب سے اپنے مقابل کو گھور رہے ہیں لیکن ذاتی مخاصمت و عداوت سے نہیں بلکہ حق و صداقت کے جوش میں، یہی وجہ ہے کہ ایک ہی قبیلہ کے کچھ آدمی اس طرف ہیں تو کچھ اس طرف، چونکہ دونوں جماعتوں کے سربراہ کاروں کو اصلاح مدنظر تھی اس لئے پہلے مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی، حضرت علیؓ تنہا گھوڑا آگے بڑھا کر بیچ میدان میں آئے اور حضرت زبیرؓ کو بلا کر کہا "ابو عبد اللہ! تمھیں وہ دن یاد ہے جب کہ ہم اور تم دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گذرے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم اس کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے عرض کی تھی ہاں! یا رسول اللہ! یاد کرو اس وقت تم سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اسی سے ناحق لڑوگے"[1] حضرت زبیرؓ نے جواب دیا ہاں! اب مجھے بھی یاد آیا،

حضرت علیؓ تو صرف ایک بات یاد دلا کر پھر اپنی جگہ پلٹ گئے لیکن حضرت زبیرؓ کے قلب حق پرست میں ایک سخت تلاطم برپا ہوگیا، تمام عزائم اور ارادے فسخ ہوگئے، ام المومنینؓ کے پاس آکر کہنے لگے "میں برسر غلط تھا، علیؓ نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ یاد دلا دیا، حضرت عائشہؓ نے پوچھا پھر اب کیا ارادہ ہے؟ بولے "اب میں اس جھگڑے سے کنارہ کش ہوتا ہوں" حضرت زبیرؓ کے صاحبزادہ حضرت عبد اللہؓ نے کہا "آپ ہم لوگوں کو دو گروہوں کے درمیان پھنسا کر خود علیؓ کے خوف سے بھاگنا چاہتے ہیں" حضرت زبیرؓ نے کہا میں قسم کھا چکا ہوں کہ علیؓ سے نہیں لڑوں گا" عبد اللہؓ نے کہا قسم کا کفارہ ممکن ہے، اور اپنے غلام مکحول کو بلا کر آزاد کر دیا، لیکن حواری رسولؐ کا دل اچاٹ ہو چکا تھا کہنے لگے "جان پدر! علیؓ نے ایسی بات یاد دلائی کہ تمام جوش فرد ہوگیا، بے شک ہم حق پر نہیں ہیں آؤ تم بھی میرا ساتھ دو" حضرت عبد اللہؓ نے انکار کر دیا تو تنہا بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے تاکہ وہاں سے اپنا اسباب و سامان لے کر حجاز کی طرف نکل جائیں، احنف بن قیس نے حضرت زبیرؓ کو جاتے دیکھا تو کہا دیکھو یہ کسی وجہ سے واپس جا رہے ہیں، کوئی جا کر خبر لائے، عمرو بن جرموز نے

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۶۶

کہا مین جاتا ہون اور ہتھیار سج کر گھوڑا دوڑاتے ہوئے حضرت زبیرؓ کے پاس پہنچا، وہ اس وقت اپنے غلامون کو اسباب و سامان کے ساتھ روانگی کا حکم دے کر بصرہ کی آبادی سے دور نکل آئے تھے، غرض ابن جرموز نے قریب پہنچکر پوچھا،

ابن جرموز۔ ابو عبداللہ آپنے قوم کو کس حال مین چھوڑا؟

حضرت زبیرؓ۔ سب باہم ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے،

ابن جرموز۔ آپ کہان جا رہے ہین،

حضرت زبیرؓ۔ مین اپنی غلطی پر متنبہ ہوگیا، اس لئے اس جھگڑے سے کنارہ کش ہوکر کسی طرف نکل جانے کا قصد ہے،

ابن جرموز نے کہا چلئے مجھے بھی اسی طرف کچھ دور تک جانا ہے، غرض دونون ساتھ چلے، ظہر کی نماز کا وقت آیا، تو حضرت زبیرؓ نماز پڑھنے کے لئے ٹھہرے، ابن جرموز نے کہا مین بھی شریک ہون گا، حضرت زبیرؓ نے کہا مین تمھین امان دیتا ہون، کیا تم بھی میرے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھوگے، اس نے کہا ہان! اس عہد وپیمان کے بعد دونون اپنے گھوڑے سے اترے اور معبود حقیقی کے سامنے سرنیاز جھکانے کو کھڑے ہوگئے،

شہادت حضرت زبیرؓ جیسے ہی سجدہ مین گئے کہ عمرو بن جرموز نے غداری کرکے تلوار کا وار کیا اور حواریؓ رسولؐ کا سر تن سے جدا ہوکر خاک و خون مین تڑپنے لگا، افسوس! جس نے اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ مین کبھی اپنی جان کی پروا نہ کی اور جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے بارہا مصائب و شدائد کے پہاڑ ہٹائے تھے وہ آج خود ایک کلمہ خوان اور پیرو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شقاوت اور بے رحمی کا شکار ہوگیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن،

ابن جرموز حضرت زبیرؓ کی تلوار اور زرہ وغیرہ لے کر بارگاہِ مرتضویؓ مین حاضر ہوا، اور فخر کے ساتھ اپنا کارنامہ بیان کیا، جناب مرتضیؓ نے تلوار پر ایک حسرت کی نظر ڈال کر فرمایا "اس نے بارہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

کے سامنے سے مصاحبؑ کا دل ہٹائے ہیں اے ابن صفیہ کے قاتل تجھے بشارت ہو کہ جہنم تیری منتظر ہے،

حضرت زبیرؓ نے چونسٹھ برس کی عمر پائی اور ۳۶ھ میں شہید ہو کر وادی السباع میں سپرد خاک ہوئے،

فنور اللہ مرقدہٗ وحسن مثواہ،

اخلاق وعادات حضرت زبیرؓ کا دامن اخلاقی زروجواہر سے مالا مال تھا، تقویٰ، پارسائی، حق پسندی، بے نیازی، سخاوت اور ایثار آپ کا خاص شیوہ تھا، رقتِ قلب اور عبرت پذیری کا یہ عالم تھا کہ معمولی واقعہ پر دل کانپ اٹھتا تھا،

خشیت الٰہی جب یہ آیت نازل ہوئی انک میت وانہم میتون ثم انکم یوم القیامۃ عند ربکم تختصمون الآیہ تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "یا رسول اللہ! کیا قیامت کے روز ہمارے جھگڑے پھر دہرائے جائیں گے؟" ارشاد ہوا "ہاں! ایک ایک ذرہ کا حساب ہو کر حقدار کو اس کا حق دلایا جائے گا" یہ سنکر ان کا دل کانپ اٹھا کہنے لگے "اللہ اکبر! کیا سخت موقع ہوگا"[۱]

تقویٰ و پرہیزگاری حضرت زبیرؓ کی کتابِ اخلاق کا سب سے روشن باب ہے، وہ خود اس کا خیال رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی ہدایت کرتے تھے، ایک دفعہ وہ اپنے غلام ابراہیم کی دادی ام عطاء کے پاس گئے، دیکھا کہ یہاں ایام تشریق کے بعد بھی قربانی کا گوشت موجود ہے، کہنے لگے "ام عطاء! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے" انھوں نے عرض کی کہ "میں کیا کروں لوگوں نے اس قدر ہدیے بھیجے کہ ختم ہی نہیں ہوتے"[۲]

حضرت زبیرؓ نے جب دعوتِ اصلاح کا علم بلند کیا تو ایک شخص نے آکر کہا "اگر حکم دیجئے تو علیؓ کی گردن اڑادوں" بولے "تم تنہا اس قدر عظیم الشان فوج کا کیسے مقابلہ کروگے؟" اس نے کہا "میں علیؓ کی فوج میں جا کر مل جاؤں گا اور کسی وقت موقع پا کر دھوکے سے قتل کر ڈالوں گا" فرمایا "نہیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ایمان قتل

---

[۱] مسند جلد ۱ ص ۹۸ [۲] ایضاً جلد ۱ ص ۱۶۷ [۳] ایضاً جلد ۱ ص ۱۶۶

ناگہانی کی زنجیر ہے اس لئے کوئی مومن کسی کو اچانک نہ مارے[1]،،

قلت روایت کا سبب حضرت زبیرؓ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری اور ہر وقت کے حاضر رہنے والوں مین تھے، لیکن کمالِ اتقاء کے باعث بہت کم حدیثین روایت کرتے تھے ایک دفعہ آپ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہؓ نے کہا، پدر بزرگوار کیا سبب ہے کہ آپ حضورؐ کی اوتنی باتین بیان نہین کرتے جتنی اور لوگ بیان کرتے ہین، فرمایا جانِ پدر! حضورؐ کی رفاقت اور معیت مین دوسرون سے میرا حصہ کم نہین ہے، مین جب سے اسلام لایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہین ہوا، لیکن حضورؐ کی صرف اس تنبیہ نے مجھے محتاط بنادیا ہے،

من کذب علی متعمدًا فلیتبوا مقعدہ من النار ۔ یعنی جس نے قصداً میری طرف غلط بات منسوب کی، اسے چاہئیے کہ جہنم مین اپنا ٹھکانا بنائے[2]

مساوات پسندی مساواتِ اسلامی کا اس قدر خیال تھا کہ دو مسلمان لاشون مین بھی کسی تفریق یا امتیاز کو جائز نہین سمجھتے تھے جنگ احد مین آپ کے مامون حضرت حمزہؓ شہید ہوئے تو حضرت صفیہؓ نے بھائی کی تجہیز وتکفین کے لئے دو کپڑے لاکر دیئے، لیکن ماموں کے پہلو مین ایک انصاری کی لاش بھی بے گور وکفن پڑی تھی دل نے گوارا نہ کیا کہ ایک کے لئے دو دو کپڑے ہون اور دوسرا بے کفن رہے، غرض تقسیم کرنے کے لئے دونون ٹکڑون کو ناپا اتفاق سے چھوٹا بڑا نکلا تو قرعہ ڈال کر تقسیم کیا کہ اس مین بھی کسی طرح کی ترجیح نہ پائی جائے[3]،

استقلال حضرت زبیرؓ خطرات کی مطلق پروا نہ کرتے اور موت کا خوف کبھی ان کے عزم وارادہ مین حائل نہ ہوتا، اسکندریہ کے محاصرہ نے طول کھینچا تو چاہا کہ سیڑھی لگا کر قلعہ پر چڑھ جائین، لوگون نے کہا قلعہ مین سخت طاعون ہے، فرمایا "ہم طعن وطاعون ہی کے لئے آئے ہین" یعنی موت سے ڈرنا کیا ہے؟ غرض سیڑھیان لگائی گئین اور جان بازی کے ساتھ چڑھ گئے،

---

[1] مسند جلد ۱ ص ۱۶۶ [2] ابوداؤد کتاب العلم باب فی التشدید فی الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و مسند جلد ۱ ص ۱۶۵، و صحیح بخاری جلد اوّل صفحہ ۲۱ [3] مسند جلد ۱ ص ۱۶۵،،

امانت حواریِ رسول کی امانت، دیانت اور انتظامی قابلیت کا عام شہرہ تھا، یہان تک کہ لوگ عموماً اپنی وفات کے وقت ان کو اپنے آل واولاد اور مال ومتاع کے محافظ بنانے کی تمنا ظاہر کرتے تھے، مطیع بن الاسود نے ان کو وصی بنانا چاہا، انھون نے انکار کیا تو لجاجت کے ساتھ کہنے لگے "مین آپ کو خدا، رسولؐ اور قرابت داری کا واسطہ دلاتا ہون، مین نے فاروق اعظمؓ کو کہتے سنا ہے کہ زبیرؓ دین کے ایک رکن ہین" حضرت عثمانؓ، مقدادؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ اور عبد الرحمن بن عوفؓ وغیرہ نے بھی ان کو اپنا وصی بنایا تھا، چنانچہ یہ دیانت داری کے ساتھ ان کے مال ومتاع کی حفاظت کر کے ان کے اہل وعیال پر صرف کرتے تھے[۱]،

فیاضی فیاضی، سخاوت اور خدا کی راہ مین خرچ کرنے مین بھی پیش پیش رہتے تھے، حضرت زبیرؓ کے پاس ایک ہزار غلام تھے، روزانہ اجرت پر کام کر کے ایک پیش قرار رقم لاتے تھے، لیکن انھون نے اس مین سے ایک حبہ بھی کبھی اپنی ذات یا اپنے اہل وعیال پر صرف کرنا پسند نہ کیا، بلکہ جو کچھ آیا اسی وقت صدقہ کر دیا[۲]، غرض ایک پیغمبر کے حواری مین جو خوبیان ہوسکتی ہین، حضرت زبیرؓ کی ذات والا صفات مین ایک ایک کر کے وہ سب موجود تھین،

ذریعۂ معاش اور تمول معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا، اور عجیب بات ہے کہ انھون نے جس کام مین ہاتھ لگایا کبھی گھاٹا نہین ہوا[۳]،

تجارت کے علاوہ مالِ غنیمت سے بھی گرانقدر رقم حاصل کی، حضرت زبیرؓ کے تمول کا صرف اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ان کے تمام مال کا تخمینہ پانچ کروڑ دو لاکھ درہم یا دینار کیا گیا تھا، لیکن یہ سب نقد نہین بلکہ جائداد غیر منقولہ کی صورت مین تھا، اطرافِ مدینہ مین ایک جھاڑی تھی، اس کے علاوہ مختلف مقامات مین مکانات تھے، چنانچہ خاص مدینہ مین گیارہ، بصرہ مین دو اور مصر وکوفہ مین ایک ایک مکان تھا[۴]،

قرض اور اس کی ادائگی حضرت زبیرؓ اس قدر تمول کے باوجود بائیس لاکھ کے مقروض تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ عموماً اپنا مال ان کے پاس جمع کرتے تھے، لیکن یہ احتیاط کے خیال سے سب سے کہدیتے تھے کہ امانت نہین بلکہ قرض کی

---

[۱] اصابہ جلد ۳ ص ۶ [۲] ایضاً ج ۳ ص ۶ [۳] استیعاب جلد ۱ ص ۲۰۸ [۴] بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ

حیثیت سے لیتا ہوں اہوتے ہوتے اسی طرح سے بائیس لاکھ کے مقروض ہوگئے۔[ا]

حضرت زبیرؓ جب جنگ جمل کیلئے تیار ہوئے تو انھوں نے اپنے صاحبزادہ عبداللہؓ سے کہا جان پدر! مجھے سب سے زیادہ خیال اپنے قرض کا ہے اس لئے میرا مال ومتاع بیچ کر سب سے پہلے قرض ادا کرنا اور جو کچھ بچ رہے اس میں سے ایک ثلث خاص تمھارے بچوں کے لئے وصیت کرتا ہوں، ہاں! اگر مال کفایت نہ کرے تو میرے مولیٰ کی طرف رجوع کرنا! حضرت عبداللہؓ نے پوچھا آپ کا مولیٰ کون ہے؟ فرمایا وہ میرا مولیٰ خدا ہے جس نے ہر مصیبت کے وقت میری دستگیری کی ہے"!

عبداللہ بن زبیرؓ نے حسب وصیت مختلف آدمیوں کے ہاتھ جھاڑی بیچکر قرض ادا کرنے کا سامان کیا، اور چار برس تک موسم حج میں اعلان کرتے رہے کہ زبیرؓ پر جس کا قرض ہو آکر لے لے، غرض اس طرح سے قرض ادا کرنے کے بعد بھی اس قدر رقم بچ رہی کہ صرف حضرت زبیرؓ کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو بارہ بارہ لاکھ حصہ ملا، موصی لہ اور دوسرے ورثہ اس کے علاوہ تھے۔[ا]

جاگیر وزراعت | فتح خیبر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم فرمادیا تھا چنانچہ حضرت زبیرؓ کو بھی اس میں سے ایک وسیع اور سرسبز قطعہ ملا تھا، اس کے علاوہ مدینہ کے اطراف میں بھی ان کے کھیت تھے جن کو وہ خود آباد کرتے تھے، کبھی کبھی آب پاشی وغیرہ کے متعلق دوسرے شرکاء سے جھگڑا بھی ہوجاتا تھا، ایک دفعہ ایک انصاری سے جن کا کھیت حضرت زبیرؓ کے کھیت سے ملا ہوا نیچے کی طرف تھا، آب پاشی کے متعلق جھگڑا ہوا، انصاریؓ نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ سے فرمایا کہ تم اپنا کھیت سینچکر اپنے پڑوسی کے لئے پانی چھوڑ دیا کرو! انصاری اس فیصلہ سے ناراض ہوئے اور کہنے لگے "یا رسول اللہ! آپنے اپنے پھوپھی زادہ کی پاسداری فرمائی"! چونکہ انصاری کو اس آب پاشی سے متمتع ہونے کا کوئی حق نہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض ان کی رعایت سے یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا، اس لئے چہرہ سرخ ہوگیا، اور حضرت زبیرؓ

[ا] بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ [ا] ایضاً،

کو حکم دیا کہ تم اپنے پورے حق سے فائدہ اٹھاؤ، یعنی خود آب پاشی کرکے پانی کو روک رکھو یہان تک کہ نالیون کے ذریعہ سے دوسری طرف بہ جائے[1]،

کھیت کی نگرانی اور فصل کی حفاظت کا فرض بسا اوقات خود ہی انجام دیتے تھے، ایک دفعہ عہدِ فاروقی مین حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت مقداد بن الاسودؓ کے ساتھ اپنی جاگیر کی دیکھ بھال کے لئے خیبر تشریف لے گئے اور رات کے وقت تینون علحدہ اپنی اپنی جاگیر کے قریب سوئے، رات کی تاریکی مین کسی یہودی نے شرارت سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی کلائی اس زور سے موڑ دی کہ بے اختیار ہو کر چلا اٹھے، حضرت زبیرؓ وغیرہ مدد کے لئے دوڑے اور واقعہ دریافت کرکے ان کو لئے ہوئے بارگاہِ خلافت مین حاضر ہوئے، اور یہودیون کی شرارت کا حال بیان کیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسی واقعہ کے بعد یہودیون کو خیبر سے جلاوطن کردیا[2]،

حضرت ابوبکرؓ نے بھی مقام جرف مین انھین ایک جاگیر مرحمت فرمائی تھی، اسی طرح حضرت عمرؓ نے مقام عقیق کی زمین انھین دیدی تھی[3] جو مدینہ کے اطراف مین ایک خوش فضا میدان ہے،

آل واولاد سے محبت حضرت زبیرؓ کو بیوی بچون سے نہایت محبت تھی، خصوصاً حضرت عبداللہؓ اور ان کے بچون کو بہت مانتے تھے، چنانچہ اپنے مال مین سے ایک ثلث کی خاص ان کے بچون کے لئے وصیت کی تھی، لڑکون کی تربیت کو بھی خاص طور پہ ملحوظ رکھتے تھے، جنگ یرموک مین شریک ہوئے تو اپنے صاحبزادہ عبداللہ بن زبیرؓ کو بھی ساتھ لے گئے، اس وقت ان کی عمر صرف دس سال کی تھی، لیکن حضرت زبیرؓ نے انکو گھوڑے پر سوار کرکے ایک آدمی کے سپرد کردیا کہ جنگ کے ہولناک مناظر دکھا کر جرأت وبہادری کا سبق دے،

غذا ولباس دولت وثروت کے باوجود طرز معاشرت نہایت سادہ تھا، غذا بھی پرتکلف نہ تھی، لباس عموماً معمولی اور سادہ زیب بدن فرماتے، البتہ جنگ مین ریشمی کپڑے استعمال کرتے تھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] بخاری کتاب المساقاۃ [2] ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۰۱، [3] ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۷۳،

خاص طور پر ان کو اجازت دی تھی آلات حرب کا نہایت شوق تھا اور اس میں تکلف جائز سمجھتے تھے چنانچہ ان کی تلوار کا قبضہ نقرئی تھا،

حلیہ: بدن چھریرا قد بلند و بالا خصوصاً پاؤں اس قدر لمبے کہ گھوڑے پر چڑھتے تو پاؤں زمین سے چھو جاتا، رنگ گندم گوں اور سر پر کندھوں تک بالوں کی لٹیں،

اولاد و ازواج[1]: حضرت زبیرؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں اور کثرت کے ساتھ اولاد پیدا ہوئی بعض بچے تو ان کی حیات ہی میں قضا کر گئے تاہم پھر بھی بہت سی اولاد یادگار رہ گئی، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے،

اسماء بنت ابی بکرؓ، ان کے بطن سے چھ بچے ہوئے نام یہ ہیں، عبداللہؓ، عروہؒ، منذرؒ، خدیجۃ الکبریٰ، ام الحسنؓ، عائشہؓ،

ام خالد بنت خالد بن سعید، انھوں نے خالدؓ، عمرؓ، حبیبہؓ، سودہؓ اور ہندؓ یادگار چھوڑی،

رباب بنت انیف، ان سے مصعبؓ، حمزہؓ اور رملہؓ پیدا ہوئیں،

زینب بنت بشر، ان کے بطن سے عبیدہؓ، جعفرؓ و حفصہؓ پیدا ہوئیں،

ام کلثوم بنت عقبہ، ان سے صرف ایک لڑکی زینبؓ پیدا ہوئی،

حضرت طلحہؓ

نام و نسب، خاندان: طلحہ نام، ابو محمد کنیت، فیاض اور خیر لقب، والد کا نام عبید اللہ اور والدہ کا نام صعبہؓ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب القرشی التیمی، چونکہ مرہ بن کعب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں اس لئے حضرت طلحہؓ کا نسب چھٹی ساتویں پشت میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے،

[1] اولاد و ازواج کی تفصیل فتح الباری جلد ۶ ص ۱۶۱ سے ماخوذ ہے

حضرت طلحہؓ کے والد عبید اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یا کم سے کم حضرت طلحہؓ کے اسلام قبول کرنے سے قبل وفات پائی، البتہ ان کی والدہ حضرت صعبہؓ نے نہایت طویل زندگی پائی، مسلمان ہوئیں، اور حضرت عثمانؓ کے محصور ہونے کے وقت تک زندہ تھیں، چنانچہ امام بخاری کی تاریخ الصغیر میں ایک روایت ہے کہ جب صعبہؓ کو امیر المومنینؓ کے محصور ہونے کی خبر ملی تو وہ گھر سے نکل کر آئیں اور اپنے صاحبزادہ حضرت طلحہؓ سے خواہش کی کہ وہ اپنے اثر سے مفسدین کو دور کر دیں، اس وقت خود حضرت طلحہؓ کی عمر ساٹھ برس سے زیادہ تھی، اس لئے اگر تاریخ الصغیر کی روایت صحیح ہے تو حضرت صعبہؓ نے اسی برس سے زیادہ عمر پائی،

حضرت طلحہؓ ہجرت نبویؐ سے چوبیس پچیس برس قبل پیدا ہوئے، ابتدائی حالات نامعلوم ہیں، لیکن اسقدر یقینی ہے کہ ان کو بچپن ہی سے تجارتی مشاغل میں مصروف ہونا پڑا اور عنفوانِ شباب ہی میں دور دراز ممالک کے سفر کا اتفاق ہوا،

اسلام ایک دفعہ جب کہ غالباً سترہ یا اٹھارہ برس کی عمر تھی، تجارتی اغراض سے بصریٰ تشریف لے گئے، وہاں ایک راہب نے حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونیکی بشارت دی، لیکن یوم ولادت سے اس وقت تک جس قسم کی آب وہوا میں پرورش پائی تھی اور گردوپیش جس قسم کے مذہبی چرچے تھے اس کا اثر صرف ایک راہب کی پیشین گوئی سے زائل نہیں ہو سکتا تھا، بلکہ ابھی مزید تعلیم وتلقین کی ضرورت تھی، مکہ واپس آئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صحبت اور ان کے مخلصانہ وعظ وپند نے تمام شکوک رفع کر دیئے، چنانچہ ایک روز صدیق اکبرؓ کی وساطت سے دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور خلعتِ ایمان سے مشرف ہو کر واپس آئے، اس طرح حضرت طلحہؓ ان آٹھ آدمیوں میں سے ہیں جو ابتدائے اسلام میں نجم صداقت کی پرتو ضیا سے ہدایت یاب ہوئے اور آخر کار خود بھی آسمانِ اسلام کے روشن ستارے بنکر چمکے،[۱]

۱؎ ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۵۳،

اسلام لانے کے بعد حضرت طلحہؓ بھی عام مسلمانوں کی طرح کفار کے ظلم وستم سے محفوظ نہ رہے، عثمان بن عبید اللہ نے جو نہایت سخت مزاج اور حضرت طلحہؓ کا حقیقی بھائی تھا، ان کو اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ایک ہی رسی میں باندھکر مارا کہ اس تشدد سے اپنے مذہب کو ترک کردیں لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا،[1]

مواخات مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ بن عوام سے ان کا بھائی چارہ کرادیا،

ہجرت حضرت طلحہؓ نے مکہ میں نہایت خاموش زندگی بسر کی اور اپنے تجارتی مشاغل میں مصروف رہے چنانچہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ مدینہ تشریف لیجارہے تھے اس وقت وہ اپنے تجارتی قافلہ کیساتھ شام سے واپس آرہے تھے، راہ میں ملاقات ہوئی، انھوں نے ان دونوں کی خدمت میں کچھ شامی کپڑے پیش کئے اور عرض کی کہ اہل مدینہ نہایت بےچینی اور اضطراب کے ساتھ انتظار کررہے ہیں، غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت عجلت کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے اور حضرت طلحہؓ نے مکہ پہنچکر اپنے تجارتی کاروبار سے فراغت حاصل کی اور حضرت ابوبکرؓ کے اہل وعیال کو لے کر مدینہ پہنچے حضرت اسعد بن زرارہؓ نے ان کو اپنا مہمان بنایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب انصاریؓ سے ان کا بھائی چارہ کرادیا،[2]

غزوات اور دیگر حالات

ہجرت مدینہ کے دوسرے سال سے غزوات کا سلسلہ شروع ہوا، اور کفر و اسلام کی پہلی آویزش جنگ بدر کی صورت میں ظاہر ہوئی، لیکن حضرت طلحہؓ کسی خاص مہم پر مامور ہوکر ملک شام تشریف لے گئے تھے، اس لئے اس میں شریک نہ ہوسکے، وہاں سے واپس آئے تو دربار رسالت میں حاضر ہوکر غزوۂ بدر کے مال غنیمت میں سے اپنے حصے کی درخواست کی، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں حصہ دیا اور فرمایا کہ تم جہاد کے ثواب سے بھی محروم نہیں رہوگے،

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۵۹، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۵۴،

بعض اہلِ سیر کا بیان ہے کہ حضرت طلحہؓ اپنی تجارتی اغراض سے شام گئے تھے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں مالِ غنیمت میں حصہ طلب کرنیکی کوئی وجہ نہ تھی، نیز ایک دوسری روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور سعید بن زیدؓ کو شام کی طرف قریش کے قافلہ کی تحقیقِ حال کی خدمت پر مامور کرکے بھیجا تھا، اس روایت سے بھی ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے، بہرحال اگرچہ حضرت طلحہؓ غزوۂ بدر میں شریک نہ تھے تاہم وہ اپنی اہم کارگذاریوں کے باعث اس کے اجر و ثواب سے محروم نہیں رہے،[1]

غزوۂ احد

۳ھ میں غزوۂ احد پیش آیا، اس جنگ میں پہلے مسلمانوں کی فتح ہوئی اور کفار بھاگ کھڑے ہوئے لیکن مسلمان جیسے ہی اپنی اپنی جگہ سے ہٹ کر لوٹ گھسوٹ میں مصروف ہوئے، کفار نے پھر پلٹ کر حملہ کردیا، اس ناگہانی حملہ نے مسلمانوں کو ایسا بدحواس کیا کہ ان کو سرورِ کائناتؐ کی حفاظت کا خیال بھی نہ رہا اور جو جس طرف تھا اسی طرف سے بھاگ کھڑا ہوا، میدانِ جنگ میں صرف دس بارہ آدمی ثابت قدم رہ گئے تھے، لیکن وہ سب بھی شمعِ ہدایت سے دور تھے، اور اس وقت صرف حضرت طلحہؓ پروانہ وار فدویت و جان نثاری کے حیرت انگیز مناظر دکھا رہے تھے، کفار کا ہر طرف سے نرغہ تھا، تیروں کی بارش ہو رہی تھی، خون آشام تلواریں چمک چمک کر آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں اور صدہا کفار صرف ایک مقدس ہستی کو فنا کردینے کے لئے ہر طرف سے یورش کر رہے تھے، اس نازک وقت میں جمالِ نبوت کا یہ شیدائی ہالہ بنکر خورشیدِ نبوت کو آگے پیچھے دہنے بائیں ہر طرف سے بچا رہا تھا، تیروں کی بوچھار کو ہتھیلی پر روکتا، تلوار اور نیزہ کے سامنے اپنے سینہ کو سپر بناتا، پھر اسی حال میں کفار کا نرغہ زیادہ ہوجاتا تو شیر کی طرح تڑپ کر حملہ کرتا اور دشمن کو پیچھے ہٹا دیتا، ایک دفعہ کسی نابکار نے ذاتِ قدسیؐ پر تلوار کا وار کیا، خادمِ جان نثار یعنی طلحہؓ جانباز نے اپنے ہاتھ پر روک لیا، انگلیاں شہید ہوئیں تو آہ کے بجائے زبان سے نکلا "حس" یعنی خوب ہوا، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اس لفظ کے بجائے بسم اللہ کہتے تو ملائکہ آسمانی تمھیں ابھی اٹھا لیجاتے، غرض حضرت طلحہؓ دیر تک

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۵۹،

حیرت انگیز جانبازی اور بہادری کے ساتھ مدافعت کرتے رہے یہاں تک کہ دوسرے صحابہؓ بھی مدد کے لئے آپہنچے، مشرکین کا حملہ کسی قدر کم ہوا تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پشت پر سوار کر کے پہاڑی پر لے آئے، اور مزید حملوں سے محفوظ کر دیا[1]،

حضرت طلحہؓ نے غزوۂ احد میں فدویت، جان نثاری اور شجاعت کے جو بے مثل جوہر دکھائے یقیناً تمام اقوامِ عالم کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، تمام بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم شمار کئے تھے[2]، دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی جانبازی کے صلہ میں "خیر" کا لقب مرحمت ہوا، صحابہؓ کو واقعۂ احد میں ان کی اس غیر معمولی شجاعت اور جانبازی کا دل سے اعتراف تھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ غزوۂ احد کا تذکرہ کرتے تو فرماتے کہ یہ طلحہؓ کا مخصوص دن تھا، حضرت عمرؓ ان کو صاحب احد فرمایا کرتے تھے، خود حضرت طلحہؓ کو بھی اس پر فخر کارنامہ پر بڑا ناز تھا، اور ہمیشہ لطف و انبساط کے ساتھ اس کی داستان سنایا کرتے تھے[3]،

متفرق غزوات غزوۂ احد کے بعد فتح مکہ تک جس قدر غزوات ہوئے، حضرت طلحہؓ سب میں نمایاں طور پر شریک رہے، بیعتِ رضوان کے وقت بھی موجود تھے، اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے،

فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین پیش آیا، اس معرکہ میں بھی غزوۂ احد کی طرح پہلے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن چند بہادر اور ثابت قدم مجاہدین کے استقلال و ثبات نے پھر اس کو سنبھال لیا، اور اس طرح جم کر لڑے کہ غنیم کی فتح شکست سے بدل گئی اور بیشمار سامان اور مالِ غنیمت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا، حضرت طلحہؓ اس جنگ میں بھی ثابت قدم اصحابؓ کی صف میں تھے،

سنہ ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ قیصر روم بڑے ساز و سامان کے ساتھ عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، اس لئے آپ نے صحابۂ کرامؓ کو تیاری کا حکم دیا اور جنگی اسباب و سامان کے لئے مالی و رصدقہ کرنے

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۵۵ [2] فتح الباری جلد ۷ ص ۶۶ [3] بخاری کتاب المغازی غزوۂ احد

کی ترغیب دی حضرت طلحہؓ نے اس موقع پر ایک بیش قرار رقم پیش کی اور بارگاہ رسالتؐ سے فیاض کا لقب حاصل کیا،[1]

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف حملۂ قیصر کے مدافعانہ اہتمام مین مصروف تھے، دوسری طرف منافقین جو ہمیشہ درپئے تخریب رہتے تھے، اس موقع پر بھی اپنی شرارتون سے باز نہ آئے اور مدینہ سے کچھ فاصلہ پر سویلم یہودی کے مکان مین مجتمع ہو کر ان تدابیر پر غور کرتے تھے جن سے مسلمانون مین بددلی پیدا ہو اور اس مہم مین شرکت سے انحراف کرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہؓ کو اس خانہ برانداز جماعت کی تنبیہ پر مامور فرمایا انھون نے چند آدمیون کو ساتھ لے کر نہایت مستعدی کے ساتھ سویلم کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور اس مین آگ لگادی ضحاک بن خلیفہ نے مکان کے پشت سے کود کر حملہ کیا اور اس حالت مین اسکی ٹانگ ٹوٹ گئی اور اس کے ساتھی اس کو مسلمانون کے پنجۂ اقتدار سے بچا کر لے بھاگے،[2]

غرض تیس ہزار مجاہدین نہایت جاہ وجلال کے ساتھ رومیون کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے، تبوک پہنچکر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی، اس لئے وہان چودہ دن قیام کرکے سب لوگ واپس آئے، پھر سنہ ۱۰ھ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کیا حضرت طلحہؓ ہمرکاب تھے، حج سے واپس آنے کے بعد ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ دوشنبہ کے دن آفتاب رسالت دنیا سے غروب ہوا حضرت طلحہؓ کو اس سانحۂ کبریٰ سے جو صدمہ ہوا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جس وقت سقیفۂ بنی ساعدہ مین سیادت وخلافت کا فیصلہ ہو رہا تھا اس وقت یہ کسی گوشۂ تنہائی مین مصروف گریہ تھے،

عہد صدیقی سقیفۂ بنی ساعدہ کی مجلس نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت پر اتفاق کیا، حضرت طلحہؓ نے بھی کچھ دنون کے بعد بیعت کی اور مہمات امور مین رائے اور مشورہ کے لحاظ سے جانشین رسولؐ کے ہمیشہ دست وبازو ثابت ہوئے، سوا دو برس کی خلافت کے بعد جب خلیفۂ اوّل مرض الموت کے بستر پر تھے اور انھون نے اس

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۵۹ [2] سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۱۵،

منصب کے لئے فاروق اعظمؓ کو نامزد کیا تو حضرت طلحہؓ نے نہایت آزادی کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ سے جاکر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے عمرؓ کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ اب وہ خود خلیفہ ہوں گے تو خدا جانے کیا کریں گے؟ آپ اب خدا کے ہاں جاتے ہیں یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا، حضرت ابوبکرؓ نے کہا میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو امیر مقرر کیا جو ان میں سب سے زیادہ اچھا تھا،

عہدِ فاروقی

حضرت عمرؓ کے متعلق حضرت طلحہؓ کی جو رائے تھی وہ کسی بغض وعداوت سے ملوث نہ تھی بلکہ اکثر صحابہؓ کی یہی رائے تھی کہ ان کا تشدد ناقابلِ تحمل ہوگا، لیکن جب حضرت عمرؓ نے اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ اس منصب عظیم کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہیں تو دفعۃً حضرت طلحہؓ کا خیال بھی بدل گیا، اور مجلس شوریٰ کے ایک رکن کی حیثیت سے انہوں نے ہمیشہ فاروق اعظمؓ کی اعانت کی، اختلافی مسائل میں ساتھ دیا اور اہم امور میں نہایت مخلصانہ مشورے دیئے، ایک دفعہ عہد فاروقی میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ممالکِ مفتوحہ مجاہدین میں باہم تقسیم کر دیئے جائیں اور ایک بڑی جماعت اس کی مؤید ہو گئی، صرف حضرت عمرؓ اور چند دوسرے صحابہؓ کو اس سے اختلاف تھا، تین دن تک بحث ہوتی رہی، حضرت طلحہؓ نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ اس مسئلہ میں حضرت عمرؓ کی تائید کی، یہاں تک کہ ان ہی کی رائے پر آخری فیصلہ ہوا، اسی طرح معرکۂ نہاوند کے موقعہ پر ایرانی ٹڈی دل نے فاروق اعظمؓ کو متشوش کر دیا اور انہوں نے صحابہؓ سے اس کے متعلق مشورہ چاہا، تو حضرت طلحہؓ نے کھڑے ہو کر کہا آپ ہم سے زیادہ بہتر جانتے ہیں، البتہ ہم لوگ تعمیلِ حکم کیلئے تیار ہیں،

فاروق اعظمؓ نے ۲۳ھ میں دس برس کی خلافت کے بعد سفر آخرت کی تیاری کی اور عہدۂ خلافت کے لئے چھ آدمیوں کا نام پیش کیا، ان میں حضرت طلحہؓ بھی تھے، لیکن انہوں نے نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ حضرت عثمانؓ کو اپنے اوپر ترجیح دی اور ان کا نام اس منصب کے لئے پیش کیا، چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی کوشش اور حضرت طلحہؓ کی تائید سے وہی خلیفہ منتخب ہوئے،

عہدِ عثمانی

حضرت عثمانؓ نے بارہ برس تک خلافت کی لیکن آخری شش سالہ عہد خلافت میں تمام ملک عام طور

پرشورش وبیچینی کا آماجگاہ ہوگیا تھا اور ہر طرف ریشہ دوانی وفتنہ پروازی کا بازار گرم تھا، حضرت طلحہؓ نے دربارِ خلافت کو مشورہ دیا کہ اسبابِ شورش کی تفتیش وتحقیق کے لئے تمام ملک میں وفود روانہ کئے جائیں، چنانچہ یہ رائے پسند کی گئی اور ۳۵ھ میں محمد بن مسلمہؓ، اسامہ بن زیدؓ، عمار بن یاسرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ مختلف حصصِ ملک میں روانہ کئے گئے، ان لوگوں نے واپس آکر اپنی تحقیقات کا جو نتیجہ پیش کیا اس پر ابھی عمل بھی نہ ہونے پایا تھا کہ مفسدین نے بارگاہِ خلافت کا محاصرہ کرلیا، گو حضرت طلحہؓ نے اس موقع پر حضرت عثمانؓ کی کوئی خاص اعانت نہیں کی، تاہم وہ اکثر خود ایک غیر جانبدار شخص کی حیثیت سے دریافتِ حال کے لئے محاصرین کی جماعت میں تشریف لے گئے، چنانچہ وہ ایک دفعہ وہاں موجود تھے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے بالاخانہ پر کھڑے ہوکر کبار صحابہؓ میں ایک ایک کا نام لیکر پکارا، اسی ضمن میں حضرت طلحہؓ کا نام بھی آیا، انھون نے جواب دیا "ہاں! میں حاضر ہوں" حضرت عثمانؓ نے اپنے احسانات اور فضائل ومناقب بیان کرکے ان سے تصدیق چاہی، تو انھون نے مفسدین کے سامنے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ اس کی تصدیق کی،[1]

آخر میں جب محاصرہ زیادہ خطرناک ہوگیا تو حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کی طرح حضرت طلحہؓ نے بھی اپنے صاحبزادہ محمد کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے متعین کردیا، چنانچہ جب مفسدین نے یورش کی تو محمد بن طلحہؓ نے نہایت تندہی اور جانفشانی سے ان کا مقابلہ کیا،[2]

محافظین نے باوجود قلتِ تعداد کے اس سیلاب کو روکے رکھا لیکن چند نابکار دوسری طرف سے اندر گھس آئے اور صبر وحلم کے آفتاب کو ہمیشہ کیلئے خونین شفق کے پردہ میں نہاں کردیا، حضرت طلحہؓ کو معلوم ہوا تو افسوس کے ساتھ فرمایا "خدا عثمانؓ پر رحم کرے"، لوگوں نے کہا مفسدین اب اپنے فعل پر نادم ہیں، فرمایا خدا انھیں ہلاک کرے، اس کے بعد یہ آیت پڑھی فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ، (یٰسین ۳)

---

[1] ابن سعد جزو ۳ قسم اوّل ص ۴۷،

[2] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۴۰۔۔

حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بادلِ ناخواستہ بیعت کی

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مصریون نے حضرت علیؓ کو عنانِ خلافت سنبھالنے پر مجبور کیا، اور مسجدِ نبویؐ مین لوگون کو بیعتِ عام کے لئے جمع کیا، حضرت طلحہؓ گو برابر کے دعویدار تھے تاہم اس شورش وہنگامہ کے وقت زبان نہ ہلا سکے اور بادل ناخواستہ بیعت کرلی۔[۱]

خلیفۂ وقت کے مقابلہ مین خروج اور اس کی وجہ

خلیفۂ وقت کا قتل کوئی معمولی حادثہ نہ تھا، اس سے تمام ملک مین شورش اور بدنظمی پھیل گئی، اور مفسدین کی مطلق العنانی نے خود مدینہ کو پُرفتن بنادیا، حضرت طلحہؓ کامل چار ماہ تک خاموشی کے ساتھ اس فتنہ وفساد کا تماشا دیکھتے رہے، لیکن جب دربارِ خلافت کی طرف سے اس کے انسداد کی کوئی امید نہ رہی تو خود علمِ اصلاح بلند کرنیکے لئے حضرت زبیرؓ کو ساتھ لیکر مدینہ سے مکہ چلے آئے، حضرت عائشہؓ حج کے خیال سے مکہ آئی تھین اور مدینہ کی شورشون کا حال سن کر اس وقت تک یہین مقیم تھین، اس لئے ان دونون نے سب سے پہلے ام المومنینؓ کی خدمت مین حاضر ہوکر مدینہ کی کیفیت بیان کی اور علمِ اصلاح بلند کرنے پر آمادہ کیا، تھوڑی دیر کی بحث ومباحثہ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راضی ہوگئین اور حضرت طلحہؓ کی رائے کے مطابق بصرہ جانیکی تیاری ہوئی، کیونکہ وہان ان کے طرفدارون کی ایک بڑی جماعت موجود تھی، اور نہایت آسانی کے ساتھ اس مہم کی شرکت پر آمادہ ہوسکتی تھی،

بصرہ پر قبضہ

غرض داعیانِ اصلاح کی ایک ہزار جماعت مکہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئی، بنوامیہ بھی جو مدینہ سے بھاگ کر مکہ مین پناہ گزین تھے جوشِ انتقام مین ساتھ ہوگئے، بصرہ کے قریب پہنچے تو عثمان بن حنیف والی بصرہ نے مزاحمت کی، پہلے کچھ دنون تک ان سے مصالحت کی سلسلہ جنبانی ہوتی رہی لیکن جب وہ راہ پر نہ آئے تو بزور شہر پر قابض ہوگئے اور حضرت طلحہؓ کے حامیون نے جوش وخروش کے ساتھ اہلِ دعوت کو لبیک کہا۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ق ۱ [۱]

حضرت علیؓ کی فوج سے مقابلہ کیلئے بڑھنا

حضرت علیؓ کو مدعیانِ اصلاح کے خروج کا حال معلوم ہوچکا تھا، اس لئے مدینہ سے روانہ ہوکر ذی قار پہنچے اور یہان سے تقریباً کوفہ کے نوہزار جنگ آزما نوجوانون کو ساتھ لیکر

بصرہ کی طرف بڑھے، حضرت طلحہؓ وزبیرؓ نے اس فوج کا حال سنا تو انہوں نے بھی اپنی فوج کو منظم و مرتب کر کے آگے بڑھایا، دسوین جمادی الآخرہ ۳۶ھ مین دونون فوجون مین مٹ بھیڑ ہوئی،

شہادت | جنگ شروع ہونے سے پہلے صلح کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی، اور حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی یاد دلائی کہ اسی وقت ان کا دل اس خانہ جنگی سے پھر گیا، حضرت طلحہؓ نے اپنے زور بازو کو برداشتہ خاطر دیکھا تو ان کا ارادہ بھی متزلزل ہوا، اور جنگ سے کنارہ کش ہونے کی رائے قائم کرلی، مروان نے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے معاملہ مین ان سے بدظن تھا اس موقع کو غنیمت جان کر ایک تیر مارا جو اگرچہ پاؤن مین لگا لیکن ان کے لئے تیر قضا ثابت ہوا[۱]، لوگون نے نکالنے کی کوشش کی تو فرمایا چھوڑدو، یہ تیر نہین بلکہ پیام خداوندی ہے،

تجہیز وتکفین | اختلاف روایات حضرت طلحہؓ نے باسٹھ یا چونسٹھ برس کی عمر مین شہادت حاصل کی، اور غالباً اسی میدان جنگ کے کسی گوشہ مین مدفون ہوئے لیکن یہ زمین نشیب مین تھی اس لئے اکثر غرق آب رہتی تھی، ایک شخص نے مسلسل تین دفعہ حضرت طلحہؓ کو خواب مین دیکھا کہ وہ اپنی لاش کو اس قبر سے منتقل کرنے کی ہدایت فرمارہے ہین، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے خواب کا حال سنا تو حضرت ابوبکرہؓ صحابی کا مکان دس ہزار درہم مین خرید کر ان کی لاش کو اس مین منتقل کردیا، دیکھنے والون کا بیان ہے کہ اتنے دنون کے بعد بھی یہ جسم خاکی اسی طرح مصئون و محفوظ تھا، یہان تک کہ آنکھون مین جو کافور لگایا گیا تھا وہ بھی بعینہ موجود تھا[۲]،

اخلاق وعادات | حضرت طلحہؓ کا اخلاقی پایہ نہایت ارفع و اعلیٰ تھا، خشیت الٰہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے ان کا پیمانہ قلب لبریز تھا، معرکہ احد اور دوسرے غزوات مین جس جوش و فداکاری کیساتھ پیش پیش رہے وہ اسی جذبہ کا اثر تھا، اس راہ مین ان کو جان کے ساتھ مال کی قربانی سے بھی دریغ نہ تھا،

[۱] مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۳۷۱ [۲] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۶۱

چنانچہ انھون نے نذر مانی تھی کہ غزوات کے مصارف کیلئے اپنا مال راہِ خدا مین دیا کرین گے، اس نذر کو انھون نے اس پابندی کے ساتھ پوری کرنیکی کوشش کی کہ خاص قرآن پاک مین ان کی مدح مین یہ آیت نازل ہوئی،

رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضی نحبہ الآیہ (احزاب ۳)

یعنی کچھ آدمی ایسے ہین جنھون نے خدا سے جو کچھ عہد کیا اس کو سچا کر دکھایا، چنانچہ بعض ان مین سے وہ ہین جنھون نے اپنی نذر پوری کی،

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت طلحہ رض بارگاہِ نبوت مین حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا، "طلحہ رض تم بھی ان لوگون مین ہو جنھون نے اپنی نذر پوری کی،[1]

حضرت طلحہ رض اقلیم سخاوت کے بادشاہ تھے، فقرا، ومساکین کے لئے ان کا دروازہ کھلا رہتا تھا، قیس ابن ابی حازم کا بیان ہے کہ مین نے طلحہ رض سے زیادہ کسی کو بے طلب کی بخشش مین پیش پیش نہ دیکھا،[2]

غزوۂ ذی القرد مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کے ساتھ پانی کے ایک چشمہ پر گذرے جس کا نام بیسان مالح تھا، حضرت طلحہ رض نے اس کو خرید کر وقف کر دیا،[3] اسی طرح غزوۂ ذی العسرہ مین تمام مجاہدین کی دعوت کی، غزوہ تبوک کے موقع پر جب کہ عموماً تمام مسلمان افلاس وناداری کی مصیبت اور فلاکت مین مبتلا تھے، انھون نے مصارفِ جنگ کے لئے ایک گران قدر رقم پیش کی اور دربارِ رسالت سے فیاض کا خطاب حاصل کیا،[4]

ایک دفعہ حضرت عثمان رض کے ہاتھ اپنی جائداد سات لاکھ درہم مین فروخت کی اور سب راہ خدا مین صرف کر دیا، آپ کی بیوی سعدی بنت عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مین نے انھین غمگین دیکھا، پوچھا" آپ اس قدر اداس کیون ہین مجھ سے کوئی خطا تو سرزد نہین ہوئی؟" بولے "نہین! تم نہایت اچھی بیوی ہو

[1] فتح الباری جلد ۸ ص ۴۰۰ [2] ایضاً جلد ۷ ص ۶۶ [3] اصابہ جلد ۳ ص ۲۹۱ [4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۶۰

تمھاری کوئی بات نہین ہے، اصل قصہ یہ ہے کہ میرے پاس ایک بہت بڑی رقم جمع ہوگئی ہے، اس وقت اسی کی فکر مین تھا کہ کیا کرون، مین نے کہا اُس کو تقسیم کرا دیجئے" یہ سنکر انھون نے اسی وقت لونڈی کو بلایا اور چار لاکھ کی رقم اپنی قوم مین تقسیم کرا دی،[1]

حضرت طلحہؓ بنو تیم کے تمام محتاج و تنگدست خاندانون کی کفالت کرتے تھے، لڑکیون اور بیوہ عورتون کی شادی کر دیتے تھے، جو لوگ مقروض تھے ان کا قرض ادا کر دیتے تھے، چنانچہ صبیحہ تیمی پر تیس ہزار درہم قرض تھا وہ سب انھون نے اپنے پاس سے ادا کر دیا، ام المومنین حضرت عائشہؓ سے بھی خاص عقیدت تھی اور ہر سال دس ہزار درہم پیشکش خدمت کرتے تھے،[2]

مہمان نوازی حضرت طلحہؓ کا خاص شیوہ تھا، ایک دفعہ بنی عذرہ کے تین آدمی مدینہ آکر مشرف بہ اسلام ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ان کی کفالت کا ذمہ لیتا ہے؟ حضرت طلحہؓ نے کھڑے ہوکر عرض کی "مین یا رسول اللہ!" اور وہ تینون نو مسلم مہمانون کو خوشی خوشی گھر لے آئے، ان مین سے دو نے یکے بعد دیگرے مختلف غزوات مین شہادت حاصل کی اور تیسرے نے بھی ایک مدت کے بعد حضرت طلحہؓ کے مکان مین وفات پائی، ان کو اپنے مہمانون سے جو انس پیدا ہو گیا تھا اس کا اثر یہ تھا کہ ہر وقت ان کی یاد تازہ رہتی تھی، اور رات کے وقت خواب مین بھی ان ہی کا جلوہ نظر آتا تھا، ایک روز خواب مین دیکھا کہ وہ اپنے تینون مہمانون کے ساتھ جنت کے دروازہ پر کھڑے ہین لیکن جو سب سے پیچھے مرا تھا وہ سب سے آگے ہے، اور جو سب سے پہلے شہید ہوا تھا وہ سب سے پیچھے ہے، حضرت طلحہؓ کو اس تقدم و تاخر پر سخت تعجب ہوا، صبح کے وقت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب کا واقعہ بیان کیا تو ارشاد ہوا، اس مین تعجب کی کیا بات ہے جو زیادہ دنون تک زندہ رہا اس کو عبادت و نیکوکاری کا زیادہ موقع ملا، اس لئے وہ جنت کے داخلہ مین اپنے ساتھیون سے پیش پیش تھا،[3]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۵۷، [2] ایضاً ص ۱۵۸، [3] مسند ابن حنبل جلد اص ۱۶۳،

احباب کی مسرت وشادمانی ان کے لئے بھی سامانِ انبساط بنجاتی تھی، حضرت کعب بن مالک رضؓ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونیکے باعث معتوب بارگاہ تھے، ایک مدت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خطا معاف کردی اور وہ خوش خوش دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضرت طلحہ رضؓ نے دوڑ کر ان سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی، حضرت کعب رضؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں طلحہ رضؓ کے اس اخلاق کو کبھی نہ بھولوں گا، کیونکہ مہاجرین میں سے کسی نے ایسی گرم جوشی کا اظہار نہیں کیا تھا،

حضرت طلحہ رضؓ کو دوستوں کی خدمت گذاری سے بھی دریغ نہ تھا، ایک دفعہ ایک اعرابی مہمان ہوا، اور اس نے درخواست کی کہ بازار میں میرا اونٹ فروخت کرا دیجئے، حضرت طلحہ رضؓ نے فرمایا "گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شہری دیہاتی کا معاملہ نہ چکائے تاہم میں تمہارے ساتھ چلوں گا" اور اس کے ساتھ جا کر مناسب قیمت پر اس کا اونٹ فروخت کرا دیا، اعرابی نے اس کے بعد خواہش ظاہر کی کہ دربارِ رسالت سے زکوٰۃ کی وصولی کا ایک مفصل ہدایت نامہ دلوا دیجئے تاکہ عمال کو اسی کے مطابق دیا کروں حضرت طلحہ رضؓ نے اپنے مخصوص تقرب کے باعث اس کی یہ خواہش بھی پوری کردی۔[۲]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو طرزِ عمل بنانا ہر مسلمان کی سب سے بڑی سعادت ہے حضرت طلحہ رضؓ نے اس سعادت کے حصول کو اپنے فرائض میں شامل کر لیا تھا یہی وجہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف صحبتوں میں جو کچھ دیکھتے یا سنتے اس کو ہمیشہ یاد رکھتے اور اگر اتفاق سے کبھی کوئی بات بھول جاتے تو سخت مغموم و رنجیدہ نظر آتے، ایک دفعہ حضرت عمر رضؓ نے ان کو مغموم دیکھ کر پوچھا "تمہارا حال کیسا ہے؟ کسی سے کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا؟" کہنے لگے نہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ "اگر کوئی بندہ موت کے وقت ایک کلمہ زبان سے ادا کرے تو نزع کی مصیبت دور ہو جائے گی اور اس کا چہرہ چمکنے لگے گا" مجھے اس وقت وہ کلمہ معلوم تھا، لیکن اب یاد نہیں آتا، حضرت عمر رضؓ نے کہا کیا تم اس کلمہ سے بھی زیادہ

۱؎ بخاری باب غزوۂ تبوک ۲؎ ایضاً

باعظمت و پُر اثر کلمہ جانتے ہو جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا یعنی لا الٰہ الا اللہ حضرت طلحہؓ سنکر اچھل پڑے فرمایا ہاں! خدا کی قسم یہی کلمہ ہے۔[۱]

حسنِ معاشرت | حضرت طلحہؓ اپنے حسنِ معاشرت کے باعث بیوی بچوں میں نہایت محبوب تھے، وہ اپنے کنبہ میں جس لطف و محبت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ کی لڑکی ام ابان سے اگرچہ بہت سے معزز اشخاص نے شادی کی درخواست کی لیکن انہوں نے حضرت طلحہؓ کو سب پر ترجیح دی، لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہا "میں ان کے اوصاف حمیدہ سے واقف ہوں، وہ گھر آتے ہیں تو ہنستے ہوئے، باہر جاتے ہیں تو مسکراتے ہوئے، کچھ مانگو تو بخل نہیں کرتے اور خاموش رہو تو مانگنے کا انتظار نہیں کرتے اگر کوئی کام کردو تو شکر گذار ہوتے ہیں اور خطا ہو جائے تو معاف کر دیتے ہیں۔[۲]

ذریعۂ معاش | حضرت طلحہؓ کے معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا، چنانچہ نیرِ اسلام کے طلوع ہونے کی بشارت بھی اسی تجارتی سفر میں ملی تھی، جب مدینہ پہونچے تو زراعت کا شغل بھی شروع کیا، اور رفتہ رفتہ اس کو نہایت وسیع پیمانہ پر پھیلا دیا، خیبر کی جاگیر کے علاوہ عراق عرب میں متعدد علاقے حاصل کئے، ان میں سے قناۃ اور سراۃ نہایت مشہور ہیں، ان دونوں مقامات میں کاشت کاری کا نہایت وسیع اہتمام تھا، صرف قناۃ کے کھیتوں پر بیس اونٹ سیرابی کا کام کرتے تھے، ان علاقوں کی پیداوار کا صرف اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت طلحہؓ کی روزانہ آمدنی کا اوسط ایک ہزار دینار تھا۔[۳]

تمول | غرض تجارت و زراعت نے ان کو غیر معمولی دولت و ثروت کا مالک بنا دیا تھا، چنانچہ لاکھوں دینار و درہم راہ خدا میں لٹا دینے کے بعد بھی اہل و عیال کے لئے ایک عظیم الشان دولت چھوڑ گئے، ایک دفعہ امیر معاویہؓ نے موسیٰ بن طلحہؓ سے پوچھا کہ تمہارے والد نے کس قدر دولت چھوڑی تو انہوں نے کہا بائیس لاکھ درہم او دو لاکھ دینار، اس کے علاوہ نہایت کثیر مقدار میں سونا اور چاندی، یہ نقدی کی تفصیل تھی، جائداد

[۱] مسند جلد ۱ ص ۱۶۱، [۲] کنز العمال جلد ۶ ص ۴۱۳، [۳] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۵۸۔

غیر منقولہ اس کے علاوہ تھی جس کی کل قیمت کا اندازہ تین کروڑ درہم تھا،[1]

غذا ولباس طرزِ معاشرت نہایت سادہ تھا، کپڑے اکثر رنگین پہنتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حالتِ احرام میں رنگین لباس زیبِ جسم دیکھا بولے "طلحہؓ یہ کیا ہے؟" عرض کی "امیر المومنین یہ گیروا رنگ ہے" فرمایا "آپ لوگ ائمۂ دین ہیں، عوام آپ کا اتباع کرتے ہیں، کوئی جاہل دیکھے گا تو وہ بھی رنگین کپڑے استعمال کرے گا اور دلیل پیش کریگا کہ میں نے طلحہؓ کو حالتِ احرام میں پہنے ہوئے دیکھا تھا"[2]

حضرت طلحہؓ کے ہاتھ میں ایک سونے کی انگوٹھی تھی جس میں نفیس سرخ یاقوت کا نگ جڑا ہوا تھا، لیکن بعد کو یاقوت نکال کر معمولی پتھر سے مرصع کرایا تھا[3] دسترخوان بھی وسیع تھا لیکن پر تکلف نہ تھا،

حلیہ حلیہ یہ تھا، قد میانہ بلکہ ایک حد تک پست، چہرہ کا رنگ سرخ وسفید، بدن خوب گٹھا ہوا، سینہ چوڑا، پاؤں نہایت پر گوشت اور ہاتھ کی انگلیاں غزوۂ احد میں شل ہوگئی تھیں،

اولاد وازدواج حضرت طلحہؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کی تھیں بیویوں کے نام یہ ہیں، حمنہؓ بنت جحش، ام کلثوم بنت ابی بکر الصدیق، سعدیٰ بنت عوف، ام ابان بنت عتبہ بن ربیعہ، خولہ بنت القعقاع، ان میں سے ہر ایک کے بطن سے متعدد اولاد ہوئی تھی، لڑکوں کے نام یہ ہیں،

محمد، عمران، عیسیٰ، یحییٰ، اسمٰعیل، اسحاق، زکریا، یعقوب، موسیٰ، یوسف، ان کے علاوہ چار صاحبزادیاں بھی تھیں، ان کے نام یہ ہیں،

ام اسحاق، عائشہ، صعبہ، مریم،

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ

نام ونسب، خاندان عبدالرحمٰن نام، ابومحمد کنیت، والد کا نام عوف اور والدہ کا نام شفاء تھا، یہ دونوں زہری

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ١٥٨، [2] ایضاً ص ١٥٦، [3] ایضاً ص ١٥٧،

خاندان سے تعلق رکھتے تھے، سلسلۂ نسب یہ ہے عبد الرحمن بن عوف رضؓ بن عبد عوف بن عبد بن الحارث بن زہرہ بن کلاب بن مرۃ القرشی الزہری،

حضرت عبد الرحمنؓ کا اصلی نام عبد عمرو تھا، ایمان لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبد الرحمن رکھا۔[1]

اسلام عام روایت کے مطابق حضرت عبد الرحمنؓ واقعۂ فیل کے دسوین سال پیدا ہوئے تھے اس لحاظ سے جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ توحید کی صدا بلند کی، اس وقت ان کا سن تیس سال سے متجاوز ہو چکا تھا، فطری عفت و سلامت روی کے باعث شراب سے پہلے ہی تائب ہو چکے تھے، صدیق اکبرؓ کی رہنمائی سے صراط مستقیم کی شاہراہ بھی نظر آگئی اور بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر رہروانِ حق کے قافلہ میں شامل ہو گئے، اس وقت تک صرف چند روشن ضمیر بزرگون کو اس کی توفیق ہوئی تھی اور قافلہ سالار یعنی سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی ارقم کے مکان مین پناہ گزین نہین ہوئے تھے۔[2]

ہجرت خلعتِ ایمان سے مشرف ہونے کے بعد حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کو بھی عام بلاکشانِ اسلام کی طرح جلاوطن ہونا پڑا، پہلے ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے، پھر وہان سے واپس آئے تو سب کے ساتھ سرزمین یثرب کی طرف ہجرت کر گئے۔[3]

مواخات مدینہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن الربیع انصاریؓ سے بھائی چارہ کرا دیا، وہ انصار مین سب سے زیادہ مالدار اور فیاض طبع تھے، کہنے لگے "مین اپنا نصف مال و منال تمھین بانٹ دیتا ہون، اور میری دو بیویان ہین، ان کو دیکھو جو پسند آئے اس کا نام بتاؤ مین طلاق دیدون گا، عدت گذرنے کے بعد تم نکاح کر لینا، لیکن حضرت عبد الرحمنؓ کی غیرت نے گوارا نہ کیا، جواب دیا "خدا تمھارے مال و منال اور اہل و عیال مین برکت دے، مجھے صرف بازار دکھا دو" لوگون نے بنی قینقاع کے بازار مین پہنچا دیا، وہان سے واپس آئے تو کچھ گھی اور پنیر وغیرہ نفع مین بچا لائے، دوسرے روز سے باقاعدہ تجارت شروع کر دی،

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۰۶ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث۔ [3] ایضاً

یہاں تک کہ چند دنوں کے بعد بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تو جسم پر مراسمِ شادی کی علامتیں موجود تھیں، استفسار ہوا "یہ کیا ہے؟" عرض کی "ایک انصاریہ سے شادی کر لی ہے" سوال ہوا "مہر کس قدر ادا کیا؟" عرض کی "ایک کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا" حکم ہوا "تو پھر ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی سہی"[1]

غزوات سنہ ۲ھ سے غزوات کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت عبد الرحمٰن رضی اکثر معرکوں میں پامردی و شجاعت کے ساتھ شریک رہے، غزوہ بدر میں دو نوجوان انصاری پہلو میں کھڑے تھے انھوں نے آہستہ سے پوچھا "یا عم! ابو جہل کون ہے جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بدزبانی کرتا ہے؟" اسی اثنا میں ابو جہل سامنے آگیا حضرت عبد الرحمٰن رضی نے کہا "وہ دیکھو جس کو تم پوچھتے تھے سامنے موجود ہے" ان دونوں نے جھپٹ کر ایک ساتھ وار کیا اور اس ناپاک ہستی سے دنیا کو نجات دلادی،[2]

غزوہ احد میں جس جانبازی و شجاعت سے لڑے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بدن پر بیس سے زیادہ آثار جراحت شمار کئے گئے تھے خصوصاً پاؤں میں ایسے کاری زخم لگے تھے کہ صحت کے بعد بھی ہمیشہ لنگڑا کر چلتے تھے،[3]

دومۃ الجندل کی مہم شعبان سنہ ۶ھ میں دومۃ الجندل کی مہم پر مامور ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر اپنے دستِ اقدس سے عمامہ باندھا، پیچھے شملہ چھوڑا، اور ہاتھ میں علم دے کر فرمایا "بسم اللہ! راہ خدا میں روانہ ہو جا، جو لوگ خدا کی نافرمانی و عصیان میں مبتلا ہیں ان سے جا کر جہاد کر، لیکن کسی کو دھوکا نہ دینا، فریب نہ کرنا، بچوں کو نہ مارنا، یہاں تک کہ دومۃ الجندل پہنچکر قبیلۂ کلب کو اسلام کی دعوت دے، اگر وہ قبول کریں تو ان کے بادشاہ کی لڑکی سے نکاح کر لے"

حضرت عبد الرحمٰن رضی اس اعزاز کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو کر دومۃ الجندل پہنچے اور تین دن تک دعوت و تبلیغِ اسلام کا فرض اس خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے کہ قبیلۂ کلب کے سردار اصبغ بن عمرو الکلبی جو مذہباً

---

[1] بخاری باب بنیان الکعبہ باب کیف آخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین الصحابہ [2] مسند جلد ۱ ص ۱۹۳ و بخاری کتاب المغازی باب قتل ابی جہل [3] سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۷۱

عیسائی تھے اور اس کی قوم کے بہت سے لوگ بطیب خاطر دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے، البتہ بعضوں نے جن کو اس کی توفیق نہ ہوئی جزیہ منظور کرلیا، حضرت عبد الرحمٰنؓ نے حسب فرمان اصبغ کی لڑکی تماضر سے شادی کرلی اور رخصت کرا کے مدینہ ساتھ لائے، چنانچہ ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔[1]

فتح مکہ | مکہ کی فوج کشی میں بھی شریک تھے، اس کے زیر نگین ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو قبیلۂ بنو جذیمہ کے پاس جو اطراف مکہ میں مسکن گزین تھا دعوت اسلام کے لئے بھیجا، انھوں نے غلطی سے قتل و خون ریزی کا بازار گرم کردیا، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو نہایت متاسف ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ رب العالمین میں تین دفعہ اپنی برائت ظاہر کی "خدایا! خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے بری ہوں"

حضرت عبد الرحمٰنؓ کے خاندان اور قبیلۂ بنو جذیمہ میں گو قدیم زمانہ سے عداوت چلی آتی تھی، یہاں تک کہ ان کے والد عوف کو اسی قبیلہ کے ایک آدمی نے قتل کیا تھا،[2] تاہم اخوتِ اسلامی نے اس دیرینہ عداوت کو بھی محو کردیا، چنانچہ اس خون ریزی سے بیزار ہوکر حضرت خالد بن ولیدؓ سے کہا "افسوس تم نے اسلام میں جاہلیت کا بدلہ لیا" انھوں نے جواب دیا "میں نے تمھارے باپ کے قاتل کو مارا" حضرت عبد الرحمٰنؓ نے کہا "بیشک تم نے میرے باپ کے قاتل کو مارا، لیکن درحقیقت یہ فاکہ بن مغیرہ کا انتقام تھا، جو تمھارا چچا تھا" اس کے بعد دونوں میں نہایت گرم گفتگو ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو حضرت خالدؓ سے ارشاد ہوا "بس خالد! میرے اصحاب کو چھوڑ، اگر تو راہِ خدا میں کوہِ احد کے برابر بھی سونا صرف کرے گا تب بھی ان کے برابر نہ ہوگا"[3]

---

[1] طبقات ابن سعد حصۂ مغازی ص ۶۴ [2] حضرت عبد الرحمٰنؓ کے والد عوف اور حضرت خالدؓ کے چچا فاکہ بن مغیرہ تجارت کے خیال سے یمن جارہے تھے، بنو جذیمہ نے راہ میں ایک ساتھ دونوں کو قتل کیا تھا (سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۵۶)

[3] سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۵۶

فتح مکہ کے بعد حجۃ الوداع تک جس قدر مہمات اور جنگیں پیش آئیں، حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سب میں شریک رہے؛ آخری سفرِ حج سے واپس آنے کے بعد ۱۱ھ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور سقیفۂ بنی ساعدہ میں خلافت کا قصہ پیش آیا؛ حضرت عبدالرحمن بن عوف اسی گتھی کے سلجھانے میں شریک تھے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں ان کا تیسرا نمبر تھا،

عہدِ صدیقی

خلیفۂ اول کے عہد میں حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ ایک مخلص مشیر اور صائب الرائے رکن کی حیثیت سے ہر قسم کے مشوروں میں شریک رہے، ۱۳ھ میں جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا آفتابِ حیات لبِ بام آیا اور ایک جانشین نامزد کرنے کی فکر دامنگیر ہوئی تو انھوں نے سب سے پہلے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو بلا کر اس کے متعلق مشورہ کیا اور اس منصب جلیل کے لئے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا نام لیا، حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے نہایت آزادی اور خلوص کے ساتھ کہا "عمر کی اہلیت میں کیا شک ہے لیکن مزاج میں سختی ہے" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ان کی سختی اس لئے تھی کہ میں نرم تھا لیکن جب یہ بارِ گراں ان ہی پر آ پڑے گا تو خود بخود نرم ہو جائیں گے"[1] غرض چند روزہ علالت کے بعد خلیفۂ اول نے داعی اجل کو لبیک کہا اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے

عہدِ فاروقی

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر قدم رکھنے کے ساتھ نظام خلافت کو پہلے سے زیادہ منتظم و مرتب کر دیا، مہمات مسائل پر بحث و مباحثہ کے لئے ایک مستقل مجلس شوریٰ قائم کی، حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ اس مجلس کے نہایت صائب الرائے، پرجوش اور سرگرم رکن ثابت ہوئے، بہت سے معاملات میں ان ہی کی رائے پر آخری فیصلہ ہوا، عراق پر مستقل اور باقاعدہ فوج کشی کے لئے جب دارالخلافہ کے گرد ایک عظیم الشان لشکر مجتمع ہوا اور عوام نے زور ڈالا کہ خود امیر المومنین اس فوج کی باگ اپنے ہاتھ میں لیں، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود بھی اس کے لئے تیار ہو گئے تو اس وقت صرف حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ ہی تھے جنھوں نے سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کی اور کہا کہ لڑائی کے دونوں پہلو ہیں، خدانخواستہ اگر شکست ہوئی اور امیر المومنین

[1] طبری، ص ۲۱۳۷،

کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے، حضرت عبدالرحمٰنؓ کی اس مآل اندیشی نے تمام اکابر صحابہؓ کی آنکھیں کھول دین اور سب نے پرزور الفاظ مین اس کی تائید کی، لیکن مشکل یہ تھی کہ اس مہتم بالشان عہدہ کے لائق کوئی شخص نہ تھا، حضرت علیؓ سے کہا گیا تو انھون نے صاف انکار کر دیا، غرض اسی حیص بیص مین تھے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کی نگاہِ انتخاب نے یہ مشکل بھی حل کر دی، اور کھڑے ہو کر کہا مین نے پا لیا، حضرت عمرؓ نے پوچھا کون؟ بولے سعد بن ابی وقاصؓ، اس حسنِ انتخاب پر ہر طرف سے صدائے تحسین وآفرین بلند ہوئی، اور واقعات نے بہت جلد ثابت کر دیا کہ یہ انتخاب کس قدر موزون تھا،

اسی طرح معرکۂ نہاوند مین بھی حضرت عمرؓ کو موقع جنگ پر جانے سے روکا، لیکن کبھی کبھی جوش مآل اندیشی پر غالب آجاتا تھا، چنانچہ جب مہم شام مین اسلامی فوجین رومیون کی عظیم الشان تیاریون کے باعث مقامات مفتوحہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ آئین، اور حضرت ابو عبیدہؓ سپہ سالار اعظم نے رومیون کے جوش وخروش اور ٹڈی دل اجتماع کی اطلاع دارالخلافہ مین بھیجی، تو حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اس قدر جوش آیا کہ بیتاب ہو کر بولے امیر المومنین تو خود سپہ سالار بن اور مجھ کو ساتھ لے کر چل، خدا نخواستہ اگر ہمارے بھائیون کا بال بیکا ہوا تو پھر جینا بے سود ہے[1]، لیکن اس موقع پر دوسرے مآل اندیش صحابہؓ نے مخالفت کی اور اسی پر فیصلہ ہوا،

حضرت عبدالرحمٰنؓ نے انتظامی اور قانونی حیثیت سے جو رائین دین ان کا اجمالی تذکرہ انشاء اللہ علم وفضل کے سلسلہ مین آئے گا،

واقعۂ ہائلہ

۲۳ھ مین ایک روز حسب معمول حضرت عمرؓ صبح کی نماز پڑھانے کھڑے ہوے کہ دفعۃً فیروز نام ایک عجمی غلام نے حملہ کیا اور متعدد زخم پہنچائے، حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کا ہاتھ پکڑ کر امامت کے مصلے پر کھڑا کیا، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جلدی جلدی نماز تمام کی[2]، اور حضرت عمرؓ کو اٹھا کر ان کے گھر لائے،

[1] طبری ص ۲۲۱۵ [2] ایضاً ص ۲۷۲۱ ابن سعد جزو ۳ قسم اول ص ۲۴۴،

حضرت عبدالرحمٰنؓ کا ایثار خلیفۂ دوم کی حالت غیر ہوئی تو لوگون نے منصب خلافت کے لئے کسی کو نامزد کرنے کی درخواست کی، حضرت عمرؓ نے چھ آدمیون کے نام پیش کر کے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان سے آخر وقت تک خوش رہے تھے، یہ باہم کسی ایک کو منتخب کرین لیکن تین دن کے اندر یہ مسئلہ طے پا جائے،

خلیفۂ دوم کی تجہیز و تکفین کے بعد حسب وصیت انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا، لیکن دو دن تک کچھ فیصلہ نہ ہو سکا، تیسرے روز حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا کہ یہ مسئلہ چھ آدمیون مین دائر ہے، اس کو تین شخصون مین محدود کرنا چاہیے، اور جو اپنے خیال مین جس کو زیادہ مستحق سمجھتا ہے اس کا نام لے، چنانچہ حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کی نسبت رائے دی، حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کو پیش کیا، اور حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا نام لیا، لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ اپنے حق سے باز آ گئے، اور حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اب تم دونون مین جو احکام الٰہی، سنت نبوی اور طریقہ شیخینؓ کی پابندی کا عہد کرے گا، اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی، عام روایت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے کہا مین سب سے پہلے اس عہد پر راضی ہون، لیکن صحیح بخاری کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونون خاموش رہے، بہرحال حضرت عبدالرحمٰنؓ نے دونون کو راضی کر کے اس کا تصفیہ اپنے ہاتھ مین لے لیا، اور ہر ایک کو علحدہ لے جا کر ان کے فضائل و مناقب یاد دلائے، اور کہا "مجھے توقع ہے کہ اگر مین تمھین یہ منصب دون تو عدل و انصاف کرو گے، اور اگر تمھارے مقابل کو یہ شرف نصیب ہو تو اطاعت سے کام لو گے" غرض اس عہد و پیمان کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ نے مجمع عام مین ایک مؤثر تقریر کی اور حضرت عثمانؓ سے کہا ہاتھ پھیلاؤ اور خود بڑھ کر بیعت کر لی، ان کا بیعت کرنا تھا کہ تمام خلقت ٹوٹ پڑی،[1]

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کی نگاہ انتخاب نے حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ پر کیون ترجیح دی؟ عام خیال یہ ہے کہ یہ ان دونون کی باہمی یگانگت و محبت اور رشتہ داری کا نتیجہ

[1] بخاری باب الاتفاق علی بیعۃ عثمانؓ، لیکن بعض تفصیلی باتین تاریخ طبری سے ماخوذ ہین،

تھا، چنانچہ طبری کی ایک روایت کے مطابق حضرت عباس رض نے ابتدا ہی مین حضرت علی رض سے اپنا شبہہ ظاہر کردیا تھا،[1] لیکن یہ صحیح نہین ہے، رشتہ داری بیشک ایک مؤثر چیز ہے، مگر ایسے اہم معاملات مین بنائے فیصلہ نہین ہوسکتی،

اصل یہ ہے کہ گو اسلام نے قبائل کو باہم متحد کردیا تھا تاہم ایک حد تک منافست و مسابقت کا خیال باقی تھا، اور لوگ اس کو پسند نہ کرتے تھے کہ نبوت و خلافت ایک ہی قبیلہ یعنی بنو ہاشم مین مجتمع ہوجائے، چنانچہ خلافتِ مرتضوی مین جو خانہ جنگیان برپا ہوئین، وہ اسی منافست کا نتیجہ تھین، حضرت عبدالرحمن رض کی نگاہِ عاقبت بین نے اس کا پہلے ہی سے اندازہ کرلیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ انھون نے حضرت عثمان رض کو جناب امیر رض پر ترجیح دی ورنہ اسلام کا شیرازہ اسی وقت بکھر جاتا جیسا کہ بعد کو واقعات نے ثابت کردیا ہے،

اس ترجیح کی ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ حضرت علی رض نے شیخین کی روش پر کاربند ہونے مین پس و پیش کیا تھا جیسا کہ متعدد روایتون سے ثابت ہوتا ہے، برخلاف اس کے حضرت عثمان رض نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ حامی بھری تھی، بہرحال حضرت عبدالرحمن رض نے اس عقدہ کو جس ایثار، دور اندیشی اور دانائی کے ساتھ حل کیا وہ یقیناً ان کی زندگی کا مایۂ ناز کارنامہ ہے،

وفات عہد عثمانی مین حضرت عبدالرحمن رض نے نہایت خاموش زندگی بسر کی اور جہان تک معلوم ہے مہمات ملکی مین انھون نے کوئی خاص دلچسپی نہین لی، یہان تک کہ روح اطہر نے پچھتر برس تک اس سرائے فانی کی سیر کرکے سنہ ۳۱ھ مین داعی حق کو لبیک کہا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ،[2]

حضرت علی رض نے جنازہ پر کھڑے ہوکر کہا "اذھب یا ابن عوف فقد ادرکت صفوھا وسبقت رنقھا" یعنی ابن عوف جاؤ تم نے دنیا کا صاف پانی پایا اور گدلا چھوڑ دیا" حضرت سعد بن ابی وقاص رض جنازہ اٹھانے والون مین شریک تھے اور کہتے جاتے تھے "واجبلاہ"، یعنی آہ یہ پہاڑ بھی چل بسا، حضرت عثمان رض

[1] طبری ص ۲۷۹۰ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۱۷،

نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیا[1]

علم و فضل | رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے حضرت عبد الرحمن رض کے کیسۂ فضل و کمال کو علمی زر و جواہر سے پُر کر دیا تھا گو انھون نے دوسرے کبار صحابہ رض کی طرح حدیثین بہت کم روایت کین تاہم خلفاے راشدین رض کو بہت اہم و ضروری موقعون پر اپنے معلومات سے فائدہ پہنچایا، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رض کی خلافت مین جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا جھگڑا چھڑا تو انھون نے بلند آہنگی کے ساتھ اس حدیث کی تصدیق کی کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکہ مین وراثت نہین ہے"

اسی طرح حضرت عمر رض کے عہد مین جب ایران فتح ہوا اور انھین فکر دامنگیر ہوئی کہ آتش پرستون کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیئے تو اس وقت حضرت عبد الرحمن رض ہی نے اس عقدہ کو حل کیا اور بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگون کے ساتھ اہل کتاب کی روش اختیار کی تھی اور انھین ذمی قرار دیا تھا[2]

۱۸ھ مین عمواس مین طاعون پھیلا اور حضرت عمر رض نے صحابۂ کرام رض سے بلا کر دریافت کیا کہ طاعون زدہ مقام سے ہٹنا جائز ہے یا نہین؟ تو کوئی اس کا قطعی جواب نہ دے سکا، حضرت عبد الرحمن رض اس وقت موجود نہ تھے لیکن جب انھین خبر ملی تو انھون نے حاضر ہو کر کہا مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جہان طاعون ہو وہان نہ جاؤ، اگر تم پہلے سے طاعون زدہ مقام مین ہو تو وہان سے نہ ہٹو[3]

اصابت رائے | خداے تعالیٰ نے حضرت عبد الرحمن رض کو اصابت رائے اور دور اندیشی کا نہایت وافر حصہ دیا تھا، چنانچہ حضرت عمر رض نے اپنی وفات کے وقت مستحقین خلافت پر ریمارک کرتے ہوئے فرمایا تھا "عبد الرحمن نہایت صائب الرائے، ہوشمند اور سلیم الطبع ہین، ان کی رائے کو غور سے سننا اور اگر انتخاب مین مخالفت پیدا ہو جائے تو جس طرف عبد الرحمن ہون ان کا ساتھ دینا"[4]

---

[1] استیعاب جلد ۲ و طبقات ابن سعد تذکرہ عبد الرحمن بن عوف رض [2] کتاب الخراج ص ۷۴، و مسند ص ۱۹۴ [3] بخاری باب طاعون [4] تاریخ طبری ص ۲۷۸۰

حضرت عمرؓ کی رائے صرف حسن ظن نہیں بلکہ دیرینہ تجربات پر مبنی تھی، چنانچہ حضرت عبدالرحمنؓ نے خلافت کی گرہ کو جس خوبی کے ساتھ سلجھایا وہ ان کی تجربہ کاری اور ہوش مندی کی نہایت بین شہادت ہے،

اخلاق وعادات حضرت عبدالرحمنؓ کا دامن فضل وکمال اور اخلاقی جواہر پاروں سے مالا مال تھا خصوصاً خوفِ خدا، حبِ رسول، صدق وعفاف، ترحم، فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ ان کے نہایت درخشان اوصاف تھے،

خوفِ خدا خوفِ خدا کے باعث دنیا کا ہر واقعہ ان کے لئے مرقع عبرت بن جاتا تھا اور اس کی ہیبت وجلال کو یاد کرکے رونے لگتے تھے، ایک دفعہ دن بھر روزہ رہے، شام کے وقت کھانا سامنے آیا تو بے اختیار مسلمانوں کا گذشتہ فقر وفاقہ یاد آگیا، بولے "مصعب بن عمیرؓ مجھ سے بہتر تھے، وہ شہید ہوئے تو کفن میں صرف ایک چادر تھی جس سے سر چھپایا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں چھپائے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، اسی طرح حمزہؓ شہید ہوئے حالانکہ وہ مجھ سے بہتر تھے لیکن اب دنیا ہمارے لئے کشادہ ہوگئی ہے، اور ہمیں اس قدر دنیاوی نعمتیں مرحمت کی گئی ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ شاید ہماری نیکیوں کا معاوضہ دنیا ہی میں ہوگیا"، اس کے بعد اس قدر رقت طاری ہوئی کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا[1]،

حبِ رسول ایک مقرب بارگاہ صحابی کی حیثیت سے حضرت عبدالرحمنؓ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور خدمت وحفاظت میں ہمیشہ پیش پیش رہا، واقعہ احد صحابہؓ کی جان نثاری ومحبت کا نہایت سخت امتحان تھا، حضرت عبدالرحمنؓ اس آزمائش میں پورے اترے، بدن پر بیس زخم کھائے، پاؤں میں ایسا کاری زخم لگا کہ لنگڑا کر چلنے لگے لیکن جذبۂ جان نثاری نے میدان سے منہ موڑنے نہ دیا،

حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کبھی باہر تشریف لے جاتے تو حضرت عبدالرحمنؓ پیچھے پیچھے ساتھ ہو لیتے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے حضرت عبدالرحمنؓ بھی پیچھے چلے یہاں تک کہ رسول اللہ

[1] بخاری باب غزوۂ احد،

صلی اللہ علیہ وسلم ایک نخلستان میں پہنچکر سربسجود ہو گئے اور اس قدر دیر تک سجدہ میں رہے کہ ان کو خوف ہوا کہ شاید روح اطہر خدا سے جا ملی، گھبرا کر قریب آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک اٹھا کر فرمایا کیا ہے عبد الرحمن؟ انھوں نے اپنی گھبراہٹ کی وجہ عرض کی، ارشاد ہوا "جبرئیل نے مجھ سے کہا کیا میں آپ کو یہ بشارت نہ دوں کہ خداوند جل وعلا نے فرمایا ہے کہ جو آپ پر درود بھیجے گا، میں اس پر درود بھیجوں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلام بھیجوں گا، یعنی یہ طویل سجدہ سجدۂ شکر تھا۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ہمیشہ آپ کی یاد تازہ رہتی تھی، نوفل بن ایاس فرماتے ہیں کہ عبد الرحمن بن عوف رض سے اکثر لطف صحبت رہتا تھا، درحقیقت وہ خوب ہم نشین تھے، ایک روز ہم کو اپنے دولت کدہ پر لے گئے پھر خود اندر داخل ہوئے اور غسل کر کے باہر نکلے اس کے بعد کھانا آیا تو روٹی اور گوشت دیکھکر بے اختیار رونے لگے، میں نے پوچھا، ابو محمد! یہ گریہ وزاری کیسی؟ بولے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی لیکن تمام عمر آپ کو اور آپکے اہل وعیال کو پیٹ بھر جو کی روٹی بھی نہ ملی، ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اتنے دنوں تک دنیا میں رہنا ہمارے لئے بہتر نہیں ہے"۔[2]

صدق وعفاف دیانت داری، صدق وعفاف حضرت عبد الرحمن رض کے دستار فضل وکمال کا نہایت خوبصورت طرہ تھا، صحابہ کرام رض کو ان کی صداقت پر اس قدر اعتماد تھا کہ مدعی یا مدعا علیہ ہونے کی حیثیت میں بھی وہ تنہا ان کے بیان کو کافی سمجھتے تھے، ایک دفعہ حضرت عثمان رض کی عدالت میں حضرت زبیر رض نے مقدمہ دائر کیا کہ میں نے آل عمر رض سے ایک قطعہ زمین خریدا ہے جو عمر رض کو دربار نبوت سے بطور جاگیر مرحمت ہوا تھا، لیکن عبد الرحمن رض کا دعویٰ ہے کہ ان کو اور عمر رض کو ایک ساتھ جاگیر ملی تھی اور فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک ان کا حصہ ہے، حضرت عثمان رض نے فرمایا "عبد الرحمن رض اپنے موافق یا مخالف شہادت دے سکتے ہیں"۔[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے بعد جو شخص میری ازواج (مطہرات) کی نگرانی و

---

[1] مسند جلد ۱ ص ۱۹۱ [2] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۷ [3] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۱۹۲

محافظت کرے گا وہ نہایت صادق اور نیکو کار ہوگا، چنانچہ یہ فرض مخصوص طور پر حضرت عبد الرحمن رضؓ سے متعلق تھا، وہ سفر اور حج کے موقعوں پر ساتھ جاتے تھے سواری اور پردہ کا انتظام کرتے تھے، جہان پڑاؤ ہوتا تھا وہان انتظام و اہتمام کے ساتھ اتارتے تھے، غرض انھین صرف اپنی عصمت وعفت کے باعث امہات المومنین رضؓ کی خدمت وحفاظت کا فخر نصیب ہوا تھا جو ان کا مخصوص طغراے امتیاز ہے[۱]۔

انفاق فی سبیل اللہ — ہجرت کے بیان مین گذر چکا ہے کہ حضرت عبد الرحمن رضؓ کو بے نیازی اور استغنا نے تجارت کی طرف مائل کر دیا تھا، چنانچہ اس مین انھون نے اس قدر ترقی کی کہ ایک عظیم الشان دولت کے مالک ہو گئے، یہان تک کہ ایک دفعہ ان کا تجارتی قافلہ مدینہ واپس آیا تو اس مین سات سو اونٹون پر صرف گیہون آٹا اور دوسری اشیاے خوردنی بار تھین، اس عظیم الشان قافلہ کا تمام مدینہ مین غل پڑ گیا، حضرت عائشہ رضؓ نے سنا تو فرمایا "مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ عبد الرحمن جنت مین رینگتے ہوئے جائین گے" حضرت عبد الرحمن رضؓ کو اطلاع ہوئی تو ام المومنین رضؓ کے پاس حاضر ہو کر عرض کی "مین آپ کو گواہ کرتا ہون کہ یہ پورا قافلہ مع اسباب وسامان بلکہ اونٹ اور کجاوہ تک راہ خدا مین وقف ہے[۲]"

صحابہ رضؓ کی دولت ذاتی راحت وآسایش کے لئے نہ تھی بلکہ جو جس قدر زیادہ دولت مند تھا اسی قدر اس کا دست کرم زیادہ کشادہ تھا، حضرت عبد الرحمن رضؓ کی فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ہی سے شروع ہو چکا تھا، اور وقتاً فوقتاً قومی ومذہبی ضروریات کے لئے گران قدر رقمین پیش کین، سورۂ براءت نازل ہوئی اور صحابہ رضؓ کو صدقہ وخیرات کی ترغیب دی گئی تو حضرت عبد الرحمن رضؓ نے اپنا نصف مال یعنی چار ہزار درہم پیش کئے، پھر دو دفعہ چالیس چالیس ہزار دینار وقف کئے اسی طرح جہاد کے لئے پانچسو گھوڑے اور پانچسو اونٹ حاضر کئے[۳]۔

عام خیرات وصدقات کا یہ حال تھا کہ ایک ہی دن تیس تیس غلام آزاد کر دیتے تھے، ایک

---

[۱] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۷، [۲] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۱۶ [۳] ایضاً ص ۳۱۶،

دفعہ انھون نے اپنی ایک زمین چالیس ہزار دینار مین حضرت عثمانؓ کے ہاتھ فروخت کی اور سب راہِ خدا مین لٹادیا[1]، لیکن اس فیاضی کے باوجود ہر وقت یہ فکر دامنگیر رہتی تھی کہ کہین اس قدر تمول آخرت کے لئے موجب نقصان نہ ہو، ایک دفعہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی خدمت مین حاضر ہوکر گذارش کی "امان! مجھے خوف ہے کہ کثرتِ مال مجھے ہلاک کردے گی"، ارشاد ہوا بیٹا! راہِ خدا مین صرف کرو، مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "میرے اصحاب مین بعض ایسے ہین کہ مفارقت کے بعد انھین میرا دیدار نصیب ہوگا[2]"

غرض فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کا سلسلہ آخری لمحۂ حیات تک قائم رہا، وفات کے وقت بھی پچاس ہزار دینار اور ایک ہزار گھوڑے راہِ خدا مین وقف کئے، نیز بدریین جو صحابہؓ شریک ہوئے تھے اور اس وقت تک زندہ موجود تھے ان مین سے ہر ایک کے لئے چار چار سو دینار کی وصیت کی، بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت ایک سو اصحاب بدر بقید حیات تھے اور سب نے نہایت خوشی کے ساتھ اس وصیت سے فائدہ اٹھایا یہان تک کہ حضرت عثمانؓ نے بھی حصہ لیا[3]،

امہات المومنینؓ کے لئے بھی ایک باغ کی وصیت کی جو چار لاکھ درہم مین فروخت ہوا، نیز اس سے پہلے مختلف موقعون پر بڑی بڑی رقمین پیش کین، ایک دفعہ ایک جائداد پیش کی جو چالیس ہزار دینار مین فروخت ہوئی تھی، چنانچہ حضرت عائشہؓ ان کے صاحبزادہ ابو سلمہ سے اکثر بطریق تشکر و دعا فرمایا کرتی تھین خدا تمھارے باپ کو سلسبیلِ جنت سے سیراب کرے[4]،

مذہبی زندگی | حضرت عبد الرحمنؓ نماز نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتے تھے، خصوصاً ظہر کے وقت فرض سے پہلے دیر تک نوافل سے شغل رکھتے تھے[5]،

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث تذکرۂ عبد الرحمنؓ [2] استیعاب جلد ۲ ص ۴۰۴ [3] اسد الغابہ جلد ۳ ص [4] ترمذی ص ۶۲۱ [5] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۷،

اکثر روزے رکھتے تھے، حج کے لئے بھی بارہا تشریف لے گئے، جس سال حضرت عمرؓ مسند نشین خلافت ہوئے، اسی سال امارت حج کی خدمت بھی ان ہی کے سپرد ہوئی تھی،[1]

ذریعۂ معاش تجارت اصلی ذریعۂ معاش تھا، آخر میں زراعت کا کاروبار بھی نہایت وسیع پیمانہ پر قائم ہوگیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں ایک وسیع جاگیر مرحمت فرمائی تھی، پھر انہوں نے خود بہت سی قابل زراعت آراضی خرید کر کاشت کاری شروع کی تھی، چنانچہ صرف مقام "جرف" کے کھیتوں میں بیس اونٹ آب پاشی کا کام کرتے تھے،[2]

حضرت عبد الرحمنؓ کے کاروبار میں خدائے پاک نے غیر معمولی برکت دی تھی، وہ خود فرماتے ہیں کہ اگر میں پتھر بھی اٹھاتا تو اس کے نیچے سونا نکل آتا، یہی وجہ ہے کہ اس قدر فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کے باوجود وہ اپنے وارثوں کے لئے نہایت وافر دولت چھوڑ گئے، یہاں تک کہ چاروں بیویوں نے جائداد متروکہ کے صرف آٹھویں حصہ سے اسی اسی ہزار دینار پائے، سونے کی اینٹیں اتنی بڑی بڑی تھیں کہ کلھاڑی سے کاٹ کاٹ کر تقسیم کی گئیں اور کاٹنے والوں کے ہاتھوں میں آبلے پڑ پڑ گئے، جائداد غیر منقولہ اور نقدی کے علاوہ ایک ہزار اونٹ اور سو گھوڑے اور تین ہزار بکریاں چھوڑیں،[3]

غذا اور لباس دسترخوان وسیع تھا لیکن پر تکلف نہ تھا، کبھی قیمتی اور خوش ذائقہ کھانا سامنے آجاتا تو گذشتہ فقر وفاقہ یاد کرکے آنکھیں پرنم ہوجاتیں، لباس میں زیادہ تر ریشم کا استعمال تھا، کیونکہ بیماری کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر اجازت دی تھی، ایک دفعہ حضرت عبد الرحمنؓ کے صاحبزادے ابو سلمہ ریشمی کرتہ زیب تن کئے ہوئے تھے، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو گریبان میں ہاتھ ڈال کر اس کے چیتھڑے اڑا دیئے، حضرت عبد الرحمنؓ نے کہا کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے

---

[1] اصابہ جلد ۱ ص ۱۷۷، [2] استیعاب جلد ۲ ص ۴۰۲

[3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۱۷، [4] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۷،

اجازت دی ہے" فرمایا ہاں! معلوم ہے لیکن صرف تمہارے لئے اجازت ہے دوسروں کے لئے نہیں"[1]

حلیہ حلیہ یہ تھا، قد طویل، رنگ سرخ و سپید، چہرہ خوبصورت، ریش دراز، سر پر کان سے نیچے تک گھونگھر دار کاکلیں، کلائی گٹھی ہوئی، انگلیاں موٹی اور مضبوط، سامنے کے دو دانت گر گئے تھے، غزوۂ احد میں زخمی ہونے کے باعث پاؤں میں لنگ تھا،[2]

اولاد و ازواج حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے ساتھ عموماً لطف و محبت سے پیش آتے تھے، ایک انصاریہ سے شادی کی تو بیس ہزار دینار مہر میں دیئے،[3] بیویوں کے نام یہ ہیں،

کلثوم[1] بنت عتبہ بن ربیعہ، تماضر[2] بنت الاصبغ، کلثوم[3] بنت عقبہ بن ابی معیط، سہلہ[4] بنت عاصم، بحریہ[5] بنت ہانی، سہلہ[6] بنت سہیل، ام حکیم[7] بنت قارظ، بنت[8] ابی الخشخاش، اسماء[9] بنت سلامہ، ام حریث[10] یہ بہراء سے قید ہو کر آئی تھیں، مجد[11] بنت یزید، غزال[12] بنت کسریٰ، یہ مدائن سے گرفتار ہو کر آئی تھیں بعض مورخین کا خیال ہے کہ خاندان کسریٰ کی شہزادی تھیں، زینب[13] بنت الصباح، بادیہ[14] بنت غیلان،[4]

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی اولاد نہایت کثیر تھی، جن لڑکوں کے نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں، سالم[1] اسلام سے پہلے پیدا ہوئے اور پہلے ہی مرے، محمد[2]، ابوسلمہ[3] فقیہ، ابراہیم[4]، اسمٰعیل[5]، حمید[6]، زید[7]، معن[8]، عمر[9]، عدی[10]، عروہ[11] اکبر، سالم[12] اصغر، ابوبکر[13]، عبداللہ[14]، عبدالرحمن[15]، مصعب[16]، سہیل[17] (ابوالابیض) عثمان[18]، عروہ[19]، یحییٰ[20]، بلال[21]،

صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں۔ "ام القاسم[1]، یہ زمانۂ جاہلیت ہی میں پیدا ہوئی تھیں، حمیدہ[2]، امۃ الرحمن صغریٰ[3]، ام یحییٰ[4]، جویریہ[5]، امیمہ[6]، مریم[7]،

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث تذکرۂ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ [2] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۷ [3] طبقات قسم اول جزو ثالث تذکرہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ [4] استیعاب جلد ۲ ص ۴۰۲،

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

نام، نسب، خاندان | سعد نام، ابو اسحٰق کنیت، والد کا نام مالک اور ابو وقاص کنیت، والدہ کا نام حمنہ تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے، سعد بن مالک بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن نضر بن کنانہ القرشی الزہری، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ننہال زہری خاندان میں تھی، اس لئے حضرت سعد وقاصؓ رشتہ میں آپ کے ماموں تھے، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بارہا اس رشتہ کا اقرار فرمایا تھا،[1]

اسلام | حضرت سعد وقاصؓ کا سنِ مبارک صرف انیس سال کا تھا کہ دعوتِ اسلام کی صداے سامعہ نواز نے توحید کا شیدائی بنا دیا، اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر خلعتِ ایمان سے مشرف ہوئے،

بخاری میں حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ ان سے پہلے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوا تھا، اور ایک دوسری روایت میں وہ اپنے کو تیسرا مسلمان بتاتے ہیں، لیکن محدثینِ عظام کی تحقیق کے مطابق چھ سات بزرگوں کو ان پر تقدم کا فخر حاصل ہو چکا تھا، البتہ یہ ممکن ہے کہ حضرت سعد وقاصؓ کو ان کی اطلاع نہ ہو کیونکہ کفار کے خوف سے انھوں نے اپنے ایمان لانے کا اعلان نہیں کیا تھا،[2]

استقامت | حضرت سعد وقاصؓ کی ماں نے لڑکے کی تبدیلِ مذہب کا حال سنا تو نہایت کبیدہ خاطر ہوئیں، بات چیت، کھانا، پینا سب چھوڑ بیٹھیں، چونکہ وہ اپنی ماں کے حد درجہ فرمان بردار اور اطاعت شعار تھے اس لئے یہ سخت آزمائش کا موقع تھا، لیکن جو دل توحید کا لذت آشنا ہو چکا تھا وہ پھر کفر و شرک

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۹۱ [2] بخاری مع فتح الباری مناقبِ سعد وقاصؓ

کی طرف کس طرح رجوع ہوسکتا تھا، ماں مسلسل تین دن تک بے آب ودانہ رہیں، لیکن بیٹے کی جبینِ استقلال پرشکن تک نہ پڑی، خدائے پاک کو یہ شانِ استقامت کچھ ایسی پسند آئی کہ تمام مسلمانوں کے لئے معصیتِ الٰہی میں والدین کے عدم اطاعت کا ایک قانون عام بنادیا گیا،[1] وَاِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا[2] الآیہ

مکہ کی زندگی اسلام قبول کرنے کے بعد ہجرتِ نبوی تک مکہ ہی میں مقیم رہے گو یہ سرزمین عام مسلمانوں کی طرح ان کے لئے مصائب وشدائد سے خالی نہ تھی، تاہم استقلال کے ساتھ ہر قسم کی سختیاں جھیلتے رہے،

حضرت سعد وقاص رض کفار کے خوف سے عموماً مکہ کی ویران وسنسان گھاٹیوں میں چھپ کر معبود حقیقی کی پرستش وعبادت فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ ایک گھاٹی میں چند صحابہؓ کے ساتھ مصروفِ عبادت تھے، اتفاق سے کفار کی ایک جماعت اس طرف آنکلی اور اسلام کا مذاق اڑانے لگی، حضرت سعد وقاص رض کو اس بےبسی کی زندگی میں بھی جوش آگیا، اور اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے مارا کہ ایک مشرک کا سر پھٹ گیا، اور خون بہنے لگا، بیان کیا جاتا ہے کہ اسلام کی حمایت میں یہ پہلی خونریزی تھی جو حضرت سعد وقاص رض کے ہاتھ سے عمل میں آئی،[3]

ہجرت مکہ میں جب کفار کے ظلم وستم سے مسلمانوں کا پیمانۂ صبر وتحمل لبریز ہوگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رض کو ہجرتِ مدینہ کا حکم ..... دیا، اس حکم عام کی بنا پر حضرت سعد وقاص رض نے مدینہ کی راہ لی، اور اپنے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کے مکان میں فروکش ہوئے،[4] جنھوں نے ایام جاہلیت میں ایک خون کیا تھا اور انتقام کے خوف سے مدینہ میں سکونت اختیار کرلی تھی،

یہاں پہونچکر مسلمانوں کو آزادی واطمینان نصیب ہوئی، تاہم قریش مکہ کی حملہ آوری کا خطرہ

[1] مسلم مناقب سعد وقاص [2] ترجمہ:- اگر والدین تجھکو میرے ساتھ شرک پر مجبور کریں جسکا کوئی علم ویقین تیرے پاس نہیں ہے تو اس میں ان کی اطاعت نہ کر [3] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۹۱ [4] ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۹۹

موجود تھا، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پیش بینی کر کے حضرت عبدہ بن الحارث رضؓ کو ساٹھ یا اسّی سواروں کے ساتھ غنیم کی نقل و حرکت دریافت کرنے کے لئے روانہ فرمایا، حضرت سعد وقاص رضؓ بھی اس جماعت مین شامل تھے، غرض دورہ کرتے ہوئے حجاز کے ساحلی علاقہ مین قریش کی ایک بڑی تعداد سے مٹ بھیڑ ہوئی، چونکہ محض تجسس مقصود تھا، اس لئے کوئی جنگ پیش نہ آئی، مگر حضرت سعد وقاص رضؓ کو کہان تاب تھی، انھون نے ایک تیر چلا ہی دیا، چنانچہ یہ اسلام کا پہلا تیر تھا جو راہِ خدا مین چلایا گیا،[1]

دوسری دفعہ خود حضرت سعد وقاص رضؓ کے زیر قیادت آٹھ مہاجرین کی ایک جماعت تجسس کے لئے روانہ کی گئی، چنانچہ یہ مقام خرار تک دورہ کر کے واپس آئے اور کوئی جنگ پیش نہ آئی، اس کے بعد عبداللہ بن جحش رضؓ کے ساتھ دشمن کی خبرگیری پر مامور ہوئے، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عبداللہ بن جحش رضؓ کو ایک سربمہر فرمان دیا تھا کہ دو روز سفر کرنے کے بعد کھول کر پڑھین اور اس کی ہدایتون پر عمل کرین، انھون نے حسب ہدایت دو روز کے بعد پڑھا تو اس مین لکھا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان جو نخلستان ہے وہان پہنچکر قریش کی نقل و حرکت کا پتہ چلائین، حضرت عبداللہ رضؓ نے اپنے ساتھیون کو فرمان کا مضمون سنا کر کہا، مین کسی کو مجبور نہین کرتا جس کو شہادت منظور ہو وہ ساتھ چلے ورنہ واپس جائے، حضرت سعد وقاص رضؓ اور تمام دوسرے ساتھیون نے جوش کے ساتھ سمعاً و طاعۃً کہا، لیکن کچھ دور جانے کے بعد عتبہ بن غزوان رضؓ اور حضرت سعد وقاص رضؓ کا اونٹ جو مشترکہ طور پر دونون کی سواری مین تھا گم ہوگیا، اور اس طرح وہ دونون پیچھے چھوٹ گئے، عبداللہ بن جحش رضؓ نے نخلستان مین پہنچکر قریش کے ایک قافلہ سے جنگ کی اور مالِ غنیمت اور چند قیدیون کے ساتھ مدینہ واپس آئے، چونکہ یہ وہ مہینہ تھا جس مین رسماً جنگ ممنوع سمجھی جاتی تھی، اس لئے سردارِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور فرمایا کہ مین نے تمھین جنگ کا حکم نہین دیا تھا، مسلمانون نے بھی عبداللہ

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۲۳،

ان کے ساتھیوں کو ملامت کی لیکن وحیِ الٰہی نے اس مسئلہ کو اس طرح صاف کر دیا،

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ

(بقرہ ۲۷)

لوگ تم سے ماہِ حرام کی نسبت پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑنا جائز ہے، کہدو اس مین لڑنا بڑا گناہ اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس کا نہ ماننا اور مسجد حرام سے باز رکھنا اور اس کے اہل کو اس سے نکال دینا خدا کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ہے اور فتنہ کشت وخون سے زیادہ برا ہے،

قریش فدیہ لیکر اپنے قیدیون کو چھڑانے آئے لیکن اس وقت تک عتبہ بن غزوان رض اور سعد وقاص رض کا کچھ پتہ نہ تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک یہ دونون صحیح وسلامت پہونچ نہ جائین تمھارے قیدی رہا نہ ہون گے، غرض جب یہ دونون جان نثار واپس آگئے تو مشرکین چھوڑ دیئے گئے،

غزوات

غزوۂ بدر معرکۂ بدر سے مستقل جنگون کی ابتدا ہوئی، حضرت سعد وقاص رض نے اس جنگ مین غیر معمولی جوش وجان بازی کے جوہر دکھائے اور سعید بن العاص سرخیلِ کفار کو تہ تیغ کیا، حضرت سعد رض کو اس کی ذو الکتیفہ نامی تلوار پسند آگئی تھی، لئے ہوئے بارگاہِ نبوت مین حاضر ہوئے چونکہ اس وقت تک تقسیمِ غنیمت کے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا اس لئے ارشاد ہوا کہ جہان سے اٹھائی ہے وہین رکھدو،

حضرت سعد رض کے برادرِ عزیز حضرت عمیر رض اس جنگ مین شہید ہوئے تھے کچھ تو ان کی مفارقت کا صدمہ اور کچھ تلوار نہ ملنے کا افسوس، غرض غمگین وملول واپس آئے، لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد سورۂ

انفال نازل ہوئی اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر تلوار لینے کی اجازت دیدی[۱]،

غزوۂ احد | ۳ھ میں غزوۂ احد پیش آیا، اس جنگ میں تیر اندازوں کی غفلت سے اتفاقاً مسلمانوں کی فتح شکست سے مبدل ہوگئی اور ناگہانی حملہ کے باعث اکثر غازیوں کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن حضرت سعد وقاص رضی ان ثابت قدم اصحاب کی صف میں تھے، جن کے پائے استقلال کو اخیر وقت تک لغزش نہ ہوئی، حضرت سعد رضی تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے، اس لیے جب کفار کا نرغہ ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے ترکش سے تیر دیتے جاتے اور فرماتے یاسعد ارم فداک ابی وامی، یعنی" اے سعد! تیر چلا میرے باپ ماں تجھ پر فدا ہوں[۲]"،

حضرت علی رضی کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سعد رضی کے سوا اور کسی کے لئے "فداک ابی وامی" کا جملہ نہیں سنا لیکن دوسری روایتوں میں حضرت طلحہ رضی اور حضرت زبیر رضی کی نسبت بھی ایسے ہی جملے منقول ہیں، بہر حال محدثین کا فیصلہ ہے کہ غزوۂ احد میں یہ فخر صرف حضرت سعد وقاص رضی کے لئے مخصوص تھا[۳]،

اثنائے جنگ میں ایک مشرک سامنے آیا جس نے اپنے تیز و تند حملوں سے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نشانہ بنانے کا حکم دیا، لیکن اس وقت ترکش تیروں سے خالی ہو چکا تھا، حضرت سعد رضی نے تعمیلِ ارشاد کے لئے ایک تیر اٹھا کر جس میں پھل نہیں تھا اس صفائی کے ساتھ اس کی پیشانی پر مارا کہ وہ بدحواسی کے ساتھ برہنہ ہو کر گر گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قادر اندازی اور اس کی بدحواسی پر بے اختیار ہنس پڑے یہاں تک کہ دندانِ مبارک نظر آنے لگے[۴]،

اسی طرح طلحہ بن ابی طلحہ کے حلق میں تاک کر ایسا تیر مارا کہ زبان کتے کی طرح باہر نکل پڑی

---

[۱] مسند جلد ا ص ۱۸۰ و مسلم مناقب سعد وقاص رضی [۲] بخاری کتاب المغازی غزوۂ احد [۳] فتح الباری کتاب المناقب سعد وقاص رضی [۴] مسلم کتاب المناقب مناقب سعد رضی،

اور تڑپ کر داخلِ سقر ہوا[1]

متفرق غزوات

غزوۂ احد سے فتحِ مکہ تک جس قدر معرکے پیش آئے، حضرت سعدؓ بہادری وجانبازی کے ساتھ سب میں پیش پیش رہے، پھر فتحِ مکہ کے بعد غزوۂ حنین میں اسی فدویت، جان نثاری اور ثبات وپامردی کا کارنامہ پیش کیا جس کا اظہار غزوۂ احد میں کر چکے تھے،

غزوۂ طائف اور تبوک کی فوجکشی میں بھی شریک تھے، پھر سنہ ۱۰ھ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کا قصد فرمایا تو حضرت سعد وقاصؓ ہمرکاب تھے، لیکن مکہ پہنچکر سخت علیل ہوگئے، یہان تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لئے تشریف لائے تو زندگی سے مایوس ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! مین مالدار آدمی ہون لیکن ایک لڑکی کے سوا کوئی وارث نہین ہے، اس لئے اگر اجازت ہو تو اپنا دو ثلث مال کارِ خیر مین لگادون؟ ارشاد ہوا "نہین!" پھر عرض کی "دو ثلث نہین تو نصف سہی"، حکم ہوا "نہین صرف ایک ثلث اور یہ بھی بہت ہے" تم اپنے وارثون کو مالدار وتونگر چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگون کے سامنے دستِ سوال نہ پھیلاتے پھرین، تم جو کچھ بھی خدا کی رضا جوئی کے لئے صرف کروگے اس کا اجر ملے گا، یہان تک کہ اپنی بیوی کے منہ مین جو لقمہ ڈالتے ہو اس کا بھی ثواب پاؤگے،[2]

ایک مبارک پیشنگوئی

حضرت سعدؓ کو مدینہ سے اس قدر محبت ہوگئی تھی کہ مکہ مین مرنا بھی پسند نہ تھا، بیماری جس قدر طول کھینچتی جاتی تھی اسی قدر ان کی بیقراری بڑھتی جاتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھ کر پوچھا "روتے کیون ہو؟" عرض کی "معلوم ہوتا ہے کہ اسی سرزمین کی خاک نصیب ہوگی، جس کو خدا اور رسول کی محبت مین ہمیشہ کے لئے ترک کر چکا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تشفی دیتے ہوئے ان کے قلب پر ہاتھ رکھ کر تین دفعہ دعا فرمائی اللھم اشف سعدا! اللھم اشف سعدا[3] یعنی اے خدا سعد کو صحت عطا کر، اسعد کو صحت عطا کر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہنِ مبارک سے

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۲۰، [2] مسلم کتاب الوصیہ [3] ایضاً،

جو الفاظ نکلے تھے وہ اس مریضِ بسترِ مرگ کے لئے آبِ حیات ثابت ہوئے، یعنی دعا مقبول ہوئی اور وہ صحیح و تندرست ہوئے، ساتھ ہی یہ بشارت سنائی کہ اے سعد! تم اس وقت تک نہ مروگے جب تک تم سے ایک قوم کو نقصان اور دوسری قوم کو نفع نہ پہنچ لے[۱]، یہ پیشینگوئی عجمی فتوحات کے ذریعہ پوری ہوئی، جن میں عجم قوم نے آپ کے ہاتھوں سے نقصان اور عرب قوم نے فائدہ اٹھایا،

مکہ سے واپس آنے کے بعد اسی سال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سقیفۂ بنی ساعدہ میں کثرت آراء سے مسند نشینِ خلافت ہوئے، حضرت سعد وقاصؓ نے بھی جمہور کا ساتھ دیا اور خلیفۂ اوّل کے ہاتھ پر بلا توقف بیعت کر لی،

خلیفۂ اوّل نے صرف سوا دو برس کی خلافت کے بعد داعیِ حق کو لبیک کہا اور فاروقِ اعظمؓ کو جانشین کر کے رحلت گزینِ عالمِ جاودان ہوئے، اس وقت اندرونی مہمات کا فیصلہ ہو کر شام و عراق پر فوج کشی کی ابتدا ہو چکی تھی، حضرت عمرؓ نے مسند نشین ہونے کے ساتھ ہی تمام عرب میں جوش و خروش کی آگ بھڑکا دی، اور ان حملوں کا انتظام زیادہ وسیع پیمانہ پر قائم کر دیا، خصوصاً عراق کی فوج کشی پر سب سے پہلے توجہ صرف کی، چونکہ حضرت سعد وقاصؓ کے آئندہ کارناموں کا تعلق تمام تر اسی سرزمین سے وابستہ ہے، اس لئے اس ملک کی لشکر کشی کے ابتدائی حالات تسلسل قائم رہنے کے خیال سے درج ذیل ہیں،

عراق کی فوج کشی اہل عرب اور ایرانیوں میں نہایت قدیم زمانہ سے عداوت چلی آتی تھی، ایرانیوں نے بارہا عربوں کے تفرق، اختلاف اور کمزوری سے فائدہ اٹھا کر تمام عرب کو تباہ و برباد کر دیا تھا، خصوصاً عراقِ عرب اور سرحدی علاقوں پر مستقل قبضہ جما لیا تھا، لیکن عرب بھی دب کر رہنے والے نہ تھے، جب موقع پاتے بغاوت کر دیتے تھے، چنانچہ پوران دخت کے زمانہ میں جب طوائف الملوکی کے

[۱] مسلم کتاب الوصیۃ،

باعث ایرانی حکومت کا نظام ابتر ہوگیا تو سرحدی قبائل کو پھر شورش کا موقع ملا اور مثنیٰ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی تھوڑی جمعیت فراہم کرکے عراق کی سرحد حیرہ اور اُبلہ کی طرف غارت گری شروع کردی، یہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا، مثنیٰ نے بارگاہِ خلافت مین حاضر ہوکر باقاعدہ عراق پر حملہ آوری کی اجازت طلب کی، چونکہ عام عرب مین اسلام کی روشنی پھیل چکی تھی، اس لئے اس کے ایک وسیع خطہ کا کسی دوسری حکومت کے زیر اقتدار رہنا مذہبی اور قومی نقطۂ نگاہ سے نہایت خطرناک تھا، اس بنا پر خلیفۂ اوّل نے مثنیٰ کو اجازت دیدی، اور حضرت خالدؓ سیف اللہ کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ مدد کے لئے روانہ کیا، انھون نے حملہ کرکے بہت سے سرحدی مقامات فتح کر لئے، لیکن چونکہ دوسری طرف شام کی مہم بھی درپیش تھی اور وہان کمک کی بہت زیادہ ضرورت تھی، اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالدؓ کو حکم دیا کہ مثنیٰ کو اپنا جانشین کرکے شامی رزمگاہ کی طرف روانہ ہوجائین، لیکن خالدؓ سیف اللہ کا جانا تھا کہ عراق کی مہم دفعۃً سرد پڑ گئی۔

حضرت عمرؓ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا تو پھر نئے سرے سے عراق کی مہم پر توجہ مبذول فرمائی اور حضرت ابوعبیدہؓ کو ایک فوج گران کے ساتھ اس طرف روانہ فرمایا، انھون نے ایرانیون کو متفرق معرکون مین شکست دے کر تمام متصلہ علاقون پر قبضہ کرلیا اور مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام پر جس کا نام مروحہ تھا، غنیم کی ایک زبردست فوج کے سامنے صف آرائی کی، چونکہ بیچ مین دریا حائل تھا، اس لئے ایرانی سپہ سالار بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تو تم اس پار اتر کر آؤ یا ہم آئین، ابوعبیدہؓ نے سرداران فوج کے اختلاف کے باوجود شجاعت کے نشے مین خود دریا پار اتر کر مقابلہ کیا، لیکن اس غلطی کا جو نتیجہ ہونا چاہئے وہ ہوا یعنی مسلمانون کو نہایت افسوسناک شکست ہوئی،

حضرت عمرؓ نے کمک بھیجکر فوج کو از سر نو مستحکم کردیا اور چونکہ ابوعبیدہؓ کام آچکے تھے، اس لئے مثنیٰ شیبانی کو سپہ سالاری کی خدمت سپرد کی، انھون نے معرکۂ بویب اور دوسری جنگون مین دشمن کو پے در پے

شکستین دیکر عراق کے ایک وسیع خطہ پر قبضہ کرلیا،

ایرانیون کو اب تک مسلمانون کی جارحانہ قوتون کا اندازہ نہ تھا، ان فتوحات نے ان کی آنکھین کھول دین، ارکینِ سلطنت نے حکومت کیانی کو محفوظ رکھنے کے لئے نئی تدبیرین اختیار کین، پوران دخت کو جو ایک عورت تھی تخت سے اتار کر خاندانِ کسریٰ کے اصلی وارث یزدگرد کو تخت نشین کیا اور تمام ملک مین اتحاد، اتفاق اور جوش وخروش کی آگ بھڑکا دی، یہان تک کہ مسلمانون کے مفتوحہ مقامات مین بھی بغاوت وسرکشی کی آگ بھڑک اٹھی اور مثنیٰ کو مجبوراً عرب کی سرحد مین ہٹ آنا پڑا،

حضرت عمرؓ نے ان واقعات سے مطلع ہوکر تمام عرب مین پر جوش وجادو بیان خطیب پھیلا دیئے، کہ وہ اپنی پُر تاثیر تقریرون سے قبائلِ عرب کو جنگ مین شریک ہونے کے لئے آمادہ کرین، اس کا اثر یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ مین دار الخلافت کی طرف جنگ آزما بہادرون کا ایک طوفان اُمنڈ آیا، حضرت سعد وقاصؓ عہد صدیقی سے ہوازن کے عامل تھے، انھون نے اپنے اثر سے ایک ہزار آدمی بھیجے جن مین سے ہر ایک تیغ وتفنگ کا ماہر تھا، غرض فوج توقع سے زیادہ فراہم ہوگئی لیکن سب سے زیادہ دقت یہ تھی کہ اس عظیم الشان لشکر کی سربراہی کے لئے کوئی شخص موزون نظر نہ آتا تھا، حضرت علیؓ سے درخواست کی گئی تو انھون نے بھی اس بارِ گران کے اٹھانے سے انکار کردیا، عوام کے اصرار سے خود حضرت عمرؓ تیار ہوگئے، لیکن اہل الرائے صحابہؓ مانع ہوئے کہ آپ کا جانا کسی طرح مناسب نہین ہے، لوگ اسی حیص بیص مین تھے کہ دفعۃً حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے اٹھ کر کہا کہ مین نے پالیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کون؟ بولے کہ سعد بن ابی وقاصؓ، تمام حاضرین اس انتخاب پر پھڑک اُٹھے، اور سب نے متفقہ طور پر تائید کی،[1]

سپہ سالاری حضرت سعدؓ نہایت بلند پایہ صحابی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے، اس کے

---

[1] طبری ص ۲۲۱۵،

ساتھ بہادری و شجاعت مین بھی بے نظیر تھے، تمام فوج نے ان کی سپہ سالاری کو نہایت پسندیدگی وفخر کی نگاہ سے دیکھا، حضرت عمرؓ کو گو سپہ سالاری کے لحاظ سے ان کی قابلیتون کا تجربہ نہ تھا، تاہم انھون نے تائید عام سے مجبور ہو کر منظور کر لیا اور ہر قسم کی ہدایتین اور نشیب و فراز سمجھا کر رزمگاہ کی طرف کوچ کرنیکی اجازت دیدی،

غرض اس طرح حضرت سعدؓ کی تاریخ زندگی کا وہ صفحہ شروع ہوا جو سب سے زیادہ درخشان وتابان ہے اور جس نے دنیا کے بڑے بڑے اولو العزم، حوصلہ مند اور خوش تدبیر نام آورون کی صف مین ان کو ممتاز کر دیا ہے، وہ اپنے لشکر کو آراستہ کر کے منزل بمنزل طے کرتے ہوئے ثعلبیہ پہونچے، یہان تین مہینے تک قیام رہا، پھر وہان سے چل کر شراف مین خیمہ زن ہوئے، مثنیٰ مقام ذی قار مین آٹھ ہزار نبرد آزما سپاہیون کے ساتھ ان کی آمد کا انتظار کر رہے تھے، لیکن داعی اجل نے ملاقات کا موقع نہ دیا اور وہ اپنے بھائی کو سپہ سالار اعظم سے ملنے کی ہدایت کر کے رہ گزین عالم جاودان ہوئے، معنیٰ نے حسب ہدایت شراف مین آکر ملاقات کی اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیئے تھے، حضرت سعد وقاصؓ سے بیان کئے،

حضرت سعدؓ نے شراف مین اپنی فوج کا باقاعدہ جائزہ لیا، جو کم وبیش تیس ہزار ٹھہری، پھر میمنہ ومیسرہ وغیرہ کی تقسیم کر کے ہر ایک پر جدا جدا افسر مقرر کئے اور مقام کا نقشہ، فرودگاہ کا ڈھنگ، لشکر کا پھیلاؤ اور رسد کی کیفیت وغیرہ سے دربار خلافت کو مطلع کیا، وہان سے حکم آیا کہ شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ پر اس طرح مورچے جمائین کہ پست پر عرب کے پہاڑ ہون اور سامنے دشمن کا ملک ہو، چنانچہ وہ یہان سے روانہ ہو کر عذیب مین عجمیون کے میگزین پر قبضہ کرتے ہوئے قادسیہ پہنچے اور مناسب موقعون پر مورچے جما دیئے،

حضرت سعدؓ نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے سرداران قبائل مین سے چودہ نامور اشخاص منتخب کئے

سفیر بنا کر مدائن روانہ کیا تاکہ شاہِ ایران کو اسلام یا جزیہ قبول کرنے کی دعوت دین، چنانچہ انہون نے پہلے اسلام پیش کیا، اور طرفین مین بڑی ردّ و قدح ہوتی رہی، آخر مین مسلمانون نے کہا، اگر تم اسلام نہین قبول کرتے تو ہم اپنے نبی کی پیشین گوئی یاد دلاتے ہین کہ ایک دن تمھاری زمین ہمارے تصرف مین آئے گی، مسلمانون کی صاف بیانی پر غضبناک ہو کر، مسلمانون کی اس دلیری پر جھلا کر خاک دھول منگا کر کہا لو یہ تم کو ملے گی، عمرو بن معدی کرب نے اس کو اپنی چادر مین لے لیا، اور سعدؓ کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے رکھ کر کہا کہ "فتح مبارک ہو دشمن نے خود اپنی زمین ہم کو دے دی" غرض سفراء واپس آگئے، اور جنگ کی تیاریان شروع ہو گئین، عجمی سپہ سالار رستم نے بھی جو ساباط مین مقیم تھا، اپنی فوج کو آگے بڑھا کر قادسیہ مین ڈیرے ڈالے،

رستم کی فوجین قادسیہ پہنچین تو حضرت سعدؓ نے ہر طرف جاسوس پھیلا دیئے کہ دشمن کی نقل و حرکت سے ہر وقت مطلع کرتے رہین، نیز غنیم کی فوج کا رنگ ڈھنگ، لشکر کی ترتیب اور پڑاؤ کی حالت دریافت کرنے کے لیئے فوجی افسر متعین کر دیئے، اس مین کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہو جاتا تھا، چنانچہ ایک دفعہ رات کے وقت غنیم کے کیمپ مین گشت کر رہے تھے، ایک جگہ ایک بیش بہا گھوڑا بندھا دیکھا، تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے اٹکائی، لوگون نے ان کا تعاقب کیا تو ایک سپاہی کو قید کر کے لڑتے بھڑتے صاف نکل آئے، قیدی نے حضرت سعدؓ کے سامنے آکر اسلام قبول کیا، اور عجمی فوج کے بہت سے اسرار بیان کیئے،

عرصہ تک صرف اسی قسم کی جھڑپ ہوتی رہی، اور کوئی باقاعدہ جنگ پیش نہ آئی، رستم قصداً جنگ سے جی چراتا تھا، اس نے ایک دفعہ پھر صلح کی کوشش کی اور حضرت سعدؓ نے اس کی خواہش پر متعدد سفارتین روانہ کین، آخری سفارت مین مغیرہ بھیجے گئے، لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی، رستم کو ناکامی ہوئی تو اس نے غضبناک ہو کر کہا کہ کل تمھاری فوجین نہ دبا لا کر ڈالون گا، مغیرہ نے

واپس آکر رستم کا مقولہ بیان کیا تو حضرت سعدؓ نے بھی جوش و خروش کے ساتھ مسلمانون کو تیاری کا حکم دے دیا،

جنگ قادسیہ

رستم اس قدر غضبناک ہوگیا تھا کہ اس نے اسی وقت فوج کو کمربندی کا حکم دیدیا اور دوسرے روز صبح کے وقت درمیان کی نہر کو عبور کرکے میدانِ جنگ مین صف آرا ہوا، دوسری طرف حضرت سعدؓ کا لشکر بھی تیار تھا، مشہور شعرا اور پرجوش خطیب رزمیہ اشعار اور جادو اثر تقریرون سے تمام بہادر سپاہیون کے شجاعانہ ولولے بھڑکا رہے تھے، اس کے ساتھ قاریون کی خوش الحانی اور جہاد کی آیتون نے جنت کے عاشقون کو بیتاب کر رکھا تھا،

حضرت سعدؓ نے قاعدہ کے موافق اللہ اکبر کے تین نعرے بلند کئے، اور چوتھے پر جنگ شروع ہوگئی، گو وہ خود عرق النساء کے عارضہ مین مبتلا ہونے کے باعث عام فوج کا ساتھ نہ دے سکے اور خالد ابن عرطفہ کو قائم مقام کرکے میدانِ جنگ کے قریب جو قصر تھا اس کے بالاخانہ پر رونق افروز ہوئے تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب سمجھتے تھے، پرچون پر لکھ کر اور گولیان بناکر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالد انہی ہدایتون کے مطابق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے، ایک دفعہ ایرانی ہاتھیون کے ریلے سے قریب تھا کہ بجیلہ سوارون کے پاؤن اکھڑ جائین حضرت سعدؓ نے یہ رنگ دیکھ کر فوراً قبیلہ اسد کو حکم بھیجا کہ بجیلہ کو مدد پہنچائین، پھر جب اس کالی آندھی نے اس طرف رخ کیا تو قبیلہ تمیم کو جو نیزہ بازی اور تیر اندازی مین کمال رکھتے تھے کہلا بھیجا کہ تمھارا کمال ہاتھیون کے مقابلہ مین کیا ہوا؟ یہ سنکر انھون نے اس جوش سے تیر برسائے کہ دفعۃً جنگ کا نقشہ بدل گیا، غرض تمام دن اسی زور کا رن ہوا، شام ہوئی تو دونون فریق اپنے اپنے پڑاؤ مین واپس آئے، قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا جس کو عربی مین یوم الارماث کہتے ہین،

دوسرے روز پھر جنگ شروع ہوئی، عین ہنگامۂ کارزار مین شام کی امدادی فوجین بھی پہونچ

گئین، اس تائید غیبی سے مسلمانون کا جوش دوبالا ہوگیا اور اس زور شور سے تیغ و سنان اور تیر و تفنگ کا بازار گرم ہوا کہ دور سے دیکھنے والون کی رگ شجاعت مین ہیجان پیدا ہو رہا تھا، ابو محجن ثقفی جن کو حضرت سعدؓ نے شراب خواری کے جرم مین اپنے قصر مین مقید کر دیا تھا، اس ولولہ انگیز منظر کو دیکھ کر بیتاب ہو رہے تھے، ضبط نہ کر سکے تو سلمیٰ رضی سعد کی بیوی سے درخواست کی کہ اس وقت مجھ کو چھوڑ دو، لڑائی سے جیتا بچا تو پھر خود آ کر بیڑیان پہن لون گا، سلمیٰ نے انکار کیا تو حسرت کے ساتھ یہ اشعار پڑھنے لگے،

کفی حزنا ان تردی الخیل بالقنا	و اترک مشدودًا علی وثاقیا
اس سے بڑھ کر کیا غم ہوگا کہ سوار نیزہ بازیان کر رہے ہین	اور مین زنجیر مین بندھا پڑا ہون
اذا قمت عنانی الحدید و اغلقت	مصاریع دونی تصم المنادیا
جب مین کھڑا ہونا چاہتا ہون تو زنجیر باگ کھینچ لیتی ہے	اور دروازے اسطرح سامنے بند کر دیئے جاتے ہین کہ پکارنے والا پکارتے

ان اشعار سے سلمیٰ نے متاثر ہو کر انکی بیڑیان کاٹ دین اور وہ حضرت سعدؓ کے گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کی دہکتی ہوئی آگ مین کود پڑے اور لوگون کو اپنی شجاعت و جانبازی سے متحیر کر دیا، حضرت سعدؓ بھی حیران تھے کہ یہ کون بہادر ہے، شام کو جنگ ختم ہوئی تو ابو محجن نے خود آ کر بیڑیان پہن لین، سلمیٰ نے یہ حالات سعدؓ سے بیان کئے تو انھون نے کہا، خدا کی قسم مین ایسے فدائی اسلام کو سزا نہین دے سکتا، اور اسی وقت رہا کر دیا، ابو محجن پر بھی اس قدر دانی کا یہ اثر ہوا کہ آیندہ شراب سے توبہ کر لی،

تیسرے روز حسب معمول پھر معرکہ شروع ہوا، حضرت سعدؓ نے آج آخری فیصلہ کا ارادہ کر لیا تھا، لیکن شام ہو گئی اور جنگ کے زور و شور مین کچھ فرق نہ آیا، زیادہ وقت ہاتھیون کی وجہ سے تھی، وہ جس طرف جھک پڑتے تھے صفین کی صفین درہم برہم کر دیتے تھے، حضرت سعدؓ نے قعقاع اور چند دوسرے بہادر سپاہیون کو بلا کر کہا کہ تم ہاتھیون کو مارلو تو پھر میدان تمھارے ہاتھ مین ہے، انھون نے نہایت جانبازی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی اور نرغہ کر کے بڑے بڑے ہاتھیون کو مار ڈالا تو دوسرے ہاتھی خود

بخود بھاگ کھڑے ہوئے، ہاتھیوں سے میدان صاف ہوتا تھا کہ حضرت سعدؓ نے اپنی فوج کو سمیٹ کر پھر نئے سرے سے ترتیب دیا اور حکم دیا کہ جب مین تیسرا نعرہ بلند کرون تو غنیم پر حملہ کر دیا جائے، لیکن ابھی پہلا ہی نعرہ بلند ہوا تھا کہ قعقاع نے جوش سے بیتاب ہو کر حملہ کر دیا حضرت سعدؓ نے فرمایا اللّٰھم اغفرلہ وانصرہ یعنی اے خدا تو قعقاع کو معاف کرنا اور اس کا مددگار رہنا، قعقاع کو دیکھ کر دوسرے قبائل بھی ٹوٹ پڑے، حضرت سعدؓ ہر قبیلے کے حملے پر کہتے جاتے تھے کہ خدا اس کو معاف کرنا اور معین و مددگار رہنا، غرض دن ختم ہونے کے بعد تمام رات ہنگامہ کارزار گرم رہا، لیکن بالآخر مسلمانون کے ثبات و استقلال نے ایرانیون کے پاؤن اکھاڑ دیئے، رستم کو بھی مجبوراً بھاگنا پڑا، مگر ہلال نامی ایک مسلمان سپاہی نے تعاقب کر کے اس کا کام تمام کر دیا،

حضرت سعدؓ نے بارگاہِ خلافت مین نامۂ فتح روانہ کر کے مقتولین و مجروحین کی تجہیز و تدفین اور مرہم پٹی کا اہتمام کیا، چونکہ وہ خود اس جنگ مین شریک نہ تھے اس لئے بعض سپاہیون کو ان کی طرف سے بدگمانی تھی چنانچہ ایک شاعر نے علانیہ اس خیال کو ظاہر کر دیا،

وقاتلت حتی انزل اللّٰہ نصرہ	وسعد بباب القادسیہ معصم
مین نے جنگ کی یہان تک کہ خدا نے اپنی مدد بھیجی	حالانکہ سعد قادسیہ کے دروازے سے چمٹے رہے
فابنا وقد آمت نساء کثیرۃ	ونسوۃ سعد لیس فیھن ایم
ہم لوٹے تو بہت سی عورتین بیوہ ہوئین	حالانکہ سعد کی بیویون مین سے کوئی بھی بیوہ نہ ہوئی

حضرت سعدؓ نے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے تمام فوج کو جمع کیا اور ایک مفصل تقریر کر کے اپنی معذوری ظاہر کی،

عراق عرب پر عام لشکر کشی حضرت سعدؓ نے معرکۂ قادسیہ کے بعد سنہ ۱۵ھ مین تمام عراق عرب کو زیر نگین کر لینے کا تہیہ کر لیا، ایرانی بابل مین پناہ گزین تھے، اس لئے سب سے پہلے اسی طرف بڑھے، انھون نے خود

عجمیون پر اس قدر رعب بٹھا دیا تھا کہ راہ مین بڑے بڑے سرداروں نے پیشوائی کر کے صلح کر لی اور بابل تک موقع بموقع پل تیار کرا دیئے کہ اسلامی فوجین آسانی کے ساتھ گذر جائین، بابل پہنچکر حضرت سعدؓ نے ایک ہی حملہ مین اس کو فتح کر لیا اور خود یہان قیام کر کے زہرہ کی افسری مین کچھ فوجین آگے روانہ کر دین، انھون نے کوثی پہنچکر دم لیا اور وہان کے رئیس شہریار کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا،

کوثی ایک تاریخی جگہ تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے یہین قید کیا تھا چنانچہ قید خانہ کی جگہ اس وقت تک محفوظ تھی، حضرت سعدؓ بابل سے تشریف لائے تو اس کی زیارت کو گئے اور درود پڑھ کر یہ آیت پڑھی تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاس،

کوثی سے آگے بڑھ کر پایہ تخت کے قریب ایک مستحکم مقام بہرہ شیر تھا، اس نام کی وجہ یہ تھی کہ یہان خاص کسریٰ کا شکاری شیر رہتا تھا، حضرت سعدؓ کا لشکر جب اس شہر کے قریب پہنچا تو شیر مقابلہ کے لئے چھوڑا گیا، اس نے تڑپ کر اسلامی شیرون پر حملہ کیا، لیکن حضرت سعدؓ کے بھائی ہاشمؓ نے جو ہراول کے افسر تھے اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہین ڈھیر ہو گیا، حضرت سعدؓ نے اس بہادری پر خوش ہو کر ان کی پیشانی چوم لی، اور انھون نے ان کے قدم کا بوسہ دیا،

بہرہ شیر کا کامل دو ماہ تک محاصرہ رہا اور اس اثناء مین متعدد ہولناک جنگین ہوئین، لیکن کچھ فیصلہ نہ ہو سکا، ایک روز خود ایرانی فوجین تنگ آ کر جوش و خروش کے ساتھ قلعہ سے باہر نکلین اور دیر تک نہایت جانبازی سے لڑتی رہین، اسی حالت مین ان کا سپہ سالار شہر براز جو نہایت بہادر افسر تھا، ایک مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا، اس کا مقتول ہونا تھا کہ عجمی فوجین بھاگ کھڑی ہوئین، اور شہر والون نے صلح کا پھریرا اڑا دیا،

بہرہ شیر اور مدائن (پایہ تخت عراق) کے درمیان صرف دجلہ حائل تھا، ایرانیون نے مسلمانون کے خوف سے جہان جہان پل تھے سب توڑ کر بیکار کر دیئے تھے، لیکن حضرت سعدؓ کی اولوالعزمی کے

آگے دنیا کی کون چیز حائل ہو سکتی تھی؟ انھون نے اہل فوج کو مخاطب کر کے کہا، برادران اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن مین پناہ لی ہے، آؤ اس کو بھی تیر جائین تو پھر مطلع صاف ہے، یہ کہہ کر گھوڑا دریا مین ڈال دیا، سپہ سالار اعظم کی جانبازی دیکھکر تمام فوج نے بھی جوش کے ساتھ گھوڑے ڈالدیے اور باہم باتین کرتے ہوئے دوسرے کنارے پر جا پہنچے، ایرانی اس عجیب و غریب جوش و استقلال کا منظر دیکھ کر "دیوان آمدند" کہتے ہوئے بھاگے تاہم سپہ سالار خرزاد تھوڑی سی فوج کے ساتھ جا رہا اور دریا سے نکلنے پر مزاحم ہوا، لیکن مسلمانون نے ان کو کاٹ کر ڈھیر کر دیا، اور مدائن پہونچ کر شاہی محلات پر قبضہ کر لیا، یزدگرد شاہ ایران پہلے ہی بھاگ چکا تھا، البتہ تمام اسباب و سامان موجود تھا جو بجنسہٖ مدینہ روانہ کیا گیا،

حضرت سعدؓ جس وقت مدائن مین داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا، نہایت عبرت ہوئی اور بے اختیار زبان سے یہ آیتین نکلین،

كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنّٰتٍ وَعُيُوْنٍ وَزُرُوْعٍ وَمَقَامٍ كَرِيْمٍ وَنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ	راگئی قومین، کسقدر باغ، چشمے، کھتیان اور طرح طرح کی نعمتین، عمدہ عمدہ محلات چھوڑ کر چل بسین جنمین خوش باش زندگی بسر کرتی تھین، اور ہم نے ان چیزون کا مالک دوسری قومون کو بنا دیا،
(دخان ع ۲)	

مدائن فتح ہونے کے ساتھ تمام عراقِ عرب پر تسلط قائم ہو گیا، بڑے بڑے رؤسا، اور جاگیردارون نے سپر ڈال کر صلح کر لی، اور تمام ملک مین امن و امان کی منادی ہو گئی، جو لوگ گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے تھے وہ پھر واپس آگئے اور حاکم و محکوم مین اس قدر ارتباط پیدا ہوا کہ باہم ازدواج و مناکحت کا سلسلہ جاری ہو گیا،

عراقِ عرب کے مفتوح ہونے کے بعد حضرت سعدؓ کے اہتمام سے جلولا، اور تکریت پر فوج کشی

ہوئی اور نہایت کامیابی و فیروزمندی کے ساتھ ان مقامات پر اسلامی پھریرا نصب کر دیا گیا، اس کے بعد حضرت سعدؓ نے دربارِ خلافت سے آگے بڑھنے کی اجازت طلب کی تو جواب آیا کہ "دولت و حکمرانی کے مقابلہ میں مجھے ایک ایک سپاہی کا خون زیادہ محبوب ہے، کاش ہمارے اور عجمیوں کے درمیان سدِ سکندری حائل ہوتی کہ نہ ہم ان کی طرف بڑھتے اور نہ وہ ہم پر حملہ آور ہوتے، غرض سردست اسی پر اکتفا کر کے ممالکِ مفتوحہ کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لو،،

امارت | اس فرمان کے مطابق حضرت سعدؓ کی سپہ سالاری کا زمانہ ختم ہو گیا اور وہ والیِ ملک کی حیثیت سے مدائن کو صوبہ کا مرکز بنا کر نظم و نسق میں مصروف ہو گئے، اصل یہ ہے کہ کسی غیر قوم پر حکمرانی اور ملکی نظام کو بہترین اصول پر مرتب کرنا بھی اسی قدر مشکل ہے جس قدر کسی ملک کو فتح کرنا، حضرت سعدؓ اپنی فطری قابلیت کے باعث ان دونوں مشکلات پر غالب آئے، انہوں نے جس خوبی و عمدگی کے ساتھ اپنے عہدۂ جلیلہ کے فرائض انجام دیئے، اس سے زیادہ اس زمانہ میں ممکن نہ تھا، دربارِ خلافت کے ایماء سے تمام عراق کی مردم شماری اور پیمائش کرائی، اراضیِ مفتوحہ کو ملک کے اصلی باشندوں کے ہاتھ میں رہنے دیا، البتہ جس زمین کا کوئی وارث نہ تھا، اس کا نئے سرے سے بندوبست کیا، اسی طرح لگان اور جزیہ کے اصول بنائے اور رعایا کے امن و آسائش کا انتظام کیا، عجمیوں کے ساتھ اس قدر خلق و شفقت سے پیش آئے کہ ان کے دل پر قبضہ کر لیا، چنانچہ بڑے بڑے امراء اور رؤساء اسی اثر سے متأثر ہو کر مسلمان ہو گئے، جمیل ابن بصبہری، بسطام بن نرسی، رفیل اور فیروز وغیرہ جو عراق کے مشہور رؤساء تھے خود بخود مسلمان ہو گئے، اسی طرح دیلم کی چار ہزار فوج جو شاہی رسالہ کے نام سے موسوم تھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوئی،

تعمیر کوفہ | حضرت سعدؓ نے ایک عرصہ تک مدائن میں قیام کرنے کے بعد محسوس کیا کہ یہاں کی آب و ہوا نے اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل دیا ہے، حضرت عمرؓ کو اس سے مطلع کیا تو حکم آیا کہ عرب کی سرحد میں کوئی مناسب سرزمین تلاش کر کے ایک نیا شہر بسائیں اور عربی قبائل کو آباد کر کے اس کو

مرکز حکومت قرار دین، حضرت سعدؓ نے اس حکم کے مطابق مدائن سے نکل کر ایک موزون جگہ منتخب کر کے کوفہ کے نام سے ایک وسیع شہر کی بنیاد ڈالی، عرب کے جدا جدا قبیلون کو جدا جدا محلون مین آباد کیا، وسط شہر مین ایک عظیم الشان مسجد بنوائی جسمین تقریباً چالیس ہزار نمازیون کی گنجایش رکھی گئی، مسجد کے قریب ہی بیت المال کی عمارت اور اپنا محل تعمیر کرایا جو قصرِ سعد کے نام سے مشہور تھا،

کچھ دنون کے بعد بیت المال مین چوری ہوگئی، حضرت سعدؓ نے اس کی رپوٹ دار الخلافت مین بھیجی تو حکم آیا کہ بیت المال کو مسجد سے ملا دیا جائے تاکہ ہر وقت نمازیون کی آمد و رفت سے خزانہ محفوظ رہے، چنانچہ انھون نے روزبہ نام ایک مشہور پارسی معمار کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی، اس نے نہایت خوبی و موزونی کے ساتھ بیت المال کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا، حضرت سعدؓ نے اس کی کاریگری کی بڑی قدر کی، اور خوش ہو کر اس کو دار الخلافت بھیجدیا، جہان ہمیشہ کے لئے اس کا روزینہ مقرر ہوگیا،

حضرت سعدؓ کا قصر چونکہ وسط بازار مین تھا، اس لئے شور و شغب کے باعث باہم گفتگو کرنا بھی دشوار تھا، انھون نے اس سے بچنے کے لئے قصر کے سامنے ایک ڈیوڑھی بنوائی اور اس مین پھاٹک لگوایا، بارگاہِ خلافت مین اس ڈیوڑھی کی اطلاع پہنچی تو اس خیال سے کہ کہ اہل حاجت کے لئے یہ سدِّ راہ نہ ہوجائے، حضرت محمد بن مسلمہؓ کو حکم ہوا کہ کوفہ جا کر اس مین آگ لگا دین، چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی، اور حضرت سعد وقاصؓ اطاعت شعاری کے ساتھ خاموشی سے دیکھا کئے،

متفرق انتظامات کوفہ دراصل ایک فوجی چھاؤنی تھی، جہان تقریباً ایک لاکھ نبرد آزما سپاہی بسائے گئے تھے، ان کو علی قدر مراتب تنخواہین دی جاتی تھین، تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ دس دس سپاہیون پر افسر ہوتے تھے جو امراء الاعشار کہلاتے تھے تنخواہین ان کو دی جاتی تھین اور وہ اپنے ماتحت سپاہیون کو تقسیم کر دیتے تھے، ایک دفعہ امراے اعشار نے تنخواہون کی تقسیم مین بے اعتدالی کی، اور اس کی وجہ سے فوج مین برہمی کے آثار نمایان ہوئے، حضرت سعدؓ نے فوراً دربارِ خلافت کو اس واقعہ سے مطلع کیا

اور فرمانِ خلافت کے مطابق دوبارہ نہایت صحت و تحقیق کے ساتھ لوگون کے عہدے اور روزینے مقرر کیے، اور اس دفعہ دس کے بجائے سات سات سپاہیون پر ایک ایک افسر متعین کیا[1]۔

شام کی اسلامی فوجون نے حمص پر چڑھائی کی تو اہل جزیرہ ایک جمعیت عظیم کے ساتھ رومیون کی مدد کے لیے روانہ ہوئے، لیکن حضرت سعد وقاص رض نے جو ملک کے اندرونی و سرحدی واقعات سے ہر وقت باخبر رہتے تھے ایک فوج گران بھیجکر ان کو وہین روک لیا اور آگے بڑھنے نہ دیا[2]۔

۲۱ھ مین ایرانیون نے عراقِ عجم مین نہایت عظیم الشان جنگی تیاریان کین اور مسلمانون کو ان کے مفتوحہ ممالک سے نکال دینا چاہا، حضرت عمر رض نے ان تیاریون کا حال سنا تو تمام فوجی مرکزون مین اسلامی فوج کو بھی آراستہ کرنے کے احکام صادر کیے، کوفہ سب سے بڑا مرکز تھا، حضرت سعد وقاص رض نے یہان نہایت اہتمام کے ساتھ تیاریان شروع کین اور دربارِ خلافت کے ایماء سے نعمان بن مقرن کو جو پہلے ان کی ماتحتی مین افسر مال تھے اس فوج کا امیر عسکر مقرر کیا، لیکن یہان ایک جماعت ایسی پیدا ہو گئی تھی جو قصداً جنگ سے جی چراتی تھی اور کہتی تھی کہ بصرہ والون نے خواہ مخواہ فارس پر حملہ کر کے یہ لڑائی مول لی ہے، حضرت سعد وقاص رض نے بارگاہِ خلافت مین ان لوگون کی شکایت لکھی تو ان مین سے جراح بن سنان اور اس کے چند ساتھیون کو ان سے شدید عداوت پیدا ہو گئی اور انھون نے مدینہ پہنچکر شکایت کی کہ وہ نماز اچھی طرح نہین پڑھاتے، ظاہر ہے کہ حضرت سعد وقاص رض جیسے عالی مرتبت و بلند پایہ صحابی کی نسبت یہ شکایت کس قدر مہمل تھی، حضرت عمر رض کو بھی اس کے لغو ہونے کا یقین تھا تاہم رفع حجت کے خیال سے حضرت محمد بن مسلمہ رض کو تحقیقات کے لیے روانہ فرمایا، انھون نے کوفہ کی ہر ایک مسجد مین گشت کر کے اس شکایت کی حقیقت دریافت کی تو ہر جگہ سب نے یک زبان ہو کر اس کی تکذیب کی اور لغو بتایا، محمد بن مسلمہ رض تحقیقات سے فارغ ہو کر دونون فریق کو ساتھ لیے ہوئے مدینہ پہنچے، حضرت عمر رض نے دیکھنے کے ساتھ پوچھا اے سعد! تم کیسی نماز پڑھاتے

---

[1] طبری ص ۲۴۹۵ [2] ابن اثیر جلد ۲ ص ۳۸۱

ہو کہ لوگ شکایت کرتے ہیں؟ انھون نے جواب دیا کہ پہلی دو رکعتون مین لمبی سورتین پڑھتا ہون، اور دونون آخری مین صرف فاتحہ پر اکتفا کرتا ہون، حضرت عمرؓ نے فرمایا بیشک تمھاری نسبت یہی گمان ہو سکتا ہے[۱]،

معزولی اگو الزام بے بنیاد ثابت ہوا تاہم حضرت عمرؓ اس خیال سے کہ ایک جماعت مخالفت پر آمادہ ہو گئی تھی ان کو اس عہدہ سے سبکدوش ہی کر دینا مناسب سمجھا، چنانچہ حضرت سعد وقاصؓ جن کو اپنا جانشین بنا آئے تھے حضرت عمرؓ نے ان ہی کو مستقل کر دیا اور ان کو دوبارہ واپس جانے کی زحمت نہ دی[۲]،

حضرت سعد وقاصؓ کو اپنے اوپر اس بیہودہ الزام کے قائم ہونے کا نہایت افسوس تھا، فرمایا کرتے تھے کہ مین عرب مین سب سے پہلا شخص ہون جس نے راہ خدا مین تیر اندازی کی ہے، ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ درخت کے سوکھے پتے کھا کھا کر لڑے تھے لیکن خدا کی شان آج یہ بنو اسد پیدا ہوئے ہین جو خود مجھے مذہب سکھاتے ہین کہ مین نماز اچھی نہین پڑھاتا[۳]،

فاروق اعظمؓ کی سفارش ۲۳ھ مین حضرت عمرؓ نے ایک مجوسی غلام کے ہاتھ سے شہادت پائی، حالت نزع مین لوگون نے خلیفہ نامزد کرنے کی طرف توجہ دلائی تو انھون نے اس منصب کے لئے چھ آدمیون کے نام پیش کئے، ان مین ایک حضرت سعدؓ بھی تھے اور فرمایا کہ اگر وہ خلافت کے لئے منتخب نہ ہو سکین تو جو منتخب ہو اسے چاہیئے کہ ان کے خدمات سے فائدہ اٹھائے کیونکہ مین نے انھین کسی کمزوری یا خیانت کی وجہ سے معطل نہین کیا تھا،

دوبارہ تقرری فاروق اعظمؓ کی تجہیز و تکفین کے بعد مجلس شوریٰ نے حضرت عثمانؓ کے سر پر دستارِ خلافت باندھی اور انھون نے حسبِ وصیت حضرت سعدؓ کو دوبارہ کوفہ کا والی مقرر کیا، لیکن اس تقرری کے تین سال بعد یعنی ۲۶ھ مین حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم بیت المال سے اختلاف پیدا ہو جانے کے

---

[۱] طبری ص ۲۰۶۶، ۲۰۷۷ [۲] الفاروق ص ۲۶۰ [۳] بخاری باب مناقب سعدؓ

باعث پھر معزول ہوگئے،[1]

دورِ فتنہ اور حضرت سعدؓ کی گوشہ نشینی

حضرت سعدؓ نے معزول ہونے کے بعد مدینہ مین عزلت نشینی اختیار کرلی، یہان تک کہ جب خلیفہ ثالثؓ کے آخری عہدِ حکومت مین فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا تو یہ ہنگامہ بھی ان کی گوشہ گیری مین مخل نہ ہوا، البتہ جب مفسدین نے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کرلیا تو ان کو سمجھانے کی کوشش کی، مگر ناکام رہے،

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، لیکن معاملات ملکی سے بے تعلق رہنے کی روش پر اس وقت بھی قائم رہے، چنانچہ حضرت علیؓ جب حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کے مقابلہ مین اپنی فوج کے ساتھ روانہ ہوئے تو لوگون نے ان کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی، لیکن انھون نے معذرت کی اور کہا "مجھے ایسی تلوار دیجئے جو مسلم وکافر مین امتیاز رکھے"[2]

حضرت سعد وقاصؓ سے خود ان کے صاحبزادہ عمر بن سعدؓ نے ایک دفعہ جب کہ وہ جنگل مین اونٹ چرا رہے تھے آکر کہا، "کیا یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ آپ جنگل مین اونٹ چرائین اور لوگ بادشاہت وحکومت کے لئے اپنی اپنی قسمت آزمائین" حضرت سعدؓ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا "خاموش! مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ خدا مستغنی اور پرہیزگار بندہ کو محبوب رکھتا ہے"[3]

جناب مرتضیٰؓ اور امیر معاویہؓ کے منازعات کا فیصلہ کرنے کے لئے جب پنچایت مقرر ہوئی، تو حضرت سعد وقاصؓ بھی اس خوشی مین کہ اب خانہ جنگیون اور خونریزیون کا خاتمہ ہوجائے گا فیصلہ سننے کے لئے دومۃ الجندل تشریف لائے، لیکن جب یہ نتیجہ ثابت ہوئی تو پھر اپنے عزلتکدہ مین واپس گئے[4] اور تمام جھگڑون سے قطعی طور پر کنارہ کش رہے،

وفات حضرت سعدؓ نے مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام عقیق مین اپنے لئے ایک قصر تعمیر کرایا تھا،

[1] استیعاب جلد ۲ تذکرۂ سعدؓ [2] ابن سعد جزو ۳ قسم اوّل ترجمہ سعد بن ابی وقاصؓ [3] اسد الغابہ تذکرۂ سعدؓ [4] مین اجمالاً اس کا ذکر ہے

چنانچہ عزلت نشینی کی زندگی اسی میں بسر ہوئی، آخر عمر میں قویٰ مضمحل ہوگئے تھے اور آنکھوں کی بصارت بھی جاتی رہی تھی، یہان تک کہ ۵۵ھ میں طائر روح نے باغِ رضوان کے اشتیاق میں ہمیشہ کے لئے اس قفسِ عنصری کو خیرباد کہا، [۱] حضرت سعدؓ نے وصیت کی تھی کہ جنگ بدر میں جو اونی کپڑا میرے جسم پر تھا اُس سے کفن کا کام لیا جائے، چنانچہ اس پر عمل کیا گیا [۲] اور لاش مدینہ لائی گئی بعض امہات المومنین اس وقت تک زندہ تھیں، انھون نے حکم دیا کہ اس جان نثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ مسجد میں لایا جائے، چنانچہ مسجد میں ان کے حجرون کے سامنے نماز ادا کی گئی، امہات المومنینؓ بھی نماز میں شریک تھین، کسی نے مسجد میں نمازِ جنازہ پر اعتراض کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "لوگ کس قدر جلد بھول گئے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن البیضاءؓ پر مسجد میں نماز نہیں پڑھائی تھی؟ [۳]"

غرض اس تزک و احتشام کے ساتھ مقام بقیع میں مدفون ہوئے ستر برس سے زیادہ عمر پائی اور اس عرصہ میں وہ اپنے عظیم الشان کارنامون کی ایسی یادگار چھوڑ گئے کہ ان کے اخلاف قیامت تک فخر ومباہات کے ساتھ ان پر رطب اللسان رہیں گے،

علم وفضل حضرت سعد وقاصؓ کا علمی پایہ نہایت ارفع تھا، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب سعدؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث روایت کریں تو پھر اس کے متعلق کسی دوسرے سے نہ پوچھو،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تحصیل علم میں کبھی پس وپیش یا شرم وحجاب دامنگیر نہ ہوتا تھا، ایک دفعہ بارگاہِ نبوت میں حاضر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو کچھ عطیے مرحمت فرمائے لیکن اس میں سے ایک شخص کو محروم رکھا، حضرت سعدؓ کو اس کی محرومی پر سخت تعجب ہوا، عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میرا خیال ہے کہ یہ بھی مومن ہے، ارشاد ہوا مومن یا مسلم، لیکن حضرت سعدؓ کو تشفی نہ ہوئی، انھون نے پھر اپنا سوال دہرایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دفعہ بھی وہی جواب دیا، غرض حضرت سعدؓ

---

[۱] طبقات ابن سعد جزء ۳ ص ۱۰۵ [۲] اسد الغابہ تذکرۂ سعد [۳] ابن سعد جزء ۳ قسم اول تذکرہ سعد بن ابی وقاصؓ،

نے مکرر سہ کرر اس سوال کو جاری رکھا، یہان تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر تشفی کر دی کہ بسا اوقات اس سے جس کو عطیے دیتا ہون وہ شخص جس کو کچھ نہین دیتا میرے نزدیک زیادہ محبوب ہوتا ہے،[1]

اخلاق وعادات حضرت سعدؓ کے مصحفِ اخلاق مین خشیتِ الٰہی، حبِ رسول، تقویٰ، زہد، بے نیازی، اور خاکساری سب روشن ابواب ہین، خوف خدا اور عبادت گذاری کا یہ حال تھا کہ عموماً رات کے اخیر حصے مین مسجد نبویؐ مین آکر نمازین پڑھا کرتے تھے[2] طبیعت رہبانیت کی طرف بہت مائل تھی لیکن اسلام مین ممنوع ہونے کی وجہ سے مجبور تھے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ عثمان بن مظعونؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رہبانیت اور تبتل سے منع نہ فرمایا ہوتا تو مین اس کو اختیار کر لیتا۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت و جان نثاری کا صرف اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ تقریباً تمام غزوات مین ہمرکاب رہے، غزوۂ احد مین جب شکست رونما ہوئی اور تمام صحابہؓ پریشانی اور گھبراہٹ مین منتشر ہو گئے تو اس وقت تھوڑی دیر تک تنہا انھون نے اور حضرت طلحہؓ نے خیر الانامؐ کی حفاظت کا فرض انجام دیا تھا، سفر مین عموماً خود شوق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کے گرد رات رات بھر پہرا دیتے تھے، ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے، رات کے وقت ایک جگہ قیام ہوا، یہان دشمنون کا سخت خطرہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک جاگتے رہے اور فرمانے لگے کہ کاش! میرے اصحاب مین سے کوئی مرد صالح آج پہرہ دیتا، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ابھی یہ جملہ تمام بھی نہین ہوا تھا کہ اسلحہ کی جھنکار سننے مین آئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کون ہے؟ عرض کی سعد بن ابی وقاصؓ، ارشاد ہوا تم کیسے آئے؟ عرض کی خود بخود یہ خیال پیدا ہوا کہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنا چاہیے، اس فرض کو انجام دینے آیا ہون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس

[1] بخاری کتاب الایمان باب اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقۃ [2] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۱۷۰، [3] ایضاً ص ۱۷۵،

جان نثاری سے نہایت خوش ہوئے اور دعا دی[1]،

عتبہ بن ابی وقاص حضرت سعدؓ کے حقیقی بھائی تھے، انھون نے حالتِ کفر مین غزوۂ احد مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روے مبارک زخمی کیا تھا، حضرت سعدؓ فرمایا کرتے تھے "واللہ مین عتبہ سے زیادہ کبھی کسی شخص کے خون کا پیاسا نہین ہوا"،

اتباعِ سنت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و احکام کی کامل پیروی کو نہی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے، بعض اہل کوفہ نے دربارِ خلافت مین شکایت کی کہ یہ نماز اچھی نہین پڑھاتے تو فرمانے لگے کہ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے سرمو انحراف نہین کرتا[2]،

ایک دفعہ مدینہ سے اپنے قصر کی طرف جو مقام عقیق مین تھا، تشریف لیجارہے تھے، راہ مین ایک غلام کو درخت کاٹتے دیکھا، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو حرم قرار دیا تھا اس لئے انھون نے اس کے اوزار چھین لئے، غلام کے مالک نے آکر اس کا مطالبہ کیا تو فرمانے لگے، معاذاللہ! مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بخشش کو واپس کرونگا؟ اور اوزار کے واپس دینے سے قطعاً انکار کردیا[3]،

زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جس وقت دنیاے اسلام حکومت و بادشاہت کے جھگڑون مین مبتلا تھی، اس وقت وہ مدینہ کے ایک گوشہ مین بیٹھے ہوئے اس فتنہ سے محفوظ رہنے کی دعائین مانگ رہے تھے اور جو کوئی ان جھگڑون کی متعلق کچھ پوچھتا تو فرماتے کہ مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ میرے بعد عنقریب ایک فتنہ برپا ہوگا، جسمین سونے والا بیٹھنے والے سے، بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اچھا ہوگا[4]"،

تواضع اور خاکساری کا صرف اس سے اندازہ ہوگا کہ سپہ سالاری اور گورنری کے بعد بھی جب کہ کسریٰ کے وارثون نے اپنا عظیم الشان محل ان کے لئے خالی کردیا تھا ان کو اونٹ اور بکریان تک

[1] مسلم مناقب سعدؓ [2] بخاری باب صفۃ الصلوٰۃ [3] مسلم باب فضل المدینہ [4] مسند جلد اص ۱۶۹،

چرانے مین عار نہ تھا، افسر کی اطاعت کا یہ حال تھا کہ گھر مین آگ لگ گئی تھی مگر وہ خاموشی کے ساتھ تماشا دیکھتے رہے،

ذریعۂ معاش و جاگیر ایک زمانہ وہ تھا کہ حضرت سعدؓ درخت کے پتے کھا کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات مین جانبازی دکھاتے تھے لیکن اسلام نے بہت جلد روحانیت کے ساتھ ساتھ مادی حیثیت سے بھی اپنے فدائیون کی عسرت و تنگ حالی کو دولت و ثروت سے مبدل کر دیا، خیبر کی مفتوحہ آراضی مین جاگیر ملی، ایران کے مال غنیمت مین حصہ ملا، اسی طرح رفتہ رفتہ وہ مین ایک غیر آباد زمین خرید کر زراعت کا مشغلہ اختیار کیا، غرض آخر زندگی مین ایک بڑی دولت کے مالک ہو گئے تھے، مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام عقیق مین عالیشان محلات تعمیر کرائے مگر باوجود اس کے غذا و لباس کی سادگی مین کچھ فرق نہین آیا تھا،

حلیہ حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، جسم فربہ، ناک چپٹی، سر بڑا اور ہاتھ کی انگلیان نہایت موٹی اور مضبوط،

ازدواج حضرت سعدؓ نے مختلف اوقات مین متعدد شادیان کین، بیویون کے نام یہ ہین،
بنت شہاب، بنت قیس بن معدی کرب، ام عامر بنت عمرو، زبدہ، ام بلال بنت ربیع، ام حکیم بنت قارظ، سلمی بنت خصفہ، طیبہ بنت عامر، ام حجیر،

اولاد حضرت سعدؓ کے چونتیس اولادین تھین، ان مین سے لڑکے سترہ تھے، لڑکیان بھی اسی قدر تھین، سب کے نام حسب ترتیب درج ذیل ہین،
لڑکے اسحاق اکبر، عمر، محمد، عامر، اسحاق اصغر، اسماعیل، ابراہیم، موسیٰ، عبد اللہ، عبد اللہ اصغر، عبد الرحمن، عمیر اکبر، عمیر الاصغر، عمرو، عمران، صالح، عثمان،
لڑکیان ام الحکم کبری، حفصہ، ام القاسم، کلثوم، ام عمران، ام الحکم صغری، ام عمرو، ہند، ام الزبیر، ام موسیٰ، حمنہ، ام عمر، ام ایوب، ام اسحاق، ملہ، عمرہ، عائشہ،

حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ

نام ونسب خاندان عامر نام، ابو عبیدہ کنیت، امین الامۃ لقب، گو والد کا نام عبد اللہ تھا، لیکن دادا کی طرف منسوب ہو کر ابن الجراح کے نام سے مشہور ہوئے، سلسلۂ نسب یہ ہے عامر بن عبد اللہ بن الجراح ابن ہلال بن اُہیب بن ضبہ بن الحارث بن الفہر القرشی الفہری، حضرت ابو عبیدہؓ کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں فہر پر حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے،

ماں بھی اسی فہری خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور اصحاب سیر کی تحقیق کے مطابق مسلمان ہوئیں،

اسلام حضرت ابو عبیدہؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تبلیغ ودعوت پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے[1]،

ہجرت اسلام قبول کرنے کے بعد قریش مکہ کے ظلم وستم سے دو مرتبہ ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے، پھر آخری دفعہ سب کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرما ہوئے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اور حضرت سعد بن معاذؓ میں باہم بھائی چارہ کرادیا[2]،

غزوات مشرکین قریش نے مدینہ پہنچنے کے بعد بھی مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے نہ دیا اور مبارزت طلبی کر کے میدان جنگ کی دعوت دی، چنانچہ غزوۂ بدر اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی، حضرت ابو عبیدہؓ نہایت شجاعت وجانبازی کے ساتھ اس جنگ میں سرگرم پیکار ہوئے، ان کے والد عبد اللہ بھی اس وقت تک زندہ تھے اور کفار کی طرف سے لڑنے آئے تھے، انہوں نے تاک تاک کر خود اپنے لخت جگر کو نشانہ بنانا چاہا،

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۲۹۷، [2] اصابہ جلد ۴ ص ۷۶،

حضرت ابو عبیدہؓ تھوڑی دیر تک طرح دیتے رہے، لیکن جب دیکھا کہ وہ باز نہیں آتے تو بالآخر جوشِ توحید نسبی تعلق پر غالب آگیا، اور ایک ہی ہاتھ میں ان کا کام تمام کر دیا، درحقیقت یہ والہانہ جوش اور مذہبی وارفتگی کی نہایت سچی مثال تھی جس میں ماں باپ، بھائی بہن، غرض تمام رشتہ دار بالکل ایک اجنبی دشمن کی طرح نظر آتے ہیں، چنانچہ قرآن پاک نے اس انقطاع الی اللہ کی ان الفاظ میں داد دی،

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ	تم نہ پاؤ گے اس قوم کو جو خدا اور قیامت کے دن پر ایمان
مَنْ حَادَّ اللهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ	لائی کہ وہ خدا اور اس کے رسول کے مخالفین سے
أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَٰئِكَ	محبت رکھتے ہوں گو وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی یا
كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ	ان کے کنبہ ہی کے کیوں نہ ہوں، یہی وہ (مسلمان)
بِرُوحٍ مِّنْهُ	ہیں جن کے دلوں کے اندر خدا نے ایمان نقش کر دیا ہے
(سورہ مجادلہ رکوع ۳)	اور اپنے فیضانِ غیبی سے ان کی مدد کی ہے،

غزوۂ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک زخمی ہوگیا اور زرہ کی دو کڑیاں چبھ گئی تھیں، جس سے سخت تکلیف تھی، حضرت ابو عبیدہؓ نے دانت سے پکڑ کر کھینچا، اگرچہ ان کڑیوں نے نکلتے نکلتے ان کے دو دانت شہید کر دیئے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری میں دو دانت کیا جان بھی نثار ہو جاتی تو پروا نہ تھی،[۲]

غزوۂ خندق، اور بنو قریظہ کی سرکوبی میں بھی سرگرم پیکار تھے، ۶ھ میں جب قبیلہ ثعلبہ اور انمار نے قحط زدہ ہو کر اطرافِ مدینہ میں غارت گری شروع کی تو بارگاہِ رسالت سے انکی سرکوبی پر مامور ہوئے، چنانچہ انھوں نے ربیع الثانی کے مہینے میں چالیس آدمیوں کے ساتھ ڈاکوؤں کے مرکزی مقام ذی القصہ پر چھاپہ مار کر ان کو پہاڑوں میں منتشر کر دیا اور ایک شخص کو گرفتار کرکے لے آئے جس نے

[۱] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۸۵، [۲] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۲۹۸،

مدینہ پہنچ کر بطیب خاطر اسلام قبول کرلیا[1]،

اسی سال بیعتِ رضوان مین شریک ہوئے، بلکہ مقامِ حدیبیہ میں قریش مکہ سے جو عہد نامہ طے پایا، اس پر اُن کی شہادت بھی تھی[2]، پھر ۷ھ مین خیبر کی فتح کشی مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب ہوئے، اور اس کی فتح مین شجاعت وبہادری کے ساتھ حصہ لیا، ان مہمات سے فارغ ہونیکے بعد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضؓ کو ایک جمعیت کے ساتھ ذات السلاسل کی طرف روانہ فرمایا، وہان پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس لئے انھون نے دربارِ رسالت سے کمک طلب کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہؓ کی زیرِ امارت دوسو جنگی بہادر روانہ فرمائے، اس امدادی فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس مین حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ شامل تھے، غرض جب یہ فوج حضرت عمرو بن العاصؓ کی فوج سے مل گئی، تو قدرۃً امامت وسپہ سالاریِ عام کی بحث پیدا ہوئی، ظاہر ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ کی جلالتِ شان وعلو مرتبت کے مقابلہ مین حضرت عمرو بن العاصؓ تو اس شرفِ گرامی کا استحقاق نہ تھا، تاہم اُنکے ضد اور اصرار سے حضرت ابو عبیدہؓ نے اطاعت کا طوق خود اپنے گلے مین ڈال لیا، اور نہایت کامیابی کے ساتھ حملہ کرکے غنیم کو زیروزبر کردیا[3]،

رجب ۸ھ مین ایک دوسری مہم خود حضرت ابو عبیدہؓ کی زیرِ قیادت ساحلی علاقہ کی طرف روانہ کی گئی، تاکہ قریشی قافلون کی نقل وحرکت کا پتہ چلائین، اور سامان رسد مین صرف کھجورین ساتھ کردی گئین، یہانتک کہ جب یہ سرمایہ ختم ہونے لگا تو چند دنون تک صرف ایک ایک کھجور پر قناعت کرنا پڑی، لیکن خدائے پاک نے بہت جلد یہ مصیبت دور کردی اور سمندر کے کنارے ایک ایسی عظیم الشان مچھلی مل گئی کہ مجاہدین نے عرصہ تک اس پر گذر اوقات کی اور کامیابی کے ساتھ

---

[1] ابن سعد حصہ مغازی ص ۷۰ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۹۵

مدینہ واپس آئے،[1]

اسی سال مکہ فتح ہوا، پھر حنین اور طائف کی جنگین پیش آئین، حضرت ابو عبیدہؓ ان تمام معرکون مین جانبازی کے ساتھ پیش پیش رہے،

متفرق خدمات جنگی مہمات کے علاوہ حضرت ابو عبیدہؓ کو بعض دوسری اہم خدمتین بھی سپرد ہوئین، مثلاً ۹ھ مین اہل نجران نے بارگاہِ نبوت مین حاضر ہوکر ایک معلّمِ دین کی درخواست کی جو مذہبی تعلیم و تلقین کے سوا ان کے جھگڑون کو بھی فیصل کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابو عبیدہ اٹھو،" جب وہ کھڑے ہوئے تو اہل نجران سے مخاطب ہوکر فرمایا "یہ امت کا امین ہے اس کو تمھارے ساتھ کرتا ہون،"[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بحرین سے مصالحت کر لی تھی اور علاء بن الحضرمی کو بحرین کا امیر مقرر کیا تھا، حضرت ابو عبیدہؓ ایک دفعہ وہان سے جزیہ کی رقم لانے پر مامور ہوئے، جب لیکر مدینہ پہنچے تو اس روز نمازِ صبح مین انصار کا غیر معمولی مجمع ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متبسم ہوکر فرمایا شاید تم لوگون کو ابو عبیدہ کے آنے کی اطلاع ہوگئی ہے، لوگون نے عرض کی "ہان یا رسول اللہ!" سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا "بشارت ہو کہ آج تمھین خوش کردونگا، لیکن خدا کی قسم مین تمھارے فقر و افلاس سے نہین ڈرتا بلکہ مجھے خوف ہے کہ پہلی قومون کی طرح تمھارے اوپر بھی دنیا کشادہ ہوجائیگی، اور جس طرح ان کو منافست باہمی اور حسد و طمع نے ہلاک کردیا ہے تمھین بھی ہلاک کرسکیگی۔"[3]

۱۰ھ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے، حضرت ابو عبیدہؓ ہمرکاب تھے، اس سفر سے واپس آنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور سقیفۂ بنی ساعدہ مین خلافت کا جھگڑا پیدا ہوگیا، لیکن صلحاے امت کی کوشش سے بہت جلد فرو ہوگیا، اس آتشِ خرمن سوز

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ سیف البحر [2] بخاری قصۂ اہل نجران [3] بخاری کتاب الرقاق باب مایحذر من زہرۃ الدنیا،

کے بجھانے مین امین امت کی کوششین بھی کسی سے کم نہ تھین، چنانچہ انھون نے انصارؓ کو مخاطب کرکے فرمایا

یامعشر الانصار انکم کنتم اول ——— اے گروہ انصار! تم نے سب سے پہلے امداد و اعانت کا ہاتھ

من نصر فلا تکونوا اول من غیر ——— بڑھایا تھا، اسلئے تم ہی سب سے پہلے افتراق و اختلاف کے بانی

(ابن ہشام)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خود ان کے نام کو پیش کرکے فرمایا، دیکھو یہ عمر بن الخطاب موجود ہین، جن کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ اُن کی ذات سے خدا نے دین کو معزز کیا ہے، یہ دیکھو عبیدہ بن الجراحؓ موجود ہین جن کو امین الامت کا خطاب عطا کیا گیا ہے، ان دونون مین سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کرلو، لیکن ان دونون بزرگون نے بالاتفاق صدیق اکبرؓ کی موجودگی مین اپنے استحقاق سے انکار کیا، اور بڑھ کر سب سے پہلے بیعت کرلی[1] اس کے بعد تمام مہاجرین و انصار بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے، اور فتنہ کا ابر تاریک افق اسلام سے چھنٹ گیا،

شام کی سپہ سالاری حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسند نشینی کے بعد ۱۳؁ھ مین ملک شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کا اہتمام کیا، حضرت ابوعبیدہؓ کو حمص پر، یزید بن ابی سفیان کو دمشق پر، شرحبیل کو اردن پر، عمرو بن العاصؓ کو فلسطین پر مامور کیا، اور ہدایت کی کہ جب سب ایک جگہ مجتمع ہو جائین، تو ابوعبیدہؓ سپہ سالار عام ہون گے،

حضرت ابوعبیدہؓ جب عرب کی سرحد سے باہر نکلے، تو کثیر التعداد رومی فوجون کا سامنا ہوا یہ دیکھکر انھون نے تمام اسلامی فوجون کو یکجا کرلیا، اور دربار خلافت سے مزید کمک طلب کی چنانچہ حضرت خالد بن ولیدؓ جو عراق کی مہم پر مامور تھے، دربار خلافت کے حکم سے راہ مین چھوٹی چھوٹی لڑائیان لڑتے ہوئے شامی فوج سے آکر مل گئے، اور متحدہ فوج نے بصریٰ، فحل اور اجنادین کو فتح کرکے دمشق کا محاصرہ کرلیا،

---

[1] یعقوبی جلد ۲ ص ۱۴۳، ایضاً

فتح دمشق دمشق کا محاصرہ جاری تھا کہ خلیفۂ اول نے داعیِ اجل کو لبیک کہا، اور فاروق اعظمؓ کی ابتدائی حکومت مین خالد بن ولیدؓ بیدار مغزی اور حسنِ تدبیر کے ساتھ فصیل پھاند گئے، اور شہر مین داخل ہوکر دروازے کھول دیئے، حضرت ابو عبیدہؓ اپنی فوج کے ساتھ تیار کھڑے تھے، فوراً اندر گھس گئے، عیسائیون نے یہ رنگ دیکھا تو مصلحت اندیشی کے ساتھ اسلامی سپہ سالار اعظم سے مصالحت کرلی، حضرت خالدؓ کو خبر نہ تھی، وہ شہر کے دوسرے حصہ مین سرگرم پیکار تھے، عیسائی آکر ملتجی ہوئے کہ ہم کو خالد سے بچائیے، وسط بازار مین دونون آدمیون کا سامنا ہوا، حضرت ابو عبیدہؓ نے صلح کرلی، اور مفتوحہ حصہ کو بھی صلح مین رکھا، اور اس پر صلح کے شرائط جاری کئے،[۵]

معرکۂ فحل دمشق فتح کرکے اسلامی فوجین آگے بڑھین، اور مقام فحل مین خیمہ افگن ہوئین، رومیون کا بڑاؤ فحل کے سامنے مقام بیسان مین تھا، انھون نے حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس مصالحت کا پیام بھیجا اور گفت و شنید کے لئے ایک سفیر بلایا، چنانچہ حضرت معاذؓ بن جبل اسی عہدہ پر مامور ہوئے، لیکن یہ سفارت بے نتیجہ رہی، اور رومیون نے براہ راست حضرت ابو عبیدہؓ سے گفتگو کرنے کے لئے قاصد بھیجا، جس وقت وہ پہنچا تو دیکھکر متحیر رہ گیا کہ یہان ہر ایک ادنیٰ و اعلیٰ ایک ہی رنگ مین ڈوبا ہوا ہے، افسری اور ماتحتی کی کوئی تمیز نظر آتی، آخر اس نے گھبرا کر پوچھا کہ تمھارا سردار کون ہے؟ لوگون نے حضرت ابو عبیدہؓ کی طرف اشارہ کیا، اس وقت وہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے، اس نے متعجب ہوکر کہا کیا درحقیقت تم ہی سردار ہو؟ فرمایا "ہان"، قاصد نے کہا تمھاری فوج کو فی کس دو دو اشرفیان دین گے، تم یہان سے چلے جاؤ، حضرت ابو عبیدہؓ نے انکار فرمایا، اور قاصد کے تیور دیکھکر فوج کو تیاری کا حکم دے دیا، غرض دوسرے دن جنگ شروع ہوئی، حضرت ابو عبیدہؓ ایک ایک صف مین جاکر کہتے تھے،

عباد اللہ استوجبوا من اللہ النصر — خدا کے بندو! صبر کے ساتھ خدا سے مدد چاہو کیونکہ

[۵] ابن اثیر جلد ۲ ص ۳۴۰

بالصّبر فانّ اللہ مع الصّابرین   خدا صبر کرنے والون کے ساتھ ہے،

حضرت ابو عبیدہؓ خود قلبِ فوج مین تھے، اور دانشمندی کے ساتھ سب کو لڑا رہے تھے، یہان تک کہ مسلمانون کی قلیل تعداد نے رومیون کی پچاس ہزار باقاعدہ فوج کو شکست دیدی، اور ضلع اردن کے تمام مقامات فرزندانِ توحید کے زیرنگین ہوگئے،

فتح حمص

یہان سے چھوٹے چھوٹے مقامات فتح کرتے ہوئے حمص کی طرف بڑھے، اور محاصرہ کا سامان پھیلا دیا، اہلِ حمص کچھ عرصہ تک کمک کی امید پر مدافعت کرتے رہے لیکن جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو انھون نے خود بخود شہر حوالہ کردیا[1]، حضرت ابو عبیدہؓ نے یہان عبادہ بن صامتؓ کو چھوڑ کر لاذقیہ کا رخ کیا، اور راہ مین شیزر، حماۃ، معرۃ النعمان اور دوسرے مقامات مین اسلامی جھنڈا گاڑتے ہوئے منزل مقصود پر دم لیا،

لاذقیہ نہایت مستحکم مقام تھا، حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کو فتح کرنے کی ایک نئی تدبیر اختیار کی، یعنی میدان مین بہت سے پوشیدہ غار کھدوائے، اور محاصرہ اٹھا کر حمص کی طرف روانہ ہوگئے، شہر والون نے جو مدت کی قلعہ بندی سے تنگ آگئے تھے، اس کو تائید غیبی خیال کیا، اور اطمینان کے ساتھ شہر پناہ کا دروازہ کھول کر کاروبار مین مصروف ہوگئے، لیکن حضرت ابو عبیدہؓ اسی رات کو اپنے سپاہیون کے ساتھ پلٹ کر غار مین چھپ رہے تھے، صبح کے وقت نکل کر دفعۃً شہر مین گھس گئے، اور آسانی کے ساتھ اسلام کا علم بلند کردیا[2]،

یرموک کی فیصلہ کن جنگ

رومیون کی متواتر ہزیمتون نے ان کے آتشِ غیظ و غضب کو بھڑکا دیا، اور ہرقل شہنشاہ روم کی دعوت پر تمام اطرافِ ملک سے ٹڈی دل فوج مجتمع ہوگئی، حضرت ابو عبیدہؓ کو خود شامی امرا اور رؤسا نے جو باوجود مذہبی اختلاف کے ان کے اخلاق کے گرویدہ ہوگئے تھے، تمام

[1] ابن اثیر ج ۲ ص ۳۸۱ و فتوح البلدان ص ۱۳۰، [2] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۳۹،

واقعات کی اطلاع دی، انھون نے اچھی طرح سے غنیم کی تیاریون کی تحقیقات کرکے اپنے ماتحت افسرون کو جمع کیا اور ایک پرجوش تقریر کے بعد اس مہیب سیلاب کے روکنے کے متعلق مشورہ طلب کیا، یزید بن ابی سفیان رضؓ نے کہا میری راے یہ ہے کہ عورتون اور بچون کو شہر مین چھوڑ کر ہم لوگ مقابلہ کے لیے نکلیں، اس کے ساتھ خالد رضؓ اور عمرو بن العاص رضؓ کو لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئین" شرجیل بن حسنہ نے کہا "یزید کی راے یقیناً مخلصانہ ہے، لیکن ہم کو اپنا ننگ و ناموس شہر کے عیسائی باشندون کے رحم پر نہ چھوڑنا چاہیے" حضرت ابو عبیدہ رضؓ نے فرمایا، تو پھر سر دست اس کی تدبیر یہ ہے۔ کہ ہم عیسائیون کو شہر بدر کر دین، شرجیل نے اٹھ کر کہا، اے امیر یہ صریحاً نقضِ عہد ہوگا تجھکو ہرگز اس کا حق نہین ہے حضرت ابو عبیدہ رضؓ نے فوراً اپنی غلطی تسلیم کرلی، اور بالآخر بحث و مباحثہ کے بعد یہ راے قرار پائی کہ مفتوحہ ممالک چھوڑ کر تمام فوجین دمشق مین مجتمع ہون، غرض اس قرارداد کے بعد حضرت ابو عبیدہ رضؓ نے عیسائیون سے جو کچھ جزیہ یا خراج لیا تھا، سب واپس کر دیا، اور فرمایا کہ یہ تمھاری حفاظت کا معاوضہ تھا، لیکن جب ہم سر دست اس سے عاجز ہین تو پھر ہم کو اس سے مستفید ہونے کا کوئی استحقاق نہین ہے، چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی سب واپس کردی گئی، عیسائیون پر اس حق پسندی و انصاف کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ خدا تم کو پھر واپس لائے،[1]

دمشق مین جب اسلامی فوجین مجتمع ہوگئین تو حضرت ابو عبیدہ رضؓ نے آگے بڑھ کر یرموک کے میدان مین جو جنگی ضروریات کے لحاظ سے نہایت مناسب موقع تھا، مورچہ جمایا، اسی اثنا مین اردن سے حضرت عمرو بن العاص رضؓ کا خط پہنچا کہ آپ کی معاودت نے اس علاقہ پر نہایت برا اثر ڈالا ہے اور ہر طرف بغاوت و شورش پھیل گئی ہے، حضرت ابو عبیدہ رضؓ نے جواب مین لکھا کہ ہم کو مصلحۃً پیچھے ہٹنا پڑا تاکہ تمام منتشر قوت مجتمع ہو جائے، بہرحال تم اپنی جگہ جمے رہو، مین عنقریب آکر تم سے ملتا ہون،

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۳۴، ۱۴۳

مسلمانوں کے پیچھے ہٹ آنے سے رومیوں کی ہمت بڑھ گئی اور ایک عظیم الشان جمعیت کے ساتھ یرموک پہنچکر مسلمانوں کے مقابلہ میں خیمہ زن ہوئے تاہم جو عربی تلوار کا مزہ چکھ چکے تھے وہ دل سے صلح کے متمنی تھے، سپہ سالار اعظم باہان کی بھی یہی خواہش تھی، غرض جارج نامی ایک رومی قاصد اسلامی لشکر گاہ میں پہنچا کہ کسی مسلمان سفیر کو ساتھ لے جائے، اس وقت شام ہو چکی تھی، ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی، مسلمانوں کے موثر طریقہ عبادت، خشوع و خضوع اور محویت و استغراق نے اس پر عجیب و غریب کیفیت طاری کی، وہ استعجاب کے ساتھ دیکھتا رہا، یہاں تک کہ جب نماز ہو چکی تو اس نے حضرت ابو عبیدہؓ سے چند سوالات کئے، جن میں ایک یہ بھی تھا کہ عیسیٰؑ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ حضرت ابو عبیدہؓ نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں،

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ (نساء ع ۲۳)	اے اہل کتاب اپنے دین میں زیادہ غلو نہ کرو، اور خدا کی طرف حق کے سوا غلط باتیں نہ منسوب کرو حقیقت میں مسیح بن مریم خدا کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے انکی طرف ڈالدیا تھا،
لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ (نساء ع ۲۳)	مسیح بن مریم اور ملائکہ مقربین کو خدا کی بندگی میں عار نہیں ہے،

جارج نے ان آیتوں کا ترجمہ سنا تو بے اختیار پکار اٹھا بے شک عیسیٰؑ کے یہی اوصاف ہیں اور درحقیقت تمہارا پیغمبر سچا ہے، یہ کہکر بطیب خاطر مسلمان ہو گیا، وہ اپنی قوم میں واپس جانا نہیں چاہتا تھا لیکن حضرت ابو عبیدہؓ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بدعہدی کا گمان نہ ہو واپس جانے پر مجبور کیا، اور فرمایا کہ کل جو سفیر یہاں سے جائے گا اس کے ساتھ چلے آنا،[1]

---

[1] طبری کے نزدیک جارج خالدؓ کی کوششوں سے اسلام لایا،

غرض دوسرے روز حضرت خالدؓ سفیر بنا کر بھیجے گئے لیکن اس سفارت کا بھی اس کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکلا کہ دونون فریق اور بھی زیادہ جوش وخروش کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہوگئے، کیونکہ مسلمانون کی طرف دو شرطین تھین جو ہر موقع پر پیش کی جاتی تھین اور ان مین تغیر وتبدل قطعاً ناممکن تھا یعنی "اسلام" یا "جزیہ" دوسری طرف رومی جو اپنی شاہنشاہی کے نشہ مین سرشار تھے ایسے شرائط کا سننا بھی گوارا نہین کرتے تھے،

بہرحال جنگ شروع ہوئی اور گو مسلمان تعداد مین صرف تیس بتیس ہزار تھے تاہم افسران فوج کی دانشمندی، فن سپہ گری کی واقفیت اور خود سپاہیون کے غیر معمولی جوش نے غنیم کے پاؤن اکھاڑ دیئے، اس جنگ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ تقریباً ستر ہزار رومی کھیت رہے، مسلمان بھی کم و بیش تین ہزار شہید ہوئے، جن مین ضرار بن ازورؓ، ہشام بن العاصؓ، ابان، سعیدؓ وغیرہ جیسے جنگ آزما افسر بھی تھے،

فتح یرموک کے بعد تمام ملک شام مسلمانون کے خیر مقدم کے لئے تیار تھا، حضرت ابوعبیدہؓ نے حمص پہنچکر حضرت خالدؓ سیف اللہ کو قنسرین روانہ کیا اور خود حلب کی طرف بڑھے، یہ دونون مقامات آسانی کے ساتھ مفتوح ہوگئے، چند دنون کے بعد اہل انطاکیہ نے بھی سپر ڈالدی، غرض بیت المقدس کے سوا تمام شام پر آسانی کے ساتھ قبضہ ہوگیا،

بیت المقدس

ہم پہلے لکھ آئے ہین کہ فلسطین کی مہم حضرت عمرو بن العاصؓ کے سپرد تھی، چنانچہ وہ بڑے بڑے شہر فتح کرکے عرصہ سے بیت المقدس کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، حضرت ابوعبیدہؓ کو اپنی مہم سے فرصت ہوئی تو وہ بھی اس فوج سے آملے، عیسائیون نے ایک عرصہ کی قلعہ بندی سے تنگ آکر صلح کی درخواست کی اور مزید اطمینان کے لئے یہ شرط لگائی کہ امیرالمومنین خود یہان آکر اپنے ہاتھ سے معاہدۂ صلح لکھین، حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھ کر اس شرط سے مطلع کیا اور ملک شام تشریف لانے کی دعوت دی، حضرت عمرؓ مدینہ سے روانہ ہوکر مقام جابیہ پہنچے، حضرت ابوعبیدہؓ

نے اپنے ماتحت افسرون کے ساتھ ان کا استقبال کیا، بیت المقدس کے نمایندے بھی یہین پہنچے اور معاہدۂ صلح ترتیب پانے کے بعد اس مقدس شہر پر قبضہ ہوگیا،[1]

رومیون کی آخری کوشش شام جیسے سرسبز و شاداب ملک کا ہاتھ سے نکل جانا رومیون کے لئے سخت سوہان روح تھا، انھون نے جزیرہ اور آرمینیہ والون کی امداد سے ایک مرتبہ پھر قسمت آزمائی کی اور ایک عظیم الشان جمعیت کے ساتھ حمص کی طرف بڑھے،

حضرت ابوعبیدہؓ نے بھی ادھر اُدھر سے فوجین جمع کین اور دربار خلافت کو تمام واقعات سے مطلع کیا، چنانچہ امیرالمومنین کے حکم سے عراق سے ایک بہت بڑی کمک پہنچ گئی اور حضرت ابوعبیدہؓ اس عظیم الشان توت کے ساتھ رومی سیلاب کو روکنے کے لئے آگے بڑھے، میدانِ جنگ مین پہنچکر باقاعدہ صف آرائی کی اور ایک پرجوش و مؤثر تقریر کے بعد فرمایا "مسلمانو! آج جو ثابت قدم رہ گیا وہ اگر زندہ بچا تو ملک و مال ہاتھ آئے گا اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملے گی، مین گواہی دیتا ہون کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص مرے اور مشرک ہوکر نہ مرے وہ ضرور جنت مین جائے گا" اس زمانہ مین اسلام کا ہر ایک فرزند جوش ملی اور غیرت دینی کا مجسم پتلا تھا، اس تقریر نے اور بھی گرما دیا، غرض مجاہدین نے اس زور سے حملہ کردیا کہ رومیون کے پاؤن اکھڑ گئے اور مرج الدیباج تک بھاگتے چلے گئے، اسی طرح رومیون کی آخری کوشش بھی ناکام رہی اور پھر انھین کبھی پیش قدمی کا حوصلہ نہ ہوا،

امارت حضرت خالد سیف اللہؓ دمشق کے امیر یا والی مقرر ہوئے تھے، لیکن ۱۷ھ مین حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کرکے یہ عہدہ بھی حضرت ابوعبیدہؓ کو تفویض کیا، حضرت خالدؓ دمشق سے روانہ ہونے لگے تو انھون نے لوگون سے کہا، تمھین خوش ہونا چاہئے کہ امینِ امت تمھارا والی ہے، حضرت ابوعبیدہؓ نے اس کے جواب مین کہا، مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "خالد خدا کی تلوارون مین سے ایک تلوار

[1] فتوح البلدان ص ۱۴۵

ہے" غرض اسی لطف و محبت کے ساتھ امارت یا ولایت کا چارج لینے کے بعد ملکی انتظامات میں مصروف ہوئے،

حضرت عمرؓ نے انتظامی حیثیت سے ملک شام میں جو مختلف اصلاحیں جاری کیں، ان میں سے اکثر حضرت ابو عبیدہؓ کے ہاتھ سے عمل میں آئیں ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو نہایت سرگرمی کے ساتھ شام سے چار ہزار اونٹ غلے سے لدے ہوئے بھیجے،[1] اشاعت اسلام کا بھی ان کو خاص خیال تھا، چنانچہ قبیلۂ تنوخ، بنو سلیح اور عرب کے دوسرے بہت سے قبائل جو مدت سے شام میں آباد ہو گئے تھے اور عیسوی مذہب کے پیرو تھے، حضرت ابو عبیدہؓ کی کوشش سے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، بعض شامی اور رومی عیسائی بھی ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام لائے،

طاعونِ عمواس

۱۸ھ میں تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت شدت کے ساتھ طاعون کی وبا پھیلی، خصوصاً شام میں اس نے بہت نقصان پہنچایا، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ خود تدبیر و انتظام کے لئے دار الخلافہ چھوڑ کر مقام سرغ پہنچے، حضرت ابو عبیدہؓ اور دوسرے سرداروں نے یہاں استقبال کیا، حضرت عمرؓ نے شدت کی کیفیت سنکر پہلے مہاجرینؓ اور پھر انصارؓ سے مشورہ طلب کیا، سب نے مختلف رائیں دیں، اس کے بعد مہاجرین فتح سے جو عموماً قریش کے بوڑھے تجربہ کار لوگ تھے مشورہ چاہا، انھوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ سر دست یہاں سے لوگوں کا منتقل ہو جانا مناسب ہوگا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے منادی کرادی کہ میں کل صبح واپس جاؤں گا سب ساتھ چلیں، چونکہ حضرت ابو عبیدہؓ نہایت شدت کے ساتھ تقدیر کے قائل تھے اس لئے ان کو یہ حکم ناگوار ہوا اور آزادی کے ساتھ کہا، افراراً من قدر اللہ، یعنی تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو، حضرت عمرؓ عموماً حضرت ابو عبیدہؓ کی رائے سے اختلاف ظاہر کرنا ناپسند کرتے تھے اس لئے انھوں نے کہا کاش! تمھارے سوا کوئی دوسرا یہ جملہ کہتا، ہاں تقدیر الٰہی سے بھاگتا ہوں لیکن تقدیر

---

[1] طبری ص ۲۵۷۰

الٰہی کی طرف ہے[۱]"

غرض حضرت عمرؓ مدینہ واپس آئے اور حضرت ابو عبیدہؓ کو خط لکھ کر بلایا کہ کچھ دنون کے لئے یہان چلے آؤ، تم سے کچھ کام ہے، حضرت ابو عبیدہؓ اس طلبی کا مقصد سمجھ گئے اور لکھا کہ جو مقدر ہے وہ ہوگا مین مسلمانون کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے یہان سے ٹل نہین سکتا، حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ وہ کسی طرح ٹلنے کا نام نہین لیتے تو پھر تاکید لکھا کہ فوج کو لیکر کسی بلند اور صحت بخش مقام کی طرف چلے جاؤ، اس وقت جہان پڑاؤ ہے وہ نہایت نشیبی اور مرطوب جگہ ہے، حضرت ابو عبیدہؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے انتخاب پر جابیہ اٹھ گئے[۲]"

جابیہ پہنچکر حضرت ابو عبیدہؓ طاعون مین مبتلا ہوئے، جب مرض کی زیادہ شدت ہوئی، تو حضرت معاذ بن جبلؓ کو جو ان کے اسلامی بھائی تھے اپنا جانشین کیا اور لوگون کو جمع کرکے ایک نہایت مؤثر تقریر کی آخر مین فرمایا "صاحبو! یہ مرض خدا کی رحمت اور تمھارے نبیؐ کریم کی دعوت ہے، پہلے بہت سے صلحائے روزگار اس مین جان بحق ہوئے ہین، اور اب عبیدہ بھی اپنے خدا سے اس سعادت مین حصہ پانے کا متمنی ہے[۳]"

نماز کا وقت آیا تو حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنے جانشین کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، ادھر نماز ختم ہوئی اور ادھر راضی برضائے الٰہی یعنی عبیدہ بن الجراحؓ امین الامت نے داعی حق کو لبیک کہا، حضرت معاذؓ ابن جبل نے تجہیز و تکفین کا سامان کیا اور حاضرین کے سامنے ایک مؤثر و پر درد تقریر کے بعد کہا "صاحبو! آج تم مین سے ایک ایسا شخص اٹھ گیا کہ خدا کی قسم مین نے اس سے زیادہ صاف دل، بے کینہ، سیر چشم، عاقبت اندیش، باحیا اور خیر خواہ خلق کبھی نہین دیکھا، پس خدا سے اس کے لئے رحم و مغفرت کی دعا کرو[۴]"

[۱] مسلم باب الطاعون، [۲] فتح الباری جلد ۱۰ ص ۱۵۹، [۳] مسند جلد ۱ ص ۱۹۶، [۴] اصابہ جلد ۴ ص ۱۲

حضرت ابوعبیدہؓ نے اٹھاون برس کی عمر پائی اور اس قلیل عرصہ میں اپنے حیرت انگیز کارناموں کا منظر دکھا کر ۱۸ھ میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے، فانا للہ وانا الیہ راجعون

اخلاق و عادات | حضرت ابوعبیدہؓ کے صحیفۂ اخلاق میں خدا ترسی، اتباعِ سنت، تقوی، زہد، تواضع، مساوات اور ترحم کے ابواب نہایت روشن ہیں،

خوفِ خدا کا یہ حال تھا کہ محض معمولی واقعات ان کے لئے سرمایۂ عبرت بنجاتے اور اکثر خدا کی ہیبت و جلال کو یاد کرکے چشم پرنم ہو جاتے تھے ایک دفعہ ایک شخص ان کے گھر آیا دیکھا تو زار و قطار رو رہے ہیں اس نے متعجب ہو کر پوچھا "ابوعبیدہؓ خیر ہے؟ یہ رونا دھونا کیسا؟" کہنے لگے "ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے آیندہ فتوحات اور تمول کا ذکر کرتے ہوئے شام کا تذکرہ فرمایا اور کہا، ابوعبیدہ! اگر اس وقت تک تمھاری عمر وفا کرے تو تمھارے لئے صرف تین خادم کافی ہوں گے، ایک خاص تمھاری ذات کے لئے، ایک تمھارے اہل و عیال کے لئے اور ایک سفر میں ساتھ جانے کے لئے، اسی طرح سواری کے تین جانور کافی ہیں، ایک تمھارے لئے، ایک غلام کے لئے اور ایک اسباب و سامان کے لئے لیکن اب دیکھتا ہوں تو میرا گھر غلاموں سے اور اصطبل گھوڑوں سے بھرا ہوا ہے، آہ! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہ شخص میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوگا جو اسی حال میں ملے گا جس حال میں میں اسے چھوڑ جاؤں گا،[۱]

ہادیِ دین کی اطاعت، محبت اور خدمت گذاری میں امت سے زیادہ کون پیش پیش رہتا؟ واقعہ بدر میں باپ کو قتل کیا، رسولِ برحق کی راحت رسانی کے لئے دو دانت شہید کئے، غزوہ ذات السلاسل میں حضرت عمرو بن العاصؓ سے اختلاف ہوا تو صرف اس لئے طوقِ اطاعت گلے میں ڈال لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاق باہمی کی ہدایت کی تھی اور فرمایا کہ میں تمھاری اطاعت

---

[۱] مسند ج ۱ ص ۱۹۶

نہین کرتا بلکہ فرمانِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر گردن جھکاتا ہون،[1]

امینِ امت کا آخری لمحۂ حیات بھی اطاعتِ رسول مین گذرا، شام مین طاعون کی شدت ہوئی تو بڑے بڑے ثابت قدم بزرگون کے پاؤن ڈگمگا گیے، لیکن انھون نے صرف اس وجہ سے ٹلنے کا نام نہ لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھاگنے کی ممانعت کی تھی، حضرت ابو عبیدہ رضؓ زہد و بے نیازی کے بادشاہ تھے، ان کی نظر مین دنیا اور اس کی نعمتین ایک حقیر ذرہ سے بھی زیادہ بے وقعت تھین؛

شام کی آب و ہوا نے بڑے بڑے صحابہ کے طرزِ معاشرت کو بدل دیا تھا چنانچہ حضرت عمرؓ نے سفرِ شام کے موقع پر افسرون کو پر تکلف قبائین اور زرق برق پوشاک پہنے دیکھا تو اس قدر غصہ ہوئے کہ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکنے لگے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتین اختیار کر لین لیکن حضرت ابو عبیدہؓ جس حال مین ملے وہ وہی عرب کی سادگی تھی، بدن پر سادہ کپڑے اور سواری مین اونٹنی جس کی نکیل بھی معمولی رسی کی تھی، حضرت عمرؓ ان کے قیام گاہ پر تشریف لائے تو وہان اس سے بھی زیادہ سادگی تھی، یعنی ڈھال، تلوار اور اونٹ کے کجاوہ کے سوا کوئی سامانِ راحت نہ تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا "ابو عبیدہؓ! کاش تم ضروری سامان تو فراہم کر لیتے"، اس بے نیازِ عالم نے جواب دیا "امیر المومنین! ہمارے لئے یہی بس ہے"،[2]

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس چار سو دینار اور چار ہزار درہم بطور انعام بھیجے، انھون نے تمام رقم فوج مین تقسیم کر دی اور اپنے لئے ایک حبہ بھی نہ رکھا حضرت عمرؓ نے سنا تو فرمایا "الحمد للہ کہ اسلام مین ایسے لوگ بھی موجود ہین"[3]

امینِ امت کی خاکساری اور تواضع کا اس سے اندازہ ہوگا کہ انھون نے باوجود سپہ سالارِ اعظم ہونے کے جاہ و حشم سے کبھی سروکار نہ رکھا، رومی سفرا جب کبھی اسلامی لشکر گاہ مین آتے تو انھین ہمیشہ

[1] مسند جلد ۱ ص ۱۹۶ [2] اصابہ جلد ۴ ص ۱۲ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۳۰۱

سردارِ فوج کی شناخت میں وقت پیش آئی، ایک دفعہ ایک رومی قاصد آیا، وہ یہ دیکھکر متحیر ہوگیا کہ یہاں سب ایک ہی رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں، بالآخر اس نے گھبراکر پوچھا تمھارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کی طرف اشارہ کیا، دیکھا تو ایک نہایت معمولی وضع قطع کا عرب فرشِ خاک پر بیٹھا ہے،

مساواتِ اسلامی کا حد درجہ خیال تھا، ان کے لشکرگاہ میں ایک معمولی مسلمان سپاہی کو بھی وہی عزت حاصل تھی جو ایک بڑے سے بڑے سردار کو ہوسکتی ہے، ایک دفعہ ایک مسلمان نے غنیم کے ایک سپاہی کو پناہ دی، حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس کے تسلیم کرنے سے انکار کردیا، لیکن سپہ سالارِ اعظم حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے فرمایا "ہم اس کو پناہ دیتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک مسلمان سب کی طرف سے پناہ دے سکتا ہے"[1]

حضرت ابوعبیدہؓ کا خلق وترحم تمام خلق اللہ کے لئے عام تھا، شام میں ان کی شفقت اور رعایا پروری نے عیسائیوں کو بھی مرہونِ منت بنا رکھا تھا، وہاں عیسائیوں کو نماز کے وقت ناقوس بجانے کی اور عام گذرگاہوں میں صلیب نکالنے کی سخت ممانعت تھی لیکن انھوں نے عرضی پیش کی کہ کم سے کم سال میں ایک دفعہ عید کے روز صلیب نکالنے کی اجازت دی جائے حضرت ابو عبیدہؓ نے خوشی کے ساتھ یہ درخواست منظور کرلی، اس رواداری کا یہ اثر ہوا کہ شامی خود اپنے ہم مذہب رومیوں کے دشمن ہوگئے اور خوشی کے ساتھ جاسوسی اور خبر رسانی کے فرائض انجام دینے لگے،

حضرت ابوعبیدہؓ کی خانگی زندگی کے حالات نامعلوم ہیں تاہم اس قدر یقینی ہے کہ جذبۂ انقطاع الی اللہ نے بیوی بچوں سے غیر معمولی شغف پیدا ہونے نہ دیا،

---

[1] مسند جلد ۱ ص ۱۹۵

حلیہ — حلیہ یہ تھا، قد لمبا، جسم نحیف و لاغر، چہرہ کم گوشت، سامنے کے دو دانت خدمت رسول میں قربان ہو گئے تھے، ڈاڑھی گھنی نہ تھی اور بعض روایات کے مطابق خضاب استعمال کرتے تھے،

اولاد و ازواج — حضرت ابو عبیدہ رضہ کی صرف دو بیویوں سے اولاد ہوئی، ہند بنت جابر سے یزید اور ورجا سے عمیر پیدا ہوئے، لیکن دونوں لاولد فوت ہوئے،

حضرت سعید بن زید رضہ

نام، نسب، خاندان — سعید نام ابو الاعور کنیت، والد کا نام زید اور والدہ کا نام فاطمہ بنت بعجہ تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بن عبد العزی بن ریاح بن عبد اللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی القرشی العدوی،

حضرت سعید بن زید رضہ کا سلسلۂ نسب کعب بن لوی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نفیل پر حضرت عمر رضہ سے مل جاتا ہے، حضرت سعید رضہ کے والد زید ان سعادت مند بزرگوں میں تھے جن کی آنکھوں نے اسلام سے پہلے ہی کفر و شرک کے ظلمت کدہ میں توحید کا جلوہ دیکھا تھا اور ہر قسم کے فسق و فجور یہاں تک کہ مشرکین کے ذبیحہ سے بھی محترز رہے تھے، چنانچہ ایک دفعہ ان سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بعثت وادی بلدح[1] میں ملاقات ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا پیش کیا گیا تو آپ نے انکار فرمایا، پھر زید سے کہا گیا تو انھوں نے بھی انکار کیا اور کہا، میں تمھارے بتوں کا چڑھایا ہوا ذبیحہ نہیں کھاتا،[2]

زید کا دل کفر و شرک سے متنفر ہوا تو جستجوے حق میں دور دراز ممالک کی خاک چھانی، اور شام پہنچکر ایک یہودی عالم سے مقصود کی رہبری چاہی، اس نے کہا اگر خدا کے غضب میں حصہ

[1] تنعیم کی راہ میں ایک مقام کا نام تھا فتح الباری جلد ۷، ص ۱۸۰۔ [2] بخاری باب حدیث زید بن

لینا ہے تو ہمارا مذہب حاضر ہے"۔ زید نے کہا "میں اسی سے بھاگا ہوں، پھر اس میں گرفتار نہیں ہو سکتا البتہ کوئی دوسرا مذہب بتا سکتے ہو تو بتاؤ"۔ اس نے دین حنیف کا پتہ دیا، انھوں نے پوچھا "دین حنیف کیا ہے"، بولا "دین حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب ہے جو نہ یہودی تھے، نہ عیسائی بلکہ صرف خدائے واحد کی پرستش کرتے تھے، یہاں سے بڑھے تو ایک عیسائی عالم سے چارہ خواہ ہوئے، اس نے کہا "اگر خدا کی لعنت کا طوق چاہتے ہو تو ہمارا مذہب موجود ہے"۔ زید نے کہا "خدارا کوئی ایسا مذہب بتاؤ جس میں نہ خدا کا غضب ہو، نہ لعنت، میں ان دونوں سے بھاگتا ہوں"، بولا "میرے خیال میں ایسا مذہب صرف دین حنیف ہے"۔ غرض جب ہر جگہ سے دین ابراہیم کا پتہ ملا تو شام سے واپس ہوئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا "خدایا! تجھے گواہ بناتا ہوں کہ اب میں دین حنیف کا پیرو ہوں"[1]۔

زید کو اس کفرستان میں اپنے موحد ہونے کا نہایت فخر تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ زید کو دیکھا کہ کعبہ سے پشت ٹیک کر کہہ رہے تھے "اے گروہ قریش! خدا کی قسم میرے سوا تم میں کوئی بھی دین ابراہیم پر قائم نہیں ہے"[2]۔

ایام جاہلیت میں اہل عرب عموماً اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، لیکن خدائے واحد کے اس تنہا پرستار کو ان معصوم ہستیوں کے بچانے میں خاص لطف حاصل ہوتا تھا، اور جب کوئی ظالم باپ اپنی بے گناہ بچی کے حلق پر چھری پھیرنا چاہتا تھا تو اس کی کفالت اپنے ذمہ لے لیتے اور جب جوان ہو جاتی تو اس کے باپ سے کہتے "جی چاہے لے لو یا میری ہی کفالت میں رہنے دو"[3]۔

اسلام | جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین حنیف کو زیادہ مکمل صورت میں دوبارہ دنیا کے سامنے پیش کیا اور دعوت توحید شروع کی، تو گو اس کے سچے شیدائی زید ہستی پر موجود نہ تھے تاہم

[1] بخاری باب حدیث زید میں مفصل قصہ مذکور ہے، [2] ایضاً [3] ایضاً

ان کے فرزند سعیدؓ کے لیئے یہ آواز بالکل مانوس تھی، انھون نے نہایت جوش کے ساتھ لبیک کہا اور اپنی نیک بخت بیوی کے ساتھ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے،

حضرت سعیدؓ کی بیوی حضرت فاطمہؓ حضرت عمرؓ کی حقیقی بہن تھین لیکن وہ خود اس وقت تک اسلام کی حقیقت سے ناآشنا تھے، بہن اور بہنوئی کی تبدیل مذہب کا حال سنکر نہایت برافروختہ ہوئے اور دونون میان بیوی کو اس قدر مارا کہ لہولہان ہوگئے، لیکن یہان کچھ ایسی وارفتگی تھی کہ اس تمام زدوکوب کا صرف یہی ایک جواب تھا ؎

من زجانان گرچہ صد اندوہ جان آہم کشید ... تانہ پنداری کہ خود را برکران خواہم کشید

یہان تک کہ ان بزرگون کی اسی استقامت و استقلال نے خود حضرت عمرؓ کو بھی اسلام کی حقانیت کا جلوہ دکھا دیا، اور بالآخر عمر بن الخطاب سے فاروقِ اعظمؓ بنا دیا،

ہجرت اور غزوات | حضرت سعیدؓ مہاجرین اولین کے ساتھ مدینہ پہنچے، اور حضرت رفاعہ بن عبد المنذرؓ انصاری کے مہمان ہوئے، کچھ دنون کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مین اور حضرت رافع بن مالکؓ انصاری مین بھائی چارہ کرادیا،[۵]

سنہ ۲ھ مین قریش مکہ کا وہ مشہور قافلہ جس کی وجہ سے جنگِ بدر پیش آئی ملک شام سے آرہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت طلحہؓ کو اس تجسس پر مامور فرمایا، یہ دونون حدود شام مین تجار پہنچکر کشد جہنی کے مہمان ہوئے اور جب قافلہ وہان سے آگے بڑھا تو نظر بچاکر تیزی کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری کیفیت سے مطلع کرین، لیکن قافلہ نے کچھ سن گن پاکر ساحلی راستہ اختیار کیا، اور کفارِ قریش کی ایک بڑی جمعیت جو اس کی مدد کے لئے آئی تھی، اور پرستارانِ حق کے درمیان بدر کے میدان مین وہ مشہور معرکہ پیش آیا جس نے

---

[۱] ابن سعد قسم اول جزو ۳ ص ۱۹۲ [۲] طبقات ابن سعد حصہ ۳ ترجمہ سعید بن زیدؓ

اسلام کو ہمیشہ کے لئے سربلند کردیا،

غرض جس وقت حضرت سعیدؓ مدینہ پہنچے اس وقت غازیانِ دین فاتحانہ سرور و انبساط کے ساتھ میدانِ جنگ سے واپس آرہے تھے چونکہ یہ بھی ایک خدمت پر مامور تھے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدر کے مالِ غنیمت میں حصہ مرحمت فرمایا اور جہاد کے ثواب سے بھی بہرہ ور ہونے کی بشارت دی[1]

حضرت سعیدؓ جنگِ بدر کے سوا تمام غزوات میں مردانگی و شجاعت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے، لیکن افسوس ہے کہ کسی غزوہ کے متعلق کوئی تفصیلی واقعہ نہیں ملتا،

عہدِ فاروقی میں جب شام پر باقاعدہ فوج کشی ہوئی تو حضرت سعیدؓ حضرت ابوعبیدہؓ کے ماتحت پیدل فوج کی افسری پر متعین ہوئے، دمشق کے محاصرہ اور یرموک کی فیصلہ کن جنگ میں نمایاں شجاعت و جانبازی کے ساتھ شریکِ کارزار تھے، اثنائے جنگ میں حضرت ابوعبیدہؓ نے ان کو دمشق کی گورنری پر مامور کیا، لیکن شوقِ جہاد نے اس سے بیزار کردیا، حضرت ابوعبیدہؓ کو لکھا کہ میں ایسا ایثار نہیں کرسکتا کہ آپ لوگ جہاد کریں اور میں اس سے محروم رہوں، اس لئے خط پہنچنے کے ساتھ کسی کو میری جگہ بھیج دیجئے میں عنقریب آپ کے پاس پہنچتا ہوں، حضرت ابوعبیدہؓ نے مجبور ہوکر حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کو دمشق پر متعین کیا اور حضرت سعیدؓ پھر میدانِ رزم میں پہنچ گئے،

وفات | فتحِ شام کے بعد حضرت سعیدؓ کی تمام زندگی نہایت سکون و خاموشی سے بسر ہوئی، یہاں تک کہ ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں ستر برس تک اس سرائے فانی میں رہ کر رحلت گزینِ عالمِ جاودان ہوئے، چونکہ نواحِ مدینہ میں بمقام عقیق آپ کا مستقل مسکن تھا اس لئے وہیں وفات پائی، جمعہ کا دن تھا حضرت

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ سعید بن زیدؓ، [2] ایضاً حصہ بدریین تذکرہ سعید بن زیدؓ،

عبداللہ بن عمرؓ نمازِ جمعہ کی تیاری کر رہے تھے کہ وفات کی خبر سنی اُسی وقت عقیق کی طرف روانہ ہوگئے، حضرت سعد وقاصؓ نے غسل دیا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور مدینہ لاکر سپردِ خاک کیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، [۱]

ذاتی حالات اور اخلاق وعادات

حضرت سعیدؓ کا دل دنیاوی جاہ وحشمت سے مستغنی تھا، صرف مقام عقیق کی جاگیر پر گذر اوقات تھی، آخر مین حضرت عثمانؓ نے عراق مین بھی ایک جاگیر دی تھی،

امیر معاویہؓ کے عہد مین اروی نام ایک عورت نے جس کی زمین ان کی جاگیر سے ملی ہوئی تھی مدینہ کے عامل مروان بن حکم کے دربار مین شکایت کی کہ انھون نے اس کی کچھ زمین دبا لی ہے، مروان نے تحقیقات کے لئے دو آدمی متعین کئے، حضرت سعیدؓ کو خبر ہوئی تو انھون نے کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو اپنے مال کے آگے قتل ہو وہ شہید ہے" پھر مروان سے کہا، کیا تم خیال کرتے ہو کہ مین نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے؟ حالانکہ مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اگر کوئی کسی کی ایک بالشت زمین بھی ظلم وزبردستی سے لے گا تو ویسی ویسی سات زمینین قیامت مین اس کے گلے کا ہار ہون گی" مروان نے قسم کھانے کو کہا تو یہ اپنی زمین سے باز آگئے اور اس عورت کے حق مین بددعا کے طور پر فرمایا "اے خدا! اگر یہ جھوٹی ہے تو اندھی ہوکر مرے اور اس کے گھر کا کنوان خود اس کے لئے قبر بنے" خدا کی قدرت بددعا کا تیر ٹھیک نشانہ پر لگا، وہ عورت بہت جلد بصارت کی نعمت سے محروم ہوگئی اور ایک روز گھر کے کنوین مین گرکر راہی عدم ہوئی، چنانچہ یہ واقعہ اہل مدینہ کے لئے ضرب المثل ہوگیا، اور وہ عموماً یہ بددعا دینے لگے، اعماک اللہ کما اعمیٰ اروی، [۲]

---

[۱] طبقات ابن سعد حصہ بدریین تذکرہ سعید بن زیدؓ، [۲] استیعاب جلد ۲ ص ۵۵۴

حضرت سعیدؓ کے سامنے بہت سے انقلابات برپا ہوئے، بیسیون خانہ جنگیان پیش آئین اور گو وہ اپنے زہد و اتقاء کے باعث ان جھگڑون سے ہمیشہ کنارہ کش رہے تاہم جس کی نسبت جو رائے رکھتے تھے اس کو آزادی کے ساتھ ظاہر کرنے مین تامل نہین کرتے تھے، حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تو وہ عموماً کوفہ کی مسجد مین فرمایا کرتے تھے "تم لوگون نے عثمانؓ کے ساتھ جو سلوک کیا، اس سے اگر کوہ احد متزلزل ہو جائے تو کچھ عجب نہین[1]"،

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ امیر معاویہؓ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے، ایک روز وہ جامع مسجد مین عوام کے ایک حلقہ مین بیٹھے تھے کہ حضرت سعید بن زیدؓ داخل ہوئے تو انھون نے نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اپنے پاس بیٹھایا، اسی اثناء مین ایک دوسرا آدمی اندر آیا اور حضرت علیؓ کی شان مین نالائم کلمات استعمال کرنے لگا، حضرت سعیدؓ سے ضبط نہ ہو سکا بولے "مغیرہ! مغیرہ! لوگ تمھارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثارون کو گالیان دیتے ہین اور تم منع نہین کرتے، اس کے بعد اصحاب عشرہؓ مین سے آٹھ آدمیون کا نام لیکر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی ہے اور اگر چاہو تو نوین آدمی کا نام بھی لے سکتا ہون" لوگون نے اصرار کیا تو فرمایا نوان مین ہون[2]،

حضرت سعیدؓ کے حالات بہت کم معلوم ہین تاہم وہ بالاتفاق ان صحابہ کرامؓ مین تھے جو آسمان اسلام کے مہر و ماہ ہین، وہ لڑائیون مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے رہتے تھے اور نماز مین پیچھے[3]،

حلیہ یہ تھا قد لانبا بال بڑے بڑے اور گھنے،

اہل و عیال | حضرت سعیدؓ نے مختلف اوقات مین متعدد شادیان کی تھین، بیویون کے نام یہ ہین،

[1] بخاری باب اسلام سعید بن زیدؓ [2] مسند جلد ۱ ص ۱۸۸ [3] اسد الغابہ ترجمہ سعید بن زیدؓ

فاطمہ (ام ابیہا) جلیسہ بنت سوید، ماتہ بنت الدیح، حزمہ بنت قیس، ام الاسود، ضیح بنت الاصبغ، بنت قربہ، ام خالد، ام بشیر بنت ابی مسعود الغفاری،

ان بیویوں نیز لونڈیوں کے بطن سے نہایت کثرت کے ساتھ اولاد ہوئی، لیکن ان میں سے اکثر لاولد ہوئی، جن لڑکوں اور لڑکیوں کے نام معلوم ہوسکے، وہ علیحدہ علیحدہ درج ذیل ہیں،

لڑکے | عبد الرحمٰن اکبر، عبد الرحمٰن اصغر، عبد اللہ اکبر، عبد اللہ اصغر، عمر اکبر، عمر اصغر، محمد، اسود، زید، طلحہ، خالد، ابراہیم اکبر، ابراہیم اصغر،

لڑکیاں | عاتکہ، ام موسیٰ، ام الحسن، ام سلمیٰ، ام حبیب کبریٰ، ام حبیب صغریٰ، ام زید کبریٰ، ام زید صغریٰ، ام سعید، ام سلمہ، حفصہ، ام خالد، عائشہ، زینب، ام عبد الحولاء، ام صلح[1]،

سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضؓ

نام، نسب | حمزہ نام، ابو یعلیٰ اور ابو عمارہ کنیت، اسد اللہ لقب، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے، ان کی طرف سے یہ تعلق تھا کہ ان کی والدہ ہالہ بنت وہیب، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ کی چچازاد بہن تھیں، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے حمزہ بن عبد المطلب بن ہاشم ابن عبد مناف بن قصی،

اس نسبی تعلق کے علاوہ حضرت حمزہؓ آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے، یعنی ابولہب کی لونڈی حضرت ثوبیہؓ نے دونوں کو دودھ پلایا تھا، سن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو برس بڑے تھے، شمشیر زنی، تیر اندازی اور پہلوانی کا بچپن ہی سے شوق تھا، سیر و شکار سے بھی غیر معمولی دلچسپی تھی، چنانچہ زندگی کا بڑا حصہ اسی مشغلہ میں بسر ہوا،

[1] ازواج و اولاد کی تمام تفصیل طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث سے ماخوذ ہے،

اسلام | دعوتِ توحید کی صدا گو ایک عرصہ سے مکہ کی گھاٹیوں میں گونج رہی تھی، تاہم حضرت حمزہؓ جیسے سپاہی منش کو ان باتوں سے کیا تعلق؟ انھیں صحرا نوردی اور سیر و شکار سے کب فرصت تھی جو شرک و توحید کی حقانیت پر غور کرتے لیکن خدا نے عجیب طرح سے ان کی رہنمائی کی، ایک روز حسب معمول شکار سے واپس آرہے تھے، کوہِ صفا کے پاس پہنچے تو ایک لونڈی نے کہا ابو عمارہ! کاش تھوڑی دیر پہلے تم اپنے بھتیجے محمدؐ کا حال دیکھتے، وہ خانۂ کعبہ میں اپنے مذہب کا وعظ کہہ رہے تھے کہ ابو جہل نے نہایت سخت گالیاں دیں اور بہت بری طرح ستایا لیکن محمدؐ نے کچھ جواب نہ دیا اور بے بسی کے ساتھ لوٹ گئے، یہ سننا تھا کہ رگِ حمیت میں جوش آگیا، تیزی کے ساتھ خانۂ کعبہ کی طرف بڑھے، ان کا قاعدہ تھا کہ شکار سے واپس آتے ہوئے کوئی راہ میں مل جاتا تو کھڑے ہو کر ضرور اس سے دو دو باتیں کر لیتے تھے لیکن اس وقت جوشِ انتقام نے مغلوب الغضب کر دیا تھا، کسی طرف متوجہ نہ ہوئے اور سیدھے خانۂ کعبہ پہنچ کر ابو جہل کے سر پر زور سے اپنی کمان دے ماری جس سے وہ زخمی ہو گیا، یہ دیکھ کر بنی مخزوم کے چند آدمی ابو جہل کی مدد کے لئے دوڑے اور بولے، حمزہ شاید تم بھی بد دین ہو گئے، فرمایا وہ جب اس کی حقانیت مجھ پر ظاہر ہو گئی تو کون چیز اس سے باز رکھ سکتی ہے؟[1] ہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ خدا کے رسول ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں سب حق ہے، خدا کی قسم اب میں اس سے پھر نہیں سکتا، اگر تم سچے ہو تو مجھے روک کر دیکھو، ابو جہل نے کہا ابو عمارہ کو چھوڑ دو، خدا کی قسم میں نے ابھی اس کے بھتیجے کو سخت گالیاں دی ہیں،

یہ اسلام کا وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین تھے اور مومنین کا حلقہ صرف چند کمزور و ناتوان ہستیوں پر محدود تھا، لیکن حضرت حمزہؓ کے اضافہ سے دفعۃً حالت بدل گئی اور کفار کی مطلق العنان دست درازیوں اور ایذا رسانیوں کا سدِ باب ہو گیا،

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۹۳،

کیونکہ ان کی شجاعت وجانبازی کا تمام مکہ لوہا مانتا تھا،[1]

حضرت امیر حمزہؓ کے اسلام لانے کے بعد ایک روز حضرت عمرؓ نے آستانۂ نبوی پر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف تھے، اس لئے صحابۂ کرامؓ کو تردد ہوا لیکن اس شیر خدا نے کہا "کچھ مضائقہ نہیں آنے دو اگر مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کردوں گا" غرض وہ اندر داخل ہوئے تو کلمۂ توحید ان کی زبان پر تھا اور مسلمان جوش مسرت سے اللہ اکبر کے نعرے بلند کر رہے تھے،[2]

مواخات | مکہ کی مواخات میں حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب غلام حضرت زید بن حارثہ حضرت حمزہؓ کے اسلامی بھائی قرار پائے، ان کو حضرت زیدؓ سے اس قدر محبت ہوگئی تھی کہ جب غزوات میں تشریف لیجاتے تو ان ہی کو ہر قسم کی وصیت کر جاتے تھے،[3]

ہجرت | بعثت کے تیرہویں سال تمام صحابۂ کرامؓ کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ پہنچے، جہاں ان کو زور بازو اور خداداد شجاعت کے جوہر دکھانے کا نہایت اچھا موقع ہاتھ آیا، چنانچہ پہلا اسلامی پھریرا ان ہی کو عنایت ہوا، اور تیس آدمیوں کے ساتھ ساحلی علاقہ کی طرف روانہ کئے گئے کہ قریشی قافلوں کے سدِ راہ ہوں، غرض وہاں پہنچکر ابو جہل کے قافلہ سے جس میں تین سو سوار تھے مٹ بھیڑ ہوئی اور طرفین نے جنگ کے لئے صف بندی کی، لیکن مجدی بن عمرو الجہنی نے بیچ بچاؤ کرکے لڑائی روک دی اور حضرت امیر حمزہؓ بغیر کشت وخون واپس آئے،[4]

غزوات | اسی سال ماہ صفر میں خود حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلی دفعہ تقریباً ساٹھ صحابۂ کرامؓ کے ساتھ قریش مکہ کی نقل وحرکت میں سدِ راہ ہونے کے لئے ابوا پر فوج کشی فرمائی، حضرت حمزہؓ علمبردار تھے اور تمام فوج کی کمان ان کے ہاتھ میں تھی لیکن قریش کا قافلہ آگے

---

[1] اسد الغابہ تذکرۂ حمزہؓ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ۳ ص ۱۹۰ [3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث،

[4] طبقات ابن سعد حصۂ مغازی ص ۲،

بڑھ چکا تھا، اس لئے جنگ و جدل کا موقع پیش نہ آیا تاہم اس مہم کا سب سے زیادہ نتیجہ خیز اثر یہ تھا کہ بنو ضمرہ سے ایک دوستانہ معاہدہ طے پا گیا؛[1]

اسی طرح ۲ھ میں غزوہ عشیرہ میں آیا، اس میں بھی علمبرداری کا طرۂ افتخار حضرت امیر حمزہؓ کے دستِ فضل و کمال پر آویزاں تھا، لیکن اس دفعہ بھی کوئی جنگ واقع نہ ہوئی اور صرف بنو مدلج سے امداد باہمی کا ایک عہدنامہ طے پایا؛[2]

غزوۂ بدر اسی سال بدر کا مشہور معرکہ پیش آیا، صف آرائی کے بعد عتبہ، شیبہ، اور ولید نے کفار کی طرف سے نکل کر مبارز طلبی کی تو غازیانِ دین میں سے چند انصاری نوجوان مقابلہ کے لئے آگے بڑھے لیکن عتبہ نے پکار کر کہا "محمدؐ! ہم ناجنسوں سے نہیں لڑ سکتے ہمارے مقابل والوں کو بھیجو" ارشاد ہوا "حمزہ! علی! ابوعبیدہ! اٹھو اور آگے بڑھو، حکم کی دیر تھی کہ یہ تینوں نبرد آزما بہادر نیزے ہلاتے ہوئے اپنے حریف کے مقابل جا کھڑے ہوئے، حضرت حمزہؓ نے پہلے ہی حملہ میں عتبہ کو واصلِ جہنم کیا، حضرت علیؓ بھی اپنے حریف پر غالب آئے، لیکن حضرت ابوعبیدہؓ اور ولید میں دیر تک کشمکش جاری رہی؛ وہ زخمی ہو گئے تو ان دونوں نے ایک ساتھ حملہ کر کے اس کو تہ تیغ کر دیا،[3]

یہ دیکھ کر طعیمہ بن عدی جوشِ انتقام میں آگے بڑھا لیکن شیرِ خدا نے ایک ہی وار میں اس کو بھی ڈھیر کر دیا، مشرکین نے طیش میں آکر عام ہلہ کر دیا، دوسری طرف سے مجاہدینِ اسلام بھی اپنے دلاوروں کو نرغہ میں دیکھ کر ٹوٹ پڑے، نہایت گھمسان کا رن پڑا، اسد اللہ حمزہؓ کے دستار پر شتر مرغ کی کلغی تھی، اس لئے جس طرف گھس جاتے تھے صاف نظر آتے تھے، دونوں ہاتھ میں تلوار تھی اور مردانہ وار دودستی حملوں سے پرے کے پرے صاف کر رہے تھے

غرض جب تھوڑی دیر میں غنیم بہت سے قیدی اور مالِ غنیمت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا تو بعض قیدیوں نے پوچھا "یہ کلغی لگائے کون ہے؟" لوگوں نے کہا "حمزہؓ!" بولا "آج ہم کو سب سے زیادہ نقصان اسی نے پہنچایا"،[4]

غزوۂ بنی قینقاع بنو قینقاع نام اطرافِ مدینہ میں یہودیوں کی ایک جماعت تھی، چونکہ یہ عبد اللہ بن

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۳ [2] ایضاً ص ۵ یعقوبی ص ۳ [3] ابوداؤد جلد ۱ ص ۳۶۲ [4] اسد الغابہ تذکرہ حمزہؓ،

ابی سلول کے حلیف تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستانہ معاہدہ طے پاگیا تھا لیکن غزوۂ بدر کی کامیابی نے ان کے دلوں میں رشک وحسد کی آگ بھڑکا دی، اور علانیہ سرکشی پر آمادہ ہوگئے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عہد شکنی کے باعث اسی سال ماہ شوال میں ان پر فوجکشی فرمائی، اور بزور اطراف مدینہ سے جلاوطن کردیا، حضرت حمزہؓ اس معرکہ میں بھی علمبرداری کے منصب پر مامور تھے[1]،

غزوۂ احد بدر کی شکست فاش نے مشرکین قریش کے توسن غیرت کے لئے تازیانہ کا کام کیا، اور جوش انتقام سے برانگیختہ ہوکر ۳ھ میں قریش کا سیلاب عظیم پھر مدینہ کی طرف بڑھا، حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثاروں کے ساتھ نکل کر کوہ احد کے دامن میں، اس کو روکا، ۷ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی، کفار کی طرف سے سباع نے بڑھ کر مبارز طلبی کی تو حضرت امیر حمزہؓ اپنی شمشیر خاراشگاف تولتے ہوئے میدان میں آئے اور للکار کر کہا "اے سباع! اے ام انمار مقنعہ بظر کے بچے! کیا تو خدا اور اس کے رسول سے لڑنے آیا ہے" یہ کہکر اس زور سے حملہ کیا کہ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام ہوگیا[2]، اس کے بعد گھمسان کی جنگ شروع ہوئی، اس شیر خدا نے روباہ کفر کے ٹڈی دل میں گھس کر کشتوں کے پشتے لگادیئے، اور جس طرف جھک پڑے صفیں کی صفیں الٹ دیں، غرض اس جوش سے لڑے کہ تنہا تیس کافروں کو واصل جہنم کردیا[3]،

شہادت حضرت امیر حمزہؓ نے چونکہ جنگ بدر میں چن چن کر اکثر صنادید قریش کو تہ تیغ کیا تھا، اس لئے تمام مشرکین قریش سب سے زیادہ ان کے خون کے پیاسے تھے، چنانچہ جبیر بن مطعم نے ایک غلام کو جس کا نام وحشی تھا اپنے چچا طعیمہ بن عدی کے انتقام پر خاص طور سے تیار کیا تھا اور اس صلہ میں آزادی کا لالچ دلایا تھا، غرض وہ جنگ احد کے موقع پر ایک چٹان کے پیچھے گھات میں بیٹھا ہوا حضرت حمزہؓ کا انتظار کررہا تھا، اتفاقاً وہ ایک دفعہ قریب سے گذرے تو اس نے اچانک اس زور سے اپنا حربہ پھینک کر

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۹ [2] بخاری کتاب المغازی باب قتل حمزہؓ [3] اسد الغابہ تذکرہ حمزہؓ،

مارا کہ دو ٹکڑے ہو کر گر پڑے[۱]۔ اس شیرِ خدا کی شہادت پر کفار کی عورتون نے خوشی ومسرت کے ترانے گائے، ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے ناک کان کاٹ کر زیور بنائے، بلکہ شکم چاک کر کے جگر نکالا اور چبا چبا کر تھوک دیا حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو پوچھا در کیا اس نے کچھ کھایا بھی ہے؟ لوگون نے عرض کی نہین، فرمایا خدا حمزہ کے کسی جزو کو جہنم مین داخل ہونے نہ دیتا[۲]،

تجہیز وتکفین اختتام جنگ کے بعد شہداے اسلام کی تجہیز وتکفین شروع ہوئی، حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عم محترم کی لاش پر تشریف لائے، چونکہ ہندہ نے ناک، کان کاٹ کر کے نہایت دردناک صورت بنادی تھی، اس لیے یہ منظر دیکھ کر بے اختیار دل بھر آیا، اور مخاطب ہو کر فرمایا تم پر خدا کی رحمت ہے، کیونکہ تم رشتہ دارون کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے، نیک کامون مین پیش پیش رہتے تھے، اگر مجھے صفیہ کے رنج وغم کا خیال نہ ہوتا تو مین تمھین اسی طرح چھوڑ دیتا کہ درند اور پرند کھا جائین اور تم قیامت مین ان ہی کے شکم سے اٹھائے جاؤ، خدا کی قسم مجھ پر تمھارا انتقام واجب ہے، مین تمھارے عوض ستر کافرون کا مثلہ کردون گا، لیکن تھوڑے ہی دیر کے بعد وحی الٰہی نے اس ناجائز انتقام کی ممانعت کردی، اس لیے کفارۂ یمین ادا کر کے صبر وشکیبائی اختیار فرمائی[۳]،

حضرت صفیہؓ حضرت امیر حمزہؓ کی حقیقی بہن تھین، بھائی کی شہادت کا حال سنا تو روتے ہوے جنازہ کے پاس آئین، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھنے نہ دیا اور تسلی وتشفی دیکر واپس فرمایا، حضرت صفیہؓ اپنے صاحبزادہ حضرت زبیرؓ کو دو چادرین دے گئی تھین کہ ان سے کفن کا کام لیا جائے لیکن پہلو مین ایک انصاری کی لاش بھی بے گور وکفن تھی، اس لیے انھون نے دونون شہدائے ملت مین ایک ایک چادر تقسیم کردی، اس ایک چادر سے سر چھپایا جاتا تو پاؤن کھل جاتے اور پاؤن چھپائے جاتے تو سر برہنہ ہوجاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چادر سے چہرہ چھپاؤ اور پاؤن پر گھانس اور پتے ڈال دو، غرض

---

۱ بخاری کتاب باب قتل حمزہؓ ۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ، ۳ ایضاً ص ،

اس عبرت انگیز طریقہ سے سید الشہداء کا جنازہ تیار ہوا، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز پڑھائی، اس کے بعد ایک ایک کرکے شہداء احد کے جنازے ان کے پہلو میں رکھے گئے اور آپ نے علیحدہ علیحدہ ہر ایک پر نماز پڑھائی، اس طرح تقریباً ستر نمازوں کے بعد غازیانِ دین نے بصد اندوہ والم اس شیرِ خدا کو اسی میدان میں سپردِ خاک کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون،[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حزن وملال

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سانحہ پر شدید قلق تھا، مدینہ منورہ تشریف لائے اور بنی عبد اشہل کی عورتوں کو اپنے اپنے اعزہ واقارب پر روتے سنا تو فرمایا "افسوس! حمزہؓ کے لئے رونے والیاں بھی نہیں" انصار نے یہ سن کر اپنی عورتوں کو آستانہ نبوت پر بھیجدیا، جنھوں نے نہایت رقت آمیز طریقہ سے سید الشہداءؓ پر گریہ وزاری شروع کی، اسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ لگ گئی، کچھ دیر کے بعد بیدار ہوئے تو دیکھا کہ وہ اب تک رو رہی ہیں، فرمایا کیا، "خوب! یہ سب اب تک یہیں بیٹھی رو رہی ہیں، انھیں حکم دو کہ واپس جائیں اور آج کے بعد پھر کسی مرنے والے پر نہ روئیں"[2]، بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت سے مدینہ کی عورتوں کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ جب وہ کسی پر روتی تھیں تو پہلے حضرت امیر حمزہؓ پر دو آنسو بہالیتی تھیں،

قاتل سے بیزاری

حضرت حمزہؓ کے قاتل حضرت وحشیؓ اسلام قبول کرکے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر پوچھا، "کیا تم ہی وحشی ہو؟" عرض کی "ہاں" فرمایا "تم نے حمزہؓ کو قتل کیا تھا؟" بولے "حضور کو جو کچھ معلوم ہوا وہ صحیح ہے" ارشاد ہوا "کیا تم اپنا چہرہ مجھ سے چھپا سکتے ہو؟" عرض اسی وقت باہر آ نا پڑا اور پھر تمام عمر سامنے نہ جاسکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب مسیلمہ کذاب پر فوج کشی ہوئی تو یہ بھی اس میں شریک ہوئے کہ شاید میں اس کو قتل کرکے حمزہؓ کے نقصان کی تلافی کرسکوں، چنانچہ وہ اس ارادہ میں کامیاب ہوئے،[3] اسی طرح خدا نے ان کی ذات سے اسلام کو جس قدر

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۹ [2] ایضاً ص ۱۰ [3] بخاری باب قتل حمزہؓ

نقصان پہنچایا تھا اس سے زیادہ فائدہ پہنچایا،

اخلاق | حضرت امیر حمزہؓ کے اخلاق مین پسا ہیانہ فضائل نہایت نمایان ہین، شجاعت، جانبازی، اور بہادری ان کے مخصوص اوصاف تھے، مزاج قدرۃً تیز و تند تھا، شراب حرام ہونے سے پہلے اس کے عادی تھے، ایک دفعہ ایک انصار کے میخانہ مین صحبتِ احباب گرم تھی، اور دورِ ساغر کے ساتھ ایک رقاصہ کی خوش الحان راگنیون سے محفل کا رنگ جما ہوا تھا اسی حالت مین اس نے دو اونٹون کی طرف اشارہ کرکے جو سامنے بندھے ہوئے تھے یہ مصرعہ پڑھا،

الا یا حمز للشرف النواء

حضرت حمزہؓ نشہ کی مدہوشی مین بے اختیار کود پڑے اور دونون کے جگر اور کوہان کاٹ لائے، یہ اونٹ حضرت علیؓ کے تھے، انھون نے یہ حال دیکھا تو آبدیدہ ہوکر دربار نبوت مین شکایت پیش کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اور حضرت زید بن حارثہؓ کو ساتھ لئے ہوئے اسی وقت اس محفلِ طرب مین تشریف لائے اور حضرت حمزہؓ کو ملامت فرمانے لگے، لیکن یہان ہوش و حواس پر نشہ کا قبضہ ہو چکا تھا، انھون نے ایک دفعہ سر سے پاؤن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گھور کر دیکھا اور آنکھین لال پیلی کرکے بولے، "تم سب ہمارے باپ کے غلام ہو،" آپ نے مدہوشی کی یہ کیفیت دیکھی تو الٹے پاؤن لوٹ آئے،[1]

حضرت امیر حمزہؓ رشتہ دارون کے ساتھ حسن سلوک اور تمام نیک کامون مین ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے، چنانچہ شہادت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاش سے مخاطب ہوکر اس طرح ان محاسن کی داد دی تھی،

رحمۃ اللہ علیک فانک کنت ما علمت — تم پر خدا کی رحمت ہو کیونکہ جہان تک مجھے معلوم ہے

---

[1] بخاری کتاب فرض الخمس،

وصولا للرحم فعو لا للخيرات[1] | نم قرابت دارون کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے نیک کامون مین پیش پیش رہتے تھے،

ازدواج واولاد | حضرت حمزہؓ نے متعدد شادیان کین، بیویون کے نام یہ ہین، بنت آلملہ، خولہ بنت قیس، سلمی بنت عمیس، ان مین سے ہر ایک کے بطن سے اولاد ہوئی، لڑکون کے نام یہ ہین، ابویعلی، عامر، عمارہ آخر الذکر دونون لاولد فوت ہوئے، ابویعلی سے چند اولادین ہوئین لیکن وہ سب بچپن ہی مین قضا کر گئین، اس طرح حضرت حمزہؓ کا سلسلہ نسل شروع ہی مین منقطع ہوگیا[2]،

سلمی بنت عمیس کے بطن سے امامہ نام ایک لڑکی بھی تھی فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مراجعت فرمائی تو بھائی بھائی کہکر اس نے پیچھا کیا، حضرت حمزہؓ کے رشتہ دارون مین سے حضرت علیؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ نے اس کو اپنی اپنی تربیت مین لینے کا دعوی پیش کیا لیکن آپ نے حضرت جعفرؓ کے حق مین فیصلہ دیا کیونکہ ان کی بیوی اسماء بنت عمیس، امامہ کی حقیقی خالہ تھین، حضرت علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امامہ سے شادی کرلینے کی ترغیب دی تھی لیکن آپ نے انکار کردیا اور فرمایا حمزہؓ میرا رضاعی بھائی تھا[3]

حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ

نام، نسب | عباس نام، ابو الفضل کنیت، والد کا نام عبدالمطلب اور والدہ کا نام نتیلہ تھا، شجرۂ نسب یہ ہے،

عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف الہاشمی القرشی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے لیکن عمر مین کچھ زیادہ فرق نہ تھا، غالباً حضرت عباسؓ

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۷، [2] ایضاً ص ۶، [3] ایضاً،

دو یا تین برس آپ سے پہلے پیدا ہوئے تھے[1]

ابتدائی حالات | حضرت عباسؓ عہدِ طفولیت میں ایک مرتبہ گم ہو گئے تھے، ان کی والدہ نے خانۂ کعبہ پر غلاف چڑھانے کی نذر مانی، چنانچہ ان کے صحیح و سلامت مل جانے کے بعد نہایت تزک و احتشام کے ساتھ یہ نذر پوری کی گئی، بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پہلی عرب خاتون تھیں، جنھوں نے ایامِ جاہلیت میں خانۂ کعبہ کو دیبا و حریر سے مزین کیا،[2]

زمانۂ جاہلیت میں وہ قریش کے ایک سربرآوردہ رئیس تھے، خانۂ کعبہ کا اہتمام و انصرام اور لوگوں کو پانی پلانے کا عہدہ ان کو اپنے والد عبد المطلب سے وراثت میں ملا تھا،[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعتِ نبوت عطا ہوا اور آپ نے مکہ میں علانیہ دعوتِ توحید کی صدا بلند فرمائی تو حضرت عباسؓ نے گو بظاہر ایک عرصہ تک بیعت کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا تاہم وہ دل سے اس تحریک کے حامی تھے، چنانچہ اہل یثرب نے جب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی اور زمانۂ حج میں بہتر[2] انصار نے کفار سے چھپ کر منیٰ کی ایک گھاٹی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تو اس رازداری کے موقع پر حضرت عباسؓ بھی موجود تھے، انھوں نے انصار سے خطاب کر کے کہا، گروہ خزرج! تم کو معلوم ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خاندان میں معزز و محترم رہے ہیں اور دشمنوں کے مقابلہ میں ہم نے ہمیشہ ان کی حفاظت کی ہے، اب وہ تمھارے پاس جانا چاہتے ہیں، اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی صاف جواب دیدو،[4] انصارؓ نے اس کے جواب میں جاں نثاری و وفا شعاری کی ہامی بھری اور اس کے کچھ عرصہ کے بعد ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے،

جنگِ بدر | مشرکین قریش کے مجبور کرنے پر ان کے ساتھ معرکۂ بدر میں شریک ہوئے، لیکن رسول اللہ

---

[1] استیعاب تذکرہ عباس بن عبد المطلب [2] اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۹ [3] ایضاً [4] سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۲۴۳

صلی اللہ علیہ وسلم حقیقتِ حال سے آگاہ تھے، آپ نے صحابۂ کرامؓ کو ہدایت فرمائی کہ اگر اثنائے جنگ میں ابو البختری، عباس اور دوسرے بنی ہاشم سامنے آجائیں تو قتل نہ کئے جائیں، کیونکہ وہ زبردستی میدان میں لائے گئے ہیں، حضرت ابو حذیفہؓ بول اٹھے کہ ہم اپنے باپ، بیٹے، بھائی سے درگذر نہیں کرتے تو بنی ہاشم میں کیا خصوصیت ہے؟ واللہ اگر عباس مجھ کو ہاتھ آئیں گے تو میں ان کو تلوار کی لگام دوں گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، ابو حفص! دیکھتے ہو عمِ رسولؐ کا چہرہ تلوار کے قابل ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا، "اجازت دیجئے کہ اس کا سر اڑا دوں"، لیکن حضرت ابو حذیفہؓ ایک بلند پایہ صحابی تھے، یہ جملہ اتفاقاً زبان سے نکل گیا تھا، آپ نے کچھ مواخذہ نہ فرمایا[۱]

اس جنگ میں دوسرے مشرکین قریش کے ساتھ حضرت عباسؓ، عقیلؓ اور نوفل بن حارث بھی گرفتار ہوئے تھے، اتفاق سے حضرت عباسؓ کی مشکیں اس قدر کسی کر باندھی گئی تھیں کہ وہ دردناک آواز کے ساتھ کراہ رہے تھے، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کراہ سن کر رات کو آرام نہ فرما سکے، صحابہ کرامؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ان کی مشکیں ڈھیلی کر دیں[۲]

اسیرانِ جنگ کے پاس کپڑے نہ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو کپڑے دلوائے، لیکن حضرت عباسؓ کا قد اس قدر اونچا تھا کہ کسی کا کرتا ان کے بدن پر ٹھیک نہیں اترتا تھا، عبد اللہ بن ابی نے کہ حضرت عباسؓ کا ہم قد تھا، اپنا کرتہ منگوا کر دیا،[۳] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق ہونے کے باوجود مرنے کے بعد اس کی لاش کو اپنا کرتہ پہنانے کے لئے دیا، وہ درحقیقت اسی احسان کا معاوضہ تھا،

دربارِ رسالت نے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا، چونکہ حضرت عباسؓ کی والدہ انصار کے ایک قبیلہ خزرج سے تھیں، اس لئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ عباسؓ ہمارے بھانجے ہیں ہم ان کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] ابن سعد قسم اول جز ۴ ص ۵، [۲] ایضاً ص ۶، [۳] طبقات ابن سعد قسم اول دور ربیع ص ،،

نے مساوات کی بنا پر گوارا نہیں فرمایا اور دولت مند ہونے کے باعث ان سے ایک بڑی رقم طلب فرمائی[۱]
حضرت عباسؓ نے ناداری کا عذر پیش کر کے کہا میں دل سے پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا، مشرکین نے مجھ کو بجبر اس جنگ میں شریک کیا، ارشاد ہوا کہ دل کا حال خدا جانتا ہے اگر آپ کا دعویٰ صحیح ہے تو خدا اس کا اجر دیگا، لیکن ظاہری حالت کے لحاظ سے کوئی رعایت نہیں ہو سکتی، ناداری کا عذر بھی قابلِ تسلیم نہیں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ مکہ میں ام الفضل کے پاس ایک بڑی رقم رکھ آئے ہیں، حضرت عباسؓ نے متعجب ہو کر کہا خدا کی قسم! اس رقم کا حال میرے اور ام الفضل کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا، بیشک آپ رسولِ خدا ہیں اور اپنی طرف سے نیز اپنے بھتیجے عقیل و نوفل بن حارث کی طرف سے گرانقدر فدیہ دے کر مخلصی حاصل کی،[۲]

تاخیر اسلام اور قیام مکہ کی غایت حضرت عباسؓ کا ایک عرصہ تک مکہ میں مقیم رہنا اور علانیہ دائرۂ اسلام میں داخل نہ ہونا درحقیقت ایک مصلحت پر مبنی تھا، وہ کفار مکہ کی نقل و حرکت اور ان کے رازہائے سربستہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دیتے تھے، نیز اس سرزمین کفر میں جو ضعفائے اسلام رہ گئے تھے ان کے لئے تنہا مامن و ملجا تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے جب کبھی رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ نے باز رکھا اور فرمایا کہ "آپ کا مکہ میں مقیم رہنا بہتر ہے، خدا نے جس طرح مجھ پر نبوت ختم کی ہے اسی طرح آپ پر ہجرت ختم کرے گا،"[۳]

گو حضرت عباسؓ نے عرصہ تک اپنے ایمان و عقیدہ کو مشرکین قریش سے مخفی رکھا تاہم وہ اپنے دلی رجحان کو چھپا نہ سکے، ایک مرتبہ حضرت حجاج بن علاطؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر مکہ آئے، اس زمانہ میں جنگ خیبر درپیش تھی، اور اہل مکہ نہایت بے چینی کے ساتھ اس کے نتیجہ پر آنکھیں لگائے ہوئے تھے، لوگوں نے ان کو مدینہ کی طرف سے آتے ہوئے دیکھ کر گھیر لیا اور جنگ کی خبر پوچھی

[۱] بخاری جلد ۲ ص ۵۷۰، [۲] مسند جلد ۱ ص ۳۵۳ [۳] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۱۰،

ہو ئے، خیبر کی جنگ میں مسلمانوں کو نہایت عبرت ناک شکست ہی، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گرفتار ہوئے، اور ان کے اکثر جان نثار قتل کئے گئے، میں اپنا مال لینے آیا ہون کہ دوسرے تاجر دن کو خبر نہ ہونے سے پہلے اہل خیبر سے تمام مالِ غنیمت خرید لون،

اس خبر سے یکایک تمام مکہ میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی، وادیٔ بطحاء کا ہر بچہ بادۂ انبساط سے مخمور ہو گیا، گھر گھر خوشی کے ترانے گائے جانے لگے، لیکن حضرت عباسؓ کا گھر ماتم کدہ تھا، وہ افسردہ دل اور مغموم صورت حجاج بن علاط سے تخلیہ میں ملے اور پوچھا، حجاج! کیا یہ خبر صحیح ہے؟" بولے "نہین! خدا کی قسم آپ کے لئے نہایت خوش آیند خبر ہے، خدا نے آپ کے بھتیجے کو خیبر پر کامل فتح عطا فرمائی، اکثر رؤسائے خیبر قتل کئے گئے، ان کا تمام مال و اسباب مجاہدین اسلام کے ہاتھ آیا اور میں نے رسول اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں چھوڑا کہ خیبر کی شہزادی داخلِ حرم ہو رہی تھی، میں اسلام قبول کر چکا ہون، اور یہان صرف اس لئے آیا ہون کہ بلطائف الحیل اپنا مال لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملون، آپ میرے جانے کے بعد تین دن تک اس خبر کو پوشیدہ رکھین، کیونکہ مجھے تعاقب کا خوف ہے۔"

حضرت عباسؓ کی مسرت و انبساط کی کوئی انتہا نہ رہی، وہ بمشکل تین دن تک اس کو چھپا سکے اور چوتھے روز نہا دھو کر اور بیش قیمت کپڑے زیب بدن کر کے ہاتھ میں عصا لئے ہوئے خانۂ کعبہ آئے اور طواف کرنے لگے، لوگون نے چھیڑ کر کہا "خدا کی قسم! یہ مصیبت پر اظہار صبر ہے"، بولے "قسم ہے اس ذات کی جس کی تم نے قسم کھائی ہرگز نہین! بالکل غلط ہے، خیبر فتح ہو گیا اور اس کا ایک ایک چپہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب کے تصرف میں ہے۔" لوگون نے تعجب سے پوچھا "یہ خبر کہان سے آئی؟" فرمایا "حجاج بن علاطؓ نے بیان کیا جو اسلام قبول کر چکے ہین اور یہان محض اپنا مال لینے آئے تھے، اس حقیقت نے مشرکینِ مکہ کی تمام مسرت خاک میں ملا دی اور وہ ایک فریب خوردہ دشمن کی

طرح دانت پیسنے لگے۔[1]

اسلام وہجرت | فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت عباسؓ کو ہجرت کی اجازت مل گئی، چنانچہ وہ مع اہل وعیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوئے اور علانیہ بیعت کرکے مستقل طور سے مدینہ مین سکونت پذیر ہوئے،

غزوات | مکہ کی فوج کشی مین شریک تھے، حنین کی جنگ مین حضرت خیر الانامؐ کے ہمرکاب تھے، اور رہوار رسالت کی باگ تھامے ہوئے ساتھ ساتھ دوڑتے تھے، فرماتے ہین کہ اثنائے جنگ مین جب کفار کا غلبہ ہوا اور مسلمانون کے منہ پھر گئے، تو ارشاد ہوا عباس! نیزہ بردارون کو آواز دو، فطرۃً میری آواز نہایت بلند تھی، مین نے "این اصحاب السمرہ" کا نعرہ مارا تو سب یکایک پلٹ پڑے اور مسلمانون کا بگڑا ہوا کھیل بن گیا۔[2] محاصرۂ طائف، غزوۂ تبوک اور حجۃ الوداع مین بھی شریک تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات | حجۃ الوداع سے واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے، مرض روز بروز بڑھتا گیا، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور دوسرے بنی ہاشم تیمارداری کی خدمت انجام دیتے تھے، وفات کے دن حضرت علیؓ باہر نکلے، لوگون نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج کیسا ہے؟ چونکہ حالت بظاہر سنبھل گئی تھی اس لئے انھون نے کہا کہ "خدا کے فضل سے اب آپ اچھے ہین" لیکن حضرت عباسؓ خاندانِ ہاشم کا دیرینہ تجربہ رکھتے تھے، انھون نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا "تمھارا کہان خیال ہے؟ خدا کی قسم تین دن کے بعد تم غلامی کروگے، مین آنکھون سے دیکھ رہا ہون کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب اس مرض مین وفات پائین گے، کیونکہ مین خاندانِ عبد المطلب کے چہرون سے موت کا اندازہ کرسکتا ہون، آؤ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لین کہ آپ کے بعد منصب

---

[1] اسد الغابہ تذکرۂ حجاج بن علاط، [2] مسند جلد ۱ ص ۲۰۷،

خلافت کس کو حاصل ہوگا، اگر ہم مستحق ہین تو یہ معلوم ہو جائے گا، ورنہ عرض کرین گے کہ ہمارے لئے وصیت فرما جائین، حضرت علیؓ نے کہا، خدا کی قسم مین نہ پوچھون گا، اگر پوچھنے پر آپ نے انکار کر دیا تو پھر آیندہ ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو جاؤن گا[1]، حضرت علیؓ کے انکار سے حضرت عباسؓ کو بھی جرأت نہ ہوئی،

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی روز وفات پائی، حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ اور دوسرے بنو ہاشم کی مدد سے تجہیز و تکفین کی خدمت انجام دی، چونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم تھے، خاندان ہاشم مین سب سے معمر تھے، اس لئے تعزیت و ماتم پرسی کے خیال سے لوگ ان ہی کے پاس آئے[2]،

بارگاہِ نبوت مین اعزاز | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عم محترم کی نہایت تعظیم و توقیر فرماتے تھے اور انکی معمولی اذیت سے بھی آپ کو تکلیف ہوتی تھی، ایک مرتبہ انھون نے بارگاہِ نبوت مین شکایت کی کہ قریش جب باہم ملتے ہین تو ان کے چہرون پر تازگی و شگفتگی برستی ہے، لیکن جب ہم سے ملتے ہین تو بشاشت کے بجائے برہمی کے آثار نمایان ہوتے ہین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سنکر غضبناک ہوئے اور فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ مین میری جان ہے کہ جو شخص خدا اور رسول کے لئے تم لوگون سے محبت نہ کرے گا اس کے دل مین نور ایمان نہ ہوگا[3]، چچا باپ کا قائم مقام ہے،

ایک دفعہ حضرت عمر بن خطابؓ مدینہ کے محصل مقرر ہوئے، انھون نے حسب قاعدہ حضرت عباسؓ سے بھی رقم طلب کی، انھون نے انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے سختی سے تقاضا کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جاکر صورت واقعہ عرض کی، آپ نے فرمایا تم عباس سے کیا چاہتے ہو؟ بدر کے ذریعہ مین تم ان سے بہت کچھ لے چکے، عباس رسولِ خدا کا چچا ہے، اور چچا باپ ہی کا قائم مقام ہے[4]،

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۶۴۰ [2] استیعاب تذکرۂ عباس بن عبد المطلب [3] جامع ترمذی مناقب حضرت عباسؓ و مسند جلد ۱ ص ۲۰۰ [4] جامع ترمذی وغیرہ مناقب عباسؓ،

خلفائے راشدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین نے بھی حضرت عباسؓ کی عزت واحترام کا مخصوص لحاظ رکھا، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اگر کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر ان کی طرف سے گذرتے تو تعظیماً اتر پڑتے، اور فرماتے کہ "یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم ہیں"[1]

حضرت عمرؓ اکثر ان کو اپنے مشوروں میں شریک کرتے تھے، اور قحط و خشک سالی کے موقعوں پر ان سے دعائیں کراتے تھے، قحط عام الرمادہ کے موقعہ پر حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا، "خدایا! پہلے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑ کر حاضر ہوتے تھے، اور اب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم کا وسیلہ لے کر آئے ہیں، ان کے طفیل میں ہم کو سیراب کر"[2] ان کے بعد حضرت عباسؓ نے منبر پر بیٹھ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا تو یکایک صاف وشفاف آسمان پر لکہ ہائے ابر نمودار ہوئے اور تھوڑی ہی دیر میں باران رحمت سے تمام کوہ و بیابان جل تھل ہو گئے، حضرت حسان بن ثابتؓ نے اس واقعہ کو اس طرح نظم کیا ہے،

سال الامام وقد تتابع جدبنا	فسقى الغمام بغرة العباس
امام کے دعا مانگنے پر بھی خشک سالی بڑھتی گئی	لیکن عباس کی شرافت کے طفیل میں ابر نے سیراب کر دیا
عم النبی وصنو والدہ الذی	ورث النبی بذاک دون الناس
وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور آپ کے والد کے حقیقی بھائی ہیں	انہوں نے تمام لوگوں کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت پائی
احیی الالہ بہ البلاد فاصبحت	مخضرۃ الاجناب بعد الیاس
ان کے طفیل میں خدا نے ملک کو زندہ کر دیا	اور نا امیدی کے بعد پھر تمام میدان سرسبز ہو گئے

چونکہ بارش نہایت غیر متوقع تھی اس لئے لوگ فرط مسرت سے ان کے ہاتھ پاؤں چوم چوم کر کہتے تھے، "ساقی حرمین مبارک ہو" "ساقی حرمین مبارک ہو"[3]

[1] استیعاب تذکرہ عباسؓ [2] بخاری جلد ۱ ص ۵۲۶ [3] استیعاب تذکرہ عباس بن عبد المطلبؓ

وفات حضرت عباسؓ اٹھاسی برس کی عمر پاکر ۳۲ھ میں بماہ رجب یا رمضان جمعہ کے روز رگزین عالم جاودان ہوئے، خلیفۂ ثالثؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قبر میں اتر کر سپردِ خاک کیا۱؎

اخلاق حضرت عباسؓ نہایت فیاض، مہمان نواز اور رحمدل تھے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہین کہ ایک مرتبہ مقام بقیع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو آتے دیکھ کر فرمایا "یہ عباسؓ عمِ رسول ہین، یہ قریش میں سب سے زیادہ کشادہ دست ہین اور اپنے رشتہ دارون کا خیال رکھتے ہین۲؎"

دل نہایت نرم تھا، دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تو آنکھون سے سیلِ اشک روان ہو جاتا، یہی وجہ ہے کہ ان کی دعاؤن مین خاص اثر ہوتا تھا،

تمول و ذریعۂ معاش حضرت عباسؓ ایامِ جاہلیت مین نہایت متمول تھے چنانچہ جنگِ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بیس اوقیہ سونا فدیہ لیا تھا جو دوسرے قیدیون کے مقابلہ مین بہت زیادہ تھا۳؎

تجارت ذریعۂ معاش تھی ساتھ ہی وہ سودی لین دین بھی کرتے تھے، لوگون کو سود پر قرض دیتے تھے، یہ سلسلہ فتح مکہ تک قائم رہا، حجۃ الوداع کے موقع پر محرم ۱۰ھ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنا مشہور آخری خطبہ دیا تو اس مین فرمایا "آج سے عرب کے تمام سودی کاروبار بند کئے گئے اور سب سے پہلا سودی کاروبار جس کو مین بند کرتا ہون وہ عباس بن عبدالمطلبؓ کا ہے۴؎"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت کے خمس اور فدک کی آمدنی سے بھی ان کی اعانت فرماتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انھون نے حضرت فاطمہؓ کے ساتھ خلیفۂ اول سے

۱؎ استیعاب تذکرہ عباس بن عبدالمطلبؓ ۲؎ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۱۰ ۳؎ مسند جلد ۱ ص ۳۵۳ ۴؎ صحیح مسلم و ابوداؤد

فدک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری متروکہ جائداد میں وراثت کا مطالبہ کیا لیکن "لا نورث ما ترکنا صدقۃ" کی حدیث سن کر خاموش ہو گئے،

حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں باغِ فدک حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے حوالہ کر دیا تھا، لیکن وہ دونوں باہمی اتفاق سے اس کا انتظام قائم نہ رکھ سکے اور بارگاہِ خلافت میں تقسیم کر دینے کی درخواست پیش کی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ محض گذارہ کے لئے دیا گیا ہے، اس میں وراثت کا قاعدہ جاری نہیں ہو سکتا، [1]

حلیہ | حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، چہرہ خوبصورت، رنگ سفید اور جلد نہایت نازک،

ازدواج واولاد | حضرت عباسؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں جن سے کثرت سے اولاد ہوئیں، سب سے پہلی بیوی لبابہ بنت حارث تھیں، ان سے حسبِ ذیل اولادیں ہوئیں، فضل، عبداللہ، عبیداللہ، عبدالرحمن، قثم، معبد، ام حبیبہ، ام ولد سے یہ اولادیں ہوئیں، کثیر، تمام، صفیہ، امیمہ، تیسری بیوی حجیلہ تھیں، ان کے بطن سے حارث تھے [2]

حضرت بلال بن رباحؓ

نام ونسب | بلال نام، ابو عبداللہ کنیت، والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا، یہ حبشی نژاد غلام تھے لیکن مکہ ہی میں پیدا ہوئے، بنی جمح ان کے آقا تھے [3]،

اسلام | حضرت بلالؓ صورت ظاہری کے لحاظ سے گو سیہ فام حبشی تھے تاہم آئینۂ دل شفاف تھا، اس کو ضیاء ایمان نے اس وقت منور کیا جب کہ وادی بطحا کی اکثر گوری مخلوق غرورِ حسن و زعمِ ثروت میں ضلالت و گمراہی کی ٹھوکریں کھا رہی تھی، جن معدودے چند بزرگوں نے داعیِ حق کو لبیک

[1] بخاری باب غزوۂ خیبر [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ۴ ص ۱۲، [3] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۶،

کہا تھا ان میں صرف سات آدمیوں کو اس کے اعلان کی توفیق ہوئی تھی جن میں ایک یہ غلام حبشی بھی تھا،[1] سچ ہے،

این سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ابتلاء و استقامت کمزور ہمیشہ سب سے زیادہ ظلم و ستم کا آماجگاہ رہتا ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی جو ذاتی حالت تھی اس کے لحاظ سے وہ اور بھی اس ناموسِ جفا کے شکار ہوئے، گوناگون مصائب اور طرح طرح کے مظالم سے ان کے استقلال و استقامت کی آزمایش ہوئی، تپتی ہوئی ریگ، جلتے ہوئے سنگریزوں اور دہکتے انگاروں پر لٹائے گئے، مشرکین کے لڑکوں نے گلوے مبارک میں رسیاں ڈال کر بازیچۂ اطفال بنایا لیکن ان تمام روح فرسا و جان گسل آزمایشوں کے باوجود توحید کا حبل متین ہاتھ سے نہ چھوٹا، ابو جہل ان کو منہ کے بل سنگریزوں پر لٹا کر اوپر سے پتھر کی چکی رکھدیتا اور جب آفتاب کی تمازت بیقرار کر دیتی تو کہتا، بلال! اب بھی محمد کے خدا سے باز آ، لیکن اس وقت بھی دہنِ مبارک سے یہی "احد" "احد" نکلتا،[2]

ستم پیشہ مشرکین میں امیہ بن خلف سب سے زیادہ پیش پیش تھا، اس کی جدت طرازیوں نے ظلم و جفا کے نئے طریقے ایجاد کئے تھے، وہ ان کو طرح طرح سے اذیتیں پہنچاتا، کبھی گائے کی کھال میں لپیٹا، کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر جلتی ہوئی دھوپ میں بٹھاتا اور کہتا "تمہارا خدا لات اور عزیٰ ہے"، لیکن اس وارفتۂ توحید کی زبان سے "احد" "احد" کے سوا اور کوئی کلمہ نہ نکلتا، مشرکین کہتے کہ تم ہمارے ہی الفاظ کا اعادہ کرو تو فرماتے کہ میری زبان ان کو اچھی طرح ادا نہیں کر سکتی،[3]

آزادی حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک روز حسب معمول وادیِ بطحا میں مشقِ ستم بنائے جا رہے تھے، حضرت

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۶، [2] اسد الغابہ جلد ا ص ۲۰۶، [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۵،

ابوبکر صدیقؓ اس طرف سے گذرے تو یہ عبرت ناک منظر دیکھ کر دل بھر آیا اور ایک گرانقدر رقم معاوضہ دے کر آزاد کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا، "ابوبکر! تم مجھے بھی اس میں شریک کرلو" عرض کی "یا رسول اللہ میں آزاد کر چکا ہوں"[1]

ہجرت

وہ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ پہنچے تو حضرت سعد بن خثیمہؓ کے مہمان ہوئے، حضرت ابو رویحہؓ عبداللہ ابن عبدالرحمن الخثعمیؓ سے مواخات ہوئی، ان دونوں میں نہایت شدید محبت پیدا ہوگئی تھی، عہدِ فاروقی میں حضرت بلالؓ نے شامی مہم میں شرکت کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے پوچھا "بلال! تمہارا وظیفہ کون وصول کرے گا؟" عرض کی "ابو رویحہ" کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں میں جو برادرانہ تعلق پیدا کر دیا ہے وہ کبھی منقطع نہیں ہو سکتا،[2]

موذنی

مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس اور مجبور نہ تھا، یہاں پہنچنے کے ساتھ شعارِ اسلام و دینِ متین کی اصولی تدوین و تکمیل کا سلسلہ شروع ہوا، مسجد تعمیر ہوئی، خدائے لایزال کی عبادت و پرستش کے لئے نماز پنجگانہ قائم ہوئی اور اعلان عام کے لئے اذان کا طریقہ وضع کیا گیا، حضرت بلالؓ سب سے پہلے وہ بزرگ ہیں جو اذان دینے پر مامور ہوئے۔[3]

حضرت بلالؓ کی آواز نہایت بلند و دلکش تھی، ان کی ایک صدا توحید کے متوالوں کو بے چین کر دیتی تھی، مرد اپنا کاروبار، عورتیں شبستانِ حرم اور بچے کھیل کو چھوڑ کر والہانہ وارفتگی کے ساتھ ان کے اردگرد جمع ہو جاتے، جب خدائے واحد کے پرستاروں کا مجمع کافی ہو جاتا تو نہایت ادب کے ساتھ آستانہ نبوت پر کھڑے ہو کر کہتے حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح الصلوٰۃ یا رسول اللہ، یعنی یا رسول اللہ! نماز تیار ہے، غرض آپ تشریف لاتے اور حضرت بلالؓ کی صدائے سامعہ نواز تکبیر اقامت کے نعروں سے بندگانِ توحید کو بارگاہِ ذوالجلال والاکرام میں سربسجود ہونے کے لئے صف

بصف

---

[1] الضیاء و بخاری [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۷ [3] بخاری باب بدء الاذان

کھڑا کردیتی[1]

حضرت بلالؓ اگر کسی روز مدینہ میں موجود نہ ہوتے تو حضرت ابو محذورہؓ اور حضرت عمرو بن ام مکتومؓ ان کی قائم مقامی کرتے تھے، صبح کی اذان عموماً کچھ رات رہتے ہوئے دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ صبح کے وقت دو اذانیں مقرر کی گئی تھیں، آخری اذان حضرت عمرو بن ام مکتومؓ دیتے تھے، چونکہ وہ نابینا تھے، اس لئے ان کو وقت کا پتہ نہ چلتا تھا جب لوگ ان سے کہتے تھے کہ "صبح ہوگئی" تو اٹھ کر ندائے تکبیر بلند فرماتے تھے، اسی بنا پر رمضان میں بھی حضرت بلالؓ کی اذان کے بعد اکل و شرب جائز تھا، کیونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ بلالؓ کی اذان صرف اس لئے ہے کہ جو لوگ رات بھر عبادت الٰہی میں مصروف رہے ہیں وہ اب کچھ دیر آرام کریں اور جو تمام رات خواب راحت میں سرشار رہے ہیں وہ بیدار ہو کر نماز صبح کی تیاری کریں، لیکن وہ صبح کا وقت نہیں ہوتا بلکہ کچھ رات باقی رہتی ہے۔[2]

حضرت بلالؓ سفر و حضر ہر موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن خاص تھے، ایک دفعہ سفر درپیش تھا، ایک جگہ رات ہوگئی، بعض صحابہؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ! اگر اسی جگہ پڑاؤ کا حکم ہوتا تو بہتر تھا، ارشاد ہوا "مجھے خوف ہے کہ نیند تم کو نماز سے غافل کر دے گی، حضرت بلالؓ کو اپنی شب بیداری پر اعتماد تھا، انھوں نے بڑھ کر ذمہ لیا کہ وہ سب کو بیدار کر دیں گے، غرض پڑاؤ کا حکم ہوا اور سب لوگ مشغولِ راحت ہوئے، حضرت بلالؓ نے مزید احتیاط کے خیال سے شب زندہ داری کا ارادہ کر لیا اور رات بھر اپنے کجاوہ پر ٹیک لگائے بیٹھے رہے، لیکن اتفاقِ وقت اس حالت میں بھی آنکھ لگ گئی اور ایسی غفلت طاری ہوئی کہ طلوعِ آفتاب تک ہشیار نہ ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب راحت سے بیدار ہو کر سب سے پہلے ان کو پکارا اور فرمایا "بلال! تمھاری ذمہ داری کیا ہوئی؟" عرض کی یا رسول اللہ! آج کچھ ایسی غفلت طاری ہوئی کہ مجھے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا، ارشاد ہوا

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۷ [2] بخاری باب الاذان بعد الفجر و باب اذان الاعمیٰ،

بیشک خدا جب چاہتا ہے تمھاری روحون پر قبضہ کرلیتا ہے اور جب چاہتا ہے تم مین واپس کردیتا ہے، اچھا اٹھو اذان دو اور لوگون کو نماز کے لئے جمع کرو۔[1]

غزوات: حضرت بلال تمام مشہور غزوات مین شریک تھے، غزوۂ بدر مین انھون نے امیہ بن خلف کو تہ تیغ کیا جو اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا اور خود ان کی ایذا رسانی مین بھی اس کا ہاتھ سب سے پیش پیش تھا،[2]

فتح مکہ مین بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، آپ خانۂ کعبہ مین داخل ہوئے تو اس مؤذن خاص کو معیت کا فخر حاصل تھا،[3] انھین حکم ہوا کہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہوکر توحید کی پرعظمت صدائے تکبیر بلند کرین، خدا کی قدرت وہ حریم قدس جس کو ابوالانبیاء ابراہیم نے خدائے واحد کی پرستش کے لئے تعمیر کیا تھا، مدتون صنم خانہ رہنے کے بعد پھر ایک حبشی نژاد کے نغمۂ توحید سے گونجا۔[4]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت بلال نے اپنے محسن و ولی نعمت حضرت صدیق اکبر سے عرض کی "یا خلیفۂ رسول اللہ! آپنے خدا کے لئے آزاد کیا ہے، یا اپنی مصاحبت کے لئے"، فرمایا "خدا کے لئے" بولے "مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ راہ خدا مین جہاد کرنا مومن کا سب سے بہتر کام ہے، اس لئے مین چاہتا ہون کہ پیام موت تک اسی عمل خیر کو لازمۂ حیات بنالون"۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا "بلال! مین تمھین خدا اور اپنے حق کا واسطہ دیتا ہون کہ تم مجھے اس عالم پیری مین داغ مفارقت نہ دو"۔ اس مؤثر فرمان نے حضرت بلال کو عہد صدیقی کے غزوات مین شریک ہونے سے باز رکھا،[5]

حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر نے مسند خلافت پر قدم رکھا تو انھون نے پھر شرکت جہاد کی اجازت طلب کی، خلیفۂ اول کی طرح خلیفۂ دوم نے بھی ان کو روکنا چاہا لیکن جوش جہاد کا پیمانہ لبریز

[1] بخاری باب الاذان بعد ذہاب الوقت، [2] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۷، [3] کتاب المغازی باب دخول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اعلی مکہ، [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۷، [5] بخاری وطبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۸،

ہو چکا تھا، بعد اصرار کے بعد اجازت حاصل کی، اور شامی مہم مین شریک ہو گئے،[1] حضرت عمرؓ نے سنہ ۱۶ھ مین شام کا سفر کیا تو دوسرے افسرانِ فوج کے ساتھ حضرت بلالؓ نے بھی مقام جابیہ مین ان کو خوش آمدید کہا اور بیت المقدس کی سیاحت مین ہمرکاب رہے، ایک روز حضرت عمرؓ نے ان سے اذان دینے کی فرمایش کی تو بولے گو مین عہد کر چکا ہون کہ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دون گا، تاہم آج آپ کی خواہش پوری کردون گا، یہ کہکر اس عندلیبِ توحید نے کچھ ایسے لحن مین خدائے ذو الجلال کی عظمت و شوکت کا نغمہ سنایا کہ تمام مجمع بیتاب ہو گیا، حضرت عمرؓ اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی، حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ بھی بے اختیار رو رہے تھے، غرض سب کے سامنے عہد نبوت کا نقشہ کھنچ گیا اور تمام سامعین نے ایک خاص کیفیت محسوس کی،[2]

شام مین توطن

حضرت بلالؓ کو ملک شام کی سرسبز و شاداب زمین پسند آگئی تھی، انھون نے خلیفۂ دوم سے درخواست کی کہ ان کو اور ان کے اسلامی بھائی حضرت ابو رویحہؓ کو یہان مستقل سکونت کی اجازت دیجئے، یہ درخواست منظور ہوئی تو ان دونون نے قصبہ خولان مین مستقل اقامت اختیار کرلی اور حضرت ابو الدرداء انصاریؓ کے خاندان سے جو پہلے ہی یہان آکر آباد ہو گیا تھا رشتۂ مناکحت کی سلسلہ جنبانی فرماتے ہوئے کہا، ہم دونون کافر تھے، خدا نے ہماری ہدایت کی، ہم غلام تھے، اس نے آزاد کرایا، ہم محتاج تھے اس نے مالدار بنایا، اب ہم تمھارے خاندان سے پیوستہ ہونے کی آرزو رکھتے ہین، اگر تم رشتۂ ازدواج سے یہ آرزو پوری کرو گے تو خدا کا شکر ہے ورنہ کوئی شکایت نہین،، اسلام نے کالے، گورے، حبشی اور عربی کی تفریق مٹادی تھی، انصار نے نہایت خوشی کے ساتھ ان کے اس پیام کو لبیک کہا اور اپنی لڑکیون سے شادی کردی،[3]

---

[1] بخاری و طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۸، [2] تاریخ طبری و اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۸، [3] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۸

حضرت بلالؓ نے ایک عرصہ تک شام میں متوطن رہنے کے بعد ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں "بلال! یہ خشک زندگی کب تک؟ کیا تمہارے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ہماری زیارت کرو؟" اس خواب نے گذشتہ زندگی کے پُرلطف افسانے یاد دلا دیئے، عشق و محبت کے مرجھائے ہوئے زخم پھر ہرے ہوگئے، اسی وقت مدینہ کی راہلی اور روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے، آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا، اور مضطربانہ جوش و محبت کے ساتھ جگر گوشگانِ رسول یعنی حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو چمٹا چمٹا کر پیار کر رہے تھے، ان دونوں نے خواہش ظاہر کی کہ آج صبح کے وقت اذان دیجئے، گو ارادہ کر چکے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ اذان نہ دیں گے تاہم ان کی فرمائش ٹال نہ سکے، صبح کے وقت مسجد کی چھت پر کھڑے ہوکر نعرۂ تکبیر بلند کیا تو تمام مدینہ گونج اٹھا، اس کے بعد نعرۂ توحید نے اس کو اور بھی پرعظمت بنا دیا، لیکن جب اشهد ان محمدا رسول الله کا نعرہ بلند کیا تو عورتیں تک بیقرار ہوکر پردوں سے نکل پڑیں اور تمام عاشقانِ رسول کے رخسارے آنسوؤں سے تر ہوگئے، بیان کیا جاتا ہے کہ مدینہ میں ایسا پُر اثر منظر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔[1]

وفات سنہ ۲۰ھ میں اس مخلص باوفا نے اپنے محبوب آقا کی دائمی رفاقت کے لئے دنیائے فانی کو خیرباد کہا، کم و بیش ساٹھ برس کی عمر پائی، دمشق میں باب الصغیر کے قریب مدفون ہوئے۔[2]

اخلاق محاسنِ اخلاق نے حضرت بلالؓ کے پایۂ فضل و کمال کو نہایت بلند کر دیا تھا، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے ابوبکرؓ سیدنا واعتق سیدنا یعنی ابوبکرؓ ہمارے سردار ہیں، اور انھوں نے سردار بلالؓ کو آزاد کیا ہے۔[3]

حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری ان کا مخصوص مقصدِ حیات تھا، ہر وقت

---

[1] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۸، [2] ایضاً ص ۲۰۹، [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۸۴

بارگاہِ نبوی میں حاضر رہتے، آپ کہیں باہر تشریف لیجاتے تو خادم جان نثار کی طرح ہمراہ ہوتے عیدین واستسقاء کے مواقع پر نیزہ لے کر آگے آگے چلتے[۱]، وعظ و پند کی مجلسوں میں ساتھ جاتے، افلاس ونا داری کے باوجود ان کو جو کچھ میسر آجاتا اس کا ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کے لئے پس انداز کرتے، ایک دفعہ برنی کھجوریں (جو نہایت خوش ذائقہ ہوتی ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، آپ نے تعجب سے پوچھا بلال! یہ کہاں سے؟" عرض کی میرے پاس جو کھجوریں تھیں وہ نہایت خراب قسم کی تھیں، چونکہ مجھے حضور کی خدمت میں پیش کرنا تھا اس لئے میں نے دو صاع دے کر یہ ایک صاع اچھی کھجوریں حاصل کیں، ارشاد ہوا" اُف! اُف!! ایسا نہ کیا کرو، یہ تو عین ربا ہے، اگر تمہیں خریدنا تھا تو پہلے اپنی کھجوروں کو فروخت کرتے، پھر اس کی قیمت سے اس کو خریدتے[۲]

حضرت بلال رضؓ نے مکہ کی زندگی میں جن عبرتناک مظالم ومصائب کے متحمل ہوئے، اس سے انکی غیر معمولی استقامت واستقلال کا اندازہ ہوا ہوگا، تواضع وخاکساری اُن کی فطرت میں داخل تھی، لوگ ان کے فضائل ومحاسن کا تذکرہ کرتے تو فرماتے "میں صرف ایک حبشی ہوں جو کل تک معمولی غلام تھا، صداقت، بے لوثی اور دیانتداری نے ان کو نہایت معتمد علیہ بنا دیا تھا، ان کے ایک بھائی نے جو بزعم خود اپنے آپ کو عرب سمجھتے تھے، ایک عربی خاتون کے پاس نکاح کا پیام بھیجا، اس کے خاندان والوں نے جواب دیا کہ اگر بلال ہمارے پاس آکر تصدیق کریں گے تو ہمکو بخوشی منظور ہے، حضرت بلال رضؓ نے کہا "میں بلال بن رباح ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، میں جانتا ہوں کہ اخلاق و مذہب کے لحاظ سے یہ بڑا آدمی ہے، اگر تم چاہو تو اس سے بیاہ دو ورنہ

---

[۱] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۷، [۲] بخاری جلد ۱ ص ۱۱۳، [۳] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۹

انکار کرو"۔ انھوں نے کہا "بلال! تم جس کے بھائی ہو گئے اس سے تعلق پیدا کرنا ہمارے لئے عار نہیں"[۱]

مذہبی زندگی حضرت بلالؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موذنِ خاص تھے، اس بنا پر ان کو ہمیشہ خانۂ خدا میں حاضر رہنا پڑتا تھا، معاملاتِ دنیاوی سے سروکار نہ ہونے کے باعث عبادت وشب زندہ داری ان کا خاص مشغلہ تھا، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم کو کس عملِ خیر پر سب سے زیادہ ثواب کی اُمید ہے، عرض کی "میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا ہے، البتہ ہر طہارت کے بعد نماز ادا کی ہے"[۲] نماز میں سب سے پہلے آمین کہتے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے سبقت نہ کیا کرو۔[۳]

ایمان کو تمام اعمالِ حسنہ کی بنیاد سمجھتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ بولے "خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، پھر جہاد، پھر حج مبرور"[۴]

حلیہ حلیہ یہ تھا، قد نہایت طویل، جسم لاغر، رنگ نہایت گندم گوں بلکہ مائل بہ سیاہی، سر کے بال نہایت گھنے، خمدار اور اکثر سفید تھے۔[۵]

ازواج حضرت بلالؓ نے متعدد شادیاں کیں، ان کی بعض بیویاں عرب کے نہایت شریف ومعزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، ابو بکرؓ کی صاحبزادی سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرا دیا تھا، بنی زہرہ اور حضرت ابو الدرداءؓ کے خاندان میں بھی رشتۂ مصاہرت قائم ہوا تھا، لیکن کسی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔[۶]

۱؎ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۸۳، ۲؎ بخاری جلد ۲ ص ۱۱۲۴، ۳؎ اصابہ تذکرۂ بلالؓ بحوالۂ بخاری، ۴؎ بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۱۲۴، ۵؎ طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث صفحہ ۱۷۰، ۶؎ طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۶۹،

حضرت جعفر طیارؓ

نام، نسب جعفر نام، ابو عبد اللہ کنیت، والد کا نام عبد مناف (ابو طالب) اور والدہ کا نام فاطمہ تھا، شجرۂ نسب یہ ہے جعفر بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی القرشی الہاشمی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سگے بھائی تھے، اور عمر میں ان سے تقریباً دس سال بڑے تھے،

اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز حضرت علیؓ کے ساتھ مشغولِ عبادت تھے، خاندانِ ہاشم کے سردار ابو طالب نے اپنے دو عزیزوں کو بارگاہ صمدیت میں سربسجود دیکھا تو دل پر خاص اثر ہوا، اپنے صاحبزادہ حضرت جعفرؓ کی طرف دیکھ کر کہا، "جعفر تم بھی اپنے ابن عم کے ایک پہلو میں کھڑے ہو جاؤ"، حضرت جعفرؓ نے بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز ادا کی، ان کو خدائے لایزال کی عبادت و پرستش میں ایسا مزہ ملا کہ وہ بہت جلد یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زید بن ارقمؓ کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے قبل ہمیشہ کے لئے اس کے پرستاروں میں داخل ہو گئے، اس وقت تک اکتیس ۳۱ بتیس ۳۲ آدمی اس سعادت سے مشرف ہوئے تھے،

ہجرتِ حبش مشرکینِ قریش کی ستم آرائیوں سے تنگ آکر جب مسلمانوں کی جماعت نے حبش کی راہ لی تو حضرت جعفرؓ بھی اس کے ساتھ ہو گئے، لیکن قریش نے یہاں بھی چین لینے نہ دیا، نجاشی کے دربار میں مکہ سے گرانقدر تحائف کے ساتھ ایک وفد آیا اور اس نے درباری پادریوں کو تائید پر آمادہ کر کے نجاشی سے درخواست کی کہ "ہماری قوم کے چند ناسمجھ نوجوان اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ ہو کر

[1] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۸۷ و ابن سعد جزو ۴ قسم اول ص ۲۳،

حضور کے قلمرو سے حکومت مین چلے آئے ہین، انھون نے ایک ایسا نرالا مذہب ایجاد کیا ہے جس کو پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا، ہم کو ان کے بزرگون اور رشتہ دارون نے بھیجا ہے کہ حضور ان لوگون کو ہمارے ساتھ واپس کر دین، درباریون نے بھی بلند آہنگی کے ساتھ اس مطالبہ کی تائید کی، نجاشی نے مسلمانون سے بلا کر پوچھا کہ "وہ کون سا نیا مذہب ہے، جس کے لئے تم لوگون نے اپنا خاندانی مذہب چھوڑ دیا؟"

حضرت جعفرؓ کی دربار حبش مین اسلام پر تقریر

مسلمانون نے نجاشی سے گفتگو کے لئے اپنی طرف سے حضرت جعفرؓ کو منتخب کیا، انھون نے اس طرح تقریر کی "بادشاہ سلامت! ہماری قوم نہایت جاہل تھی، ہم بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریان کرتے تھے، رشتہ دارون اور پڑوسیون کو ستاتے تھے، طاقت ور کمزورون کو کھا جاتا تھا، غرض ہم اسی بدبختی مین تھے کہ خدا نے خود ہماری جماعت مین سے ایک شخص کو ہمارے پاس رسول بنا کر بھیجا، ہم اس کی شرافت، راستی، دیانت داری اور پاکبازی سے اچھی طرح آگاہ تھے، اس نے ہم کو شرک و بت پرستی سے روک کر توحید کی دعوت دی، راست بازی، امانت داری، ہمسایہ اور رشتہ دارون سے محبت کا سبق ہم کو سکھایا اور ہم سے کہا کہ ہم جھوٹ نہ بولین، بے وجہ دنیا مین خونریزی نہ کرین، بدکاری اور فریب سے باز آئین، یتیم کا مال نہ کھائین، شریف عورتون پر بدنامی کا داغ نہ لگائین، بت پرستی چھوڑ دین، ایک خدا پر ایمان لائین، نماز پڑھین، روزے رکھین زکوٰۃ دین، ہم اس پر ایمان لائے اور اس کی تعلیم پر چلے، ہم نے بتون کو پوجنا چھوڑا، صرف ایک خدا کی پرستش کی، اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا، اس پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی، اس نے طرح طرح سے ظلم و تشدد کر کے ہم کو پھر بت پرستی اور جاہلیت کے برے کامون مین مبتلا کرنا چاہا، یہان تک کہ ہم لوگ ان کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر آپ کی حکومت مین چلے آئے"۔

نجاشی نے کہا تمھارے نبی پر جو کتاب نازل ہوئی ہو اس کو کہین سے پڑھ کر سناؤ، حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی چند آیتین تلاوت کین تو نجاشی پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی، اس نے

کہا "خدا کی قسم! یہ اور توراۃ ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں" اور قریش کے سفیروں سے مخاطب ہو کر کہا "واللہ! میں ان کو کبھی واپس جانے نہ دوں گا"

سفرائے قریش نے ایک دفعہ پھر کوشش کی اور دوسرے روز دربار میں باریاب ہو کر عرض کی، "حضور! کچھ یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ؑ کے متعلق ان لوگوں کا کیا خیال ہے" نجاشی نے جواب دینے کے لئے مسلمانوں کو بلایا، ان لوگوں کو سخت تردد تھا کہ کیا جواب دیں، حضرت جعفر ؓ نے کہا کچھ بھی ہو، خدا اور رسول نے جو کچھ بتایا ہے، ہم اس سے انحراف نہیں کریں گے، غرض دربار میں پہنچے تو نجاشی نے پوچھا "حضرت عیسیٰ ؑ کی نسبت تمہارا کیا اعتقاد ہے؟" حضرت جعفر ؓ نے کہا "ہم ان کو خدا کا بندہ، پیمبر اور اس کی روح مانتے ہیں" نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا "واللہ جو کچھ تم نے کہا عیسیٰ بن مریم اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں" یہ سنکر دربار کے پادری جو ابن اللہ کا عقیدہ رکھتے تھے، نہایت برہم ہوئے، نتھنوں سے خرخراہٹ کی آوازیں آنے لگیں، لیکن نجاشی نے کچھ پروا نہ کی، اور قریش کی سفارت ناکام واپس آئی۔[۱]

حبش سے مدینہ | حضرت جعفر ؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کی ہجرت کے چھ سال بعد تک حبشہ ہی میں رہے، سنہ ۷ھ میں وہ حبش سے مدینہ آئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ خیبر فتح ہو گیا تھا اور مسلمان اسکی خوشی منا رہے تھے، کہ مسلمانوں کے اپنے ان دور افتادہ بھائیوں کی واپسی کی دوہری خوشی ہوئی، حضرت جعفر ؓ سامنے آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گلے سے لگایا اور پیشانی چوم کر فرمایا "میں نہیں جانتا کہ مجھ کو جعفر کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا خیبر کی فتح سے[۲]"

حضرت جعفر ؓ کی واپسی کو ابھی ایک سال بھی گذرنے نہ پایا تھا کہ ان کے امتحان کا وقت آگیا،

---

[۱] مسند احمد جلد ۱ ص ۲۰۱ تا ۲۰۳، [۲] طبقات ابن سعد جلد ۴ قسم اول ص ۲۳، مختصراً بخاری ذکر غزوۂ خیبر میں ہے،

غزوۂ موتہ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں موتہ پر فوج کشی ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا علم حضرت زیدؓ بن حارثہ کو عطا کر کے فرمایا کہ اگر زیدؓ شہید ہوں تو جعفرؓ اور اگر جعفرؓ بھی شہید ہوں تو عبداللہؓ ابن رواحہ اس جماعت کے امیر ہوں گے[۱]، چونکہ حضرت جعفرؓ اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر متوقع تھے کہ شرفِ امارت ان ہی کو حاصل ہوگا، اس لئے انہوں نے کھڑے ہو کر عرض کی "یا رسول اللہ میرا کبھی یہ خیال نہ تھا کہ آپ زید کو مجھ پر امیر بنائیں گے" ارشاد ہوا "اس کو جانے دو تم نہیں جان سکتے کہ بہتر کس میں ہے"[۲]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ کے انجام و نتیجہ سے آگاہ تھے[۳]، اس لئے فرمایا کہ اگر زید شہید ہوں تو جعفر علم سنبھالیں، اگر وہ بھی شہید ہوں تو عبداللہ بن رواحہ ان کی جگہ لیں[۴]،

شہادت موتہ پہنچکر معرکہ کارزار گرم ہوا، تین ہزار غازیانِ دین کے مقابلہ میں غنیم کا ایک لاکھ[۵] ٹڈی دل تھا، امیرِ فوج حضرت زیدؓ شہید ہوئے تو حضرت جعفرؓ گھوڑے سے کود پڑے اور علم سنبھال کر غنیم کی صفیں چیرتے ہوئے آگے بڑھے، دشمنوں کا ہر طرف سے نرغہ تھا، تیغ و تبر، تیر و سنان کی بارش ہو رہی تھی، یہاں تک کہ تمام بدن زخموں سے چھلنی ہوگیا، دونوں ہاتھ بھی یکے بعد دیگرے شہید ہوئے مگر اس جانباز نے اس حالت میں بھی توحید کے جھنڈے کو سرنگوں ہونے نہ دیا[۶]، بالآخر جب شہید ہو کر گرے تو عبداللہ بن رواحہؓ نے اور ان کے بعد حضرت خالد سیف اللہؓ نے علم ہاتھ میں لیا اور مسلمانوں کو بچا لائے[۷]،

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس جنگ میں شریک تھے فرماتے ہیں کہ میں نے جعفرؓ کی لاش کو تلاش کر کے دیکھا تو صرف سامنے کی طرف پچاس زخم تھے، تمام بدن کے زخموں کا شمار تو نوے سے بھی متجاوز تھا[۸]

---

[۱] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ موتہ [۲] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۳۲ [۳] طبقات ابن سعد حصہ مغازی غزوۂ موتہ [۴] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۸۸ [۵] طبقات ابن سعد حصہ مغازی [۶] بخاری باب غزوۂ موتہ ۱

لیکن اُن میں سے کوئی زخم پشت پر نہ تھا[1]،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حزن و ملال | میدانِ جنگ میں جو کچھ ہو رہا تھا خدا کے حکم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھا چنانچہ خبر آنے سے پہلے ہی آپ نے حضرت جعفرؓ وغیرہ کی شہادت کا حال بیان فرمادیا، اس وقت آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے، اور روئے انور پر حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے[2]،

حضرت جعفرؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ فرماتی ہیں کہ میں آٹا گوندھ چکی تھی، اور لڑکوں کو نہلا دھلا کر صاف کپڑے پہنا رہی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور فرمایا جعفر کے بچوں کو لاؤ، میں نے اُن کو حاضرِ خدمت کیا، تو آپ نے آبدیدہ ہو کر اُن کا پیار فرمایا، میں نے کہا میرے ماں باپ فدا ہوں، حضور آبدیدہ کیوں ہیں کیا جعفر اور ان کے ساتھیوں کے متعلق کوئی اطلاع آئی ہے فرمایا ہاں! وہ شہید ہوگئے، یہ سُن کر میں چیخ چلانے لگی، محلہ کی عورتیں میرے اردگرد جمع ہوگئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے، اور ازواجِ مطہراتؓ سے فرمایا کہ آلِ جعفر کا خیال رکھنا، آج وہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں[3]،

سیدۂ جنت حضرت فاطمہ زہراؓ کو بھی اپنے عمِ محترم کی مفارقت کا شدید غم تھا، شہادت کی خبر سُن کر بادیدۂ تر واعماہ! واعماہ! کہتے ہوئے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیشک! جعفر جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا چاہئے، آپ کو عرصہ تک شدید غم رہا، یہاں تک کہ روح الامین نے یہ بشارت دی کہ خدا نے جعفر کو دو کٹے ہوئے بازوؤں کے بدلہ میں دو نئے بازو عنایت کئے ہیں جن سے وہ ملائکہ جنت کے ساتھ مصروفِ پرواز رہتے ہیں[4]، چنانچہ ذوالجناحین اور طیار ان کا لقب ہوگیا،

---

[1] بخاری باب غزوۂ موتہ، [2] [illegible] [3] اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۸۸ [4] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۰۹، [5] ایضاً،

فضائل ومحاسن حضرت جعفرؓ کشادہ دست وفیاض تھے، غربا، ومساکین کو کھانا کھلانے مین ان کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ابو المساکین کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہین کہ مین اکثر بھوک کے باعث پیٹ کو کنکریون سے دبائے رکھتا تھا، اور آیت یاد بھی رہتی تو اس کو لوگون سے پوچھتا پھرتا، کہ شاید کوئی مجھ کو اپنے گھر لیجائے اور کچھ کھلائے، لیکن مین نے جعفرؓ کو مسکینون کے حق مین سب سے بہتر پایا، وہ ہم لوگون (اصحاب صفہ) کو اپنے گھر لیجاتے تھے اور جو کچھ ہوتا تھا، سامنے لاکر رکھدیتے تھے، یہان تک کہ بعض اوقات گھی یا شہد کا خالی مشکیزہ تک لادیتے اور اس کو پھاڑ کر ہمارے سامنے رکھدیتے اور ہم اس کو چاٹ لیتے تھے،[1]

حضرت جعفرؓ کے فضائل ومناقب کا پایہ نہایت بلند تھا، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرمایا کرتے تھے کہ "جعفر! تم میری صورت اور سیرت دونون مین مجھ سے مشابہ ہو"[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ "مجھ سے پہلے جس قدر نبی گذرے ہین ان کو صرف سات رفیق دیئے گئے تھے لیکن میرے رفقائے خاص کی تعداد چودہ ہے، ان مین سے ایک جعفر بھی ہین"[3] حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہین کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جعفر سب سے افضل ہین"[4] حضرت عبد اللہ بن عمرؓ ان کے صاحبزادے کو سلام کرتے تو کہتے "السلام علیک یا ابن ذی الجناحین"[5] حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ فرماتے ہین کہ بعض اوقات مین حضرت علیؓ سے کچھ مانگتا تو وہ انکار کردیتے لیکن جب اپنے والد جعفرؓ کا واسطہ دیتا تو بغیر کچھ دیئے نہ رہتے،

ازواج واولاد بیویون کی صحیح تعداد نہین معلوم، آپ کی بیوی اسماءؓ سے تین صاحبزادے تھے، عبد اللہ، محمد اور عون، ان مین صرف عبد اللہ سے نسل چلی،

---

[1] صحیح بخاری مناقب حضرت جعفرؓ [2] ایضاً [3] جامع ترمذی مناقب اہل بیت [4] جامع ترمذی مناقب حضرت جعفرؓ [5] صحیح بخاری غزوہ موتہ،

حضرت زید بن حارثہؓ

نام، نسب زید نام، ابو اسامہ کنیت، حبِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لقب، والد کا نام حارثہ اور والدہ کا نام سعدیٰ بنت ثعلبہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، زید بن حارثہ بن شرحبیل بن کعب ابن عبد العزیٰ بن امراء القیس بن عامر بن النعمان بن عامر بن عبدود بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید اللات بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن وبرہ بن تغلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ،

ابتدائی حالات گذشتہ بالا نسب سے ظاہر ہوا ہوگا کہ حضرت زیدؓ کے والد حارثہ بنی قضاعہ سے تعلق رکھتے تھے جو یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ تھا، ان کی والدہ سعدیٰ بنت ثعلبہ بنی معن سے تھیں جو قبیلہ طے کی ایک شاخ تھی وہ ایک مرتبہ اپنے صغیر السن بچے حضرت زیدؓ کو ساتھ لے کر اپنے میکہ گئیں اسی اثنا میں بنو قین کے سوار جو غارتگری سے واپس آرہے تھے اس نونہال کو خیمہ کے سامنے سے اٹھا لائے اور غلام بنا کر عکاظ کے بازار میں فروخت کے لئے پیش کیا، ستارہ اقبال بلند تھا، غلامی میں بھی سیادت مقدر تھی، حکیم بن حزام نے چار سو درہم میں خرید کر اپنی پھوپھی ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ کی خدمت میں پیش کیا، جن کی وساطت سے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف نصیب ہوا جس پر ہزاروں آزادیاں اور تمام دنیا کی شاہنشاہیاں قربان ہیں،[1]

حضرت زیدؓ کے والد حارثہ بن شرحبیل کو قدرۃً اپنے لختِ جگر کے گم ہوجانے کا شدید غم ہوا، آنکھوں سے سیلِ اشک بہائے، دل آتشِ فراق سے بھڑک اٹھا اور محبت پدری نے الفاظ

[1] طبقات ابن سعد جلد ثانی قسم اول ص ۲۷،

کی رنگ آمیزی سے اس طرح اس رنج والم کا نقشہ کھینچا،

بکیت علی زید ولم ادر ما فعل   أحيّ فيرجى ام اتی دونہ الاجل

جملہ نے زید پر گریہ وزاری کی لیکن یہ علوم نہ ہوسکا کہ وہ کیا ہوگیا، آیا زندہ ہے جس کی امید رکھی جائے یا اسے موت آگئی،

فواللہ ما ادری وان کنت سائلا   اغالک سهل الارض ام غالک الجبل

خدا کی قسم میں نہیں جانتا اگرچہ پوچھتا بھی ہوں کہ ''کیا تجھے نرم زمین نگل گئی یا پہاڑ کھا گیا؟''

فیالیت شعری هل لک الدهر رجعة   فحسبی من الدنیا رجوعک لی بجل

کاش میں جانتا کہ آیا تیرا آنا کبھی ممکن ہے؟ پس تیرا واپس آنا ہی میرے لئے دنیا میں کافی ہے،

تذکرنیه الشمس عند طلوعها   وتعرض ذکراه اذا قارب الطفل

آفتاب اپنے طلوع ہونیکے وقت اسکو یاد دلاتا ہے، اور جب غروب کا وقت قریب آتا ہے تو اس کی یاد کو پھر تازہ کر دیتا ہے،

وان هبت الارواح هیجن ذکره   فیاطول ما حزنی علیه ویا وجل

بادبہاری کی لپٹ اس کی یاد کو برانگیختہ کر دیتی ہے، آہ! مجھے اس پر کس قدر شدید رنج والم ہے،

ساعمل نص العیش فی الارض جاهدا   ولا اسام التطواف او تسام الابل

عنقریب میں اونٹ کی طرح چل کر تمام دنیا چھان ماروں گا، میں اس آوارہ گردی سے اپنی زندگی بھر نہیں تھکوں گا یہاں تک کہ اونٹ

حیاتی او تاتی علی منیتی   وکل امرء فان وان غره الامل

یا مجھ پر موت آجائے .... ہر آدمی فانی ہے اگرچہ سراب امید اسے دھوکا دے

واوصی به قیسا وعمرا کلیهما   واوصی یزید ثم من بعدهم جبل

میں قیس اور عمر دونوں کو اس کے جستجو کی وصیت کرتا ہوں، اور یزید کو پھر ان کے بعد جبل کو وصیت کرتا ہوں

جبل سے مراد جبلہ بن حارثہ ہیں جو حضرت زید رضی کے بڑے بھائی تھے اور یزید ان کے

اخیافی بھائی تھے،

ایک سال بنی کلب کے چند آدمی حج کے خیال سے مکہ آئے تو انھون نے اس یوسف گم گشتہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور یعقوب صفت باپ کو ماجرائے غم کہہ سنایا بولے "یقیناً انھون نے میری فرقت مین نوحہ خوانی کی ہوگی، تم میری طرف سے میرے خاندان والون کو یہ اشعار سنا دینا"

احن الی قومی وان کنت نائیا ۔۔۔ بانی قطین البیت عند المشاعر

مین اپنی قوم کا مشتاق ہون گو ان سے دور ہون ۔۔۔ مین خانہ کعبہ مین مشعر حرام کے قریب رہتا ہون،

فکفوا من الوجد الذی قد شجاکم ۔۔۔ ولا تعملوا فی الارض نص الاباعر

اس لئے اس غم سے باز آجاؤ جس نے تم کو بہ الم بنا رکھا ہے ۔۔۔ اور اونٹون کی طرح چل کر دنیا کی خاک نہ چھانو

فانی بحمد اللہ فی خیر اسرۃ ۔۔۔ کرام معد کابرا بعد کابر

الحمد للہ کہ مین بنی معد کے ایک معزز ۔۔۔ اور اچھے خاندان مین ہون جو پشتہا پشت سے معزز ہے،

بنی کلب کے زائرون نے واپس جا کر ان کے والد کو اطلاع دی تو تعجب سے ان کی آنکھین چمک اٹھین اور وفور یاس نے یک بیک یقین نہ ہونے دیا بولے "رب کعبہ کی قسم کیا میرا ہی نور نظر تھا؟" ان لوگون نے جب تفصیل کے ساتھ حلیہ، جائے قیام اور مربی کے حالات بیان کئے تو اسی وقت اپنے بھائی کعب بن شراحیل کو ہمراہ لے کر مکہ کی طرف چل کھڑے ہوئے، اور حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہو کر بصد منت و لجاجت عرض کی "اے ابن عبد اللہ! اے ابن عبد المطلب!! اے اپنی قوم کے رئیس زادہ!! تم اہل حرم اور اس کے مجاور ہو مصیبت زدون کی دستگیری کرتے ہو، قیدیون کو کھانا دیتے ہو، ہم تمھارے پاس اس غرض سے آئے ہین کہ ہمارے لڑکے کو آزاد کر کے ہم کو رہین منت بناؤ، زر فدیہ جس قدر چاہو لو، ہم بخوشی قرار معاوضہ دینے کو تیار ہین۔" ارشاد ہوا "وہ کون ہے" بولے "زید بن حارثہ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضہ کا نام سنا تو ایک لمحہ تفکر کے بعد فرمایا "کیا اس کے سوا تمھاری کوئی اور حاجت نہین؟"

عرض کی "نہین"، فرمایا "بہتر زید کو بلا کر اختیار دو، اگر وہ تمھین پسند کرے تو تمھارا ہے اور اگر مجھے ترجیح دے تو خدا کی قسم مین ایسا نہین ہون جو اپنے ترجیح دینے والے پر کسی کو ترجیح دون"، حارثہ اور کعب نے اس شرط پر شکریہ کے ساتھ رضامندی ظاہر کی حضرت زیدؓ بلائے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا "تم ان دونون کو پہچانتے ہو؟" عرض کی "ہان! یہ میرے باپ اور چچا ہین"، آپ نے ان کے ہاتھ مین قرعۂ انتخاب دے کر فرمایا "مین کون ہون؟ اس سے تم واقف ہو میری ہمنشینی کا حال بھی تم کو معلوم ہے، اب تمھین اختیار ہے چاہے مجھے پسند کرو یا ان دونون کو"، حضرت زیدؓ رضی اللہ عنہ کو شہنشاہ کونین کی غلامی مین جو لطف ملتا تھا اس پر صدہا آزادیان نثار تھین، بولے "مین ایسا نہین ہون جو حضور پر کسی کو ترجیح دون، آپ ہی میرے باپ مان ہین"، حضرت زیدؓ کی اس مخلصانہ وفاشعاری نے ان کے باپ اور چچا کو محو حیرت کر دیا، تعجب سے بولے "زید! افسوس تم آزادی، باپ چچا اور خاندان پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو"، فرمایا "ہان! مجھے اس ذات پاک مین ایسے ہی محاسن نظر آئے ہین کہ مین اس پر کسی کو کبھی ترجیح نہین دے سکتا"،

حضرت زیدؓ نے اپنی غیر متزلزل وفاشعاری سے آقائے شفیق کے دل مین محبت کی دبی ہوئی چنگاری کو مشتعل کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خانۂ کعبہ مین مقام حجر کے پاس ان کو لیجا کر اعلان فرمایا کہ "زید آج سے میرا فرزند ہے، مین اس کا وارث ہون گا، وہ میرا وارث ہوگا"، اس اعلان سے ان کے باپ اور چچا کے افسردہ دل گل شگفتہ کی طرح کھل گئے گو والد کو مفارقت گوارا نہ تھی تاہم اپنے لختِ جگر کو ایک شفیق و معزز باپ کے آغوشِ عاطفت مین دیکھکر اطمینان ہوگیا، اور اطمینان و مسرت کے ساتھ واپس گئے،

اس اعلان کے بعد حضرت زیدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے انتساب کے ساتھ زید بن محمدؐ کے نام سے زبان زدِ عام و خاص ہوئے، یہان تک کہ جب اسلام کا زمانہ آیا اور قرآن پاک کی

الہامی زبان نے صرف اپنے نسبی آباء کے ساتھ انتساب کی ہدایت فرمائی تو وہ پھر حارثہ کی نسبت سے زید بن حارثہ مشہور ہوئے، [1]

اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعت نبوت عطا ہوا تو حضرت زیدؓ نے ابتدا ہی میں شرف بیعت حاصل کیا، محققین کا فیصلہ ہے کہ وہ غلاموں میں سب سے پہلے مومن تھے، حضرت حمزہؓ ایمان لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھائی چارہ کرا دیا، ان دونوں میں اس قدر محبت ہوگئی تھی کہ حضرت حمزہؓ جب غزوات میں تشریف لیجاتے تھے تو ان ہی کو اپنا وصی بنا کر جاتے تھے، [2]

شادی حضرت ام ایمنؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آیا اور کنیز تھیں، آپ ان کو نہایت محبوب رکھتے تھے، اور اماں کہہ کر مخاطب فرماتے تھے، ایک روز آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کو ام ایمن سے نکاح کرنا چاہئے، حضرت زیدؓ نے (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے) ان سے نکاح کر لیا، چنانچہ حضرت اسامہ بن زیدؓ جو اپنے والد کے بعد حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے مشہور ہوئے، ان ہی کے بطن سے مکہ میں پیدا ہوئے، [3]

ہجرت مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح یہ بھی حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مہمان ہوئے، حضرت اسید بن حضیرؓ انصاری جو قبیلہ عبد الاشہل کے معزز رئیس تھے، ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے، وہ اب تک خاندان نبوت کے ایک ممبر کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، لیکن یہاں پہنچکر آپ نے ان کے لئے ایک علیحدہ مکان مخصوص فرما دیا اور اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح کر دیا، اس طرح درحقیقت یہ دوسرا طرۂ افتخار تھا جو حضرت

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸ تا ص ۲۹، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث تذکرۂ حمزہؓ،

[3] ایضاً ص ۳۰،

زید رضی اللہ عنہ کے دستار فضل پر نصب ہوا، لیکن یہ پیوند زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا، نسبی وخاندانی عدم توازن نے دونوں کے سطح مزاج میں نشیب وفراز پیدا کر دیا، حضرت زیدؓ نے دربار نبوت میں بار بار ناموافقت کی شکایت کی اور بالآخر طلاق دینے پر مجبور ہو گئے، انقضائے عدت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کی معرفت پیام نکاح بھیجا تو انہوں نے کہا، جب تک خدا کی طرف سے کچھ حکم نہ آئے میں کچھ نہیں کر سکتی، چنانچہ اس کے بعد ہی اس آیت نے ان کو امہات المومنین میں داخل کر دیا،[1]

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا — جب زید نے حاجت پوری کی تو ہم نے اس کو تم سے بیاہ دیا،

حضرت زیدؓ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنیٰ اور زید بن محمد کے نام سے مشہور تھے، اس لئے منافقین نے اس واقعہ کو نہایت ناگوار پیرایہ میں شہرت دی اور کہنے لگے "محمد ایک طرف تو بہو سے نکاح کو حرام قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف خود اپنے لڑکے زید کی بیوی سے نکاح کرتے ہیں لیکن قرآن پاک نے اس مفسدہ پردازی کا اس طرح پردہ فاش کر دیا،

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ، — محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ خدا کے رسول اور انبیاء کی مہر ہیں،

اور مسلمانوں کو حکم ہوا،

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ — لوگوں کو ان کے باپ کی نسبت سے پکارو، یہ خدا کے نزدیک زیادہ قرین انصاف ہے،

چنانچہ اس کے بعد ہی وہ اپنے والد حارثہ کی نسبت سے زید بن حارثہ مشہور ہوئے،[2]

---

[1] طبقات ابن سعد جزو ۳ ق اول ص ۳۰ [2] بخاری کتاب التفسیر،

غزوات | حضرت زیدؓ تیر اندازی میں مخصوص کمال رکھتے تھے، ان کا شمار ان مشاہیر صحابہ میں تھا جو اس فن میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے معرکۂ بدر سے غزوۂ موتہ تک جس قدر اہم و خونریز معرکے پیش آئے سب میں پامردی و شجاعت کے ساتھ شریکِ کارزار ہوئے، غزوۂ مریسیع میں چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ میں اپنی جانشینی کا فخر بخشا اس لئے اس مہم میں حصہ نہ لے سکے[۱]۔

متفرق کارنامے | مشہور معرکوں کے علاوہ اکثر چھوٹی چھوٹی مہمات خاص ان کی سپہ سالاری میں سر ہوئیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس فوج کشی میں زید شریک ہوتے تھے اس میں امارت کا عہدہ ان ہی کو عطا ہوتا تھا[۲]، اس طرح نو دفعہ سپہ سالار بنا کر بھیجے گئے[۳]، ان مہمات میں سے پہلی مہم سریۂ قردہ تھی جس میں انھوں نے غنیم کو نہایت کامیابی کے ساتھ شکست دی اور بہت سے اونٹ، مال و اسباب اور دشمن کے ایک سردار فرات بن حیان عجلی کو گرفتار کرکے لائے[۴]،

ربیع الثانی ۶ھ میں بنی سلیم کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مقام جموم میں مسکن گزین تھے اس مہم میں بھی حضرت زیدؓ کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی، بہت سے اونٹ، بکریاں اور قیدی پکڑ کر لائے[۵]،

اسی سال قریش کے ایک قافلہ کو جو شام سے واپس آرہا تھا روکنے کا حکم ہوا، حضرت زیدؓ ایک سو ستر سواروں کے ساتھ یکا یک مقام عیص میں اس قافلہ پر جا پڑے اور تمام اہل قافلہ کو مع سامان گرفتار کر لائے، مال غنیمت میں چاندی کا ایک بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا جو صفوان بن امیہ کے لئے شام سے آرہا تھا، قیدیوں میں ابو العاص بن الربیع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد بھی تھے جنھوں نے اپنی اہلیہ اور حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر نیک اختر

---

[۱] طبقات ابن سعد حصۂ مغازی، [۲] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۱، [۳] ایضاً [۴] طبقات حصہ مغازی باب سریۂ قردہ ص ۲۴، [۵] ایضاً سریۂ جموم ص ۶۲

حضرت زینبؓ کی پناہ حاصل کرکے مخلصی پائی،[1]

اسی سال ماہ جمادی الثانی میں مقام طرف پر حملہ آور ہوئے، لیکن کوئی جنگ نہ ہوئی، کیونکہ غنیم پہلے ہی خائف ہوکر بھاگ گیا تھا،[2] اس کے بعد مقام حسمی پر فوج کشی ہوئی، پانچسو جانباز مجاہد ان کے زیر کمان تھے، حضرت زیدؓ احتیاط کے خیال سے دن کو پہاڑوں میں چھپ جاتے تھے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے قطع منازل کرتے تھے، یہاں تک کہ ایک روز یکایک غنیم پر جا پڑے ہنیند اور اس کے خاندان کو جس نے حضرت دحیہ کلبیؓ کو قسطنطنیہ کی سفارت سے واپس آتے وقت لوٹ لیا تھا، تہ تیغ کیا اور ایک ہزار اونٹ، پانچ ہزار بھیڑ، بکریاں اور بہت سے قیدی گرفتار کرکے زید بن رفاعہ کے ساتھ دربارِ نبوت میں ارسال کئے، چونکہ اس قوم کے ایک ممبر ابو یزید بن عمرو نے دور اندیشی سے پہلے ہی پہنچکر اسلام قبول کرلیا تھا اس لئے ان کی سفارش پر تمام قیدی رہا کردیئے گئے، اور مال غنیمت واپس کردیا گیا،[3] پھر اسی سال ماہ رجب میں وادی قری کی مہم پر بھیجے گئے اور کامیابی کے ساتھ واپس آئے،

ماہ رمضان المبارک ۶ھ میں حضرت زیدؓ ایک اسلامی کاروانِ تجارت کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کا بہت سا سامانِ تجارت ان کے ساتھ تھا، مدینہ سے سات منزل دور وادیِ قری کے نواح میں پہنچے تو بنی بدر کی ایک رہزن وغارت پیشہ جماعت نے تمام قافلہ کو لوٹ لیا اور کلمہ گویانِ توحید کو سخت اذیتیں پہنچائیں، حضرت زیدؓ بمشکل جان بچاکر مدینہ واپس آئے اور دربارِ نبوت میں اس واقعہ کی اطلاع دی، چونکہ اس قسم کے متعدد واقعات پیش آچکے تھے، اس لئے حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک جمعیت کے ساتھ اس قبیلہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا، حضرت زیدؓ

[1] طبقات حصہ مغازی باب سریہ عیص ص ۶۳، [2] ایضاً سریہ طرف ص ۶۳، [3] ایضاً ص ۶۳-۶۴،

کمال احتیاط کے ساتھ دن کو چھپتے ہوئے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے یکایک ان ڈاکوؤن پر جا پڑے اور فرار واقعی سزا دے کر مدینہ واپس آئے، انھون نے آستانۂ نبوت پر پہنچکر دستک دی تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) جس حالت مین تھے اسی حالت مین باہر تشریف لے آئے اور جوشِ مسرت سے گلے لگا کر ان کی پیشانی کا بوسہ دیا، اور دیر تک مفصل کیفیت دریافت فرماتے رہے[۱]،

مہم موتہ اور شہادت موتہ دمشق کے قریب ایک مقام کا نام تھا، حضرت حارث بن عمیر ازدی رضؓ جو شاہِ بصریٰ کے دربار مین سفارت کی خدمت انجام دے کر واپس آرہے تھے اسی مقام پر شرجیل ابن عمر غسانی کے ہاتھ سے شہید ہوئے، یہ پہلا واقعہ تھا کہ دربارِ رسالت کے ایک قاصد کے ساتھ اس قسم کی جسارت کی گئی[۲]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے انتقام کے لئے تین ہزار مجاہدین کی جمعیت فراہم کر کے حضرت زید بن حارثہ رضؓ کو لوائے قیادت عطا کیا اور فرمایا اگر زید شہید ہون تو جعفرؓ اور ان کے بعد عبد اللہ بن رواحہ اس جماعت کے امیر ہون گے[۳]، حضرت جعفرؓ چونکہ اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر متوقع تھے کہ امارت کا طغرائے امتیاز ان کے سینہ پر آویزان ہوگا اس لئے انھون نے کھڑے ہو کر عرض کی، یا رسول اللہ! میرا کبھی یہ خیال نہ تھا کہ آپ زید کو مجھ پر امیر بنائین گے، ارشاد ہوا اس کو جانے دو تم نہین جان سکتے کہ بہتر کیا ہے[۴]؟

جمادی الاولیٰ ۸ھ مین یہ مہم روانہ ہوئی، چونکہ غنیم کو اس فوج کشی کی اطلاع پہلے سے مل چکی تھی اس لئے ایک لاکھ کا ٹڈی دل امنڈ آیا تھا لیکن حضرت زیدؓ نے اس

[۱] طبقات ابن سعد حصۂ مغازی سریہ زید الی ام القرمی ص ۶۵ [۲] ایضاً باب غزوۂ موتہ [۳] بخاری باب غزوۂ موتہ

[۴] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۲،

کثرت کی پروا نہ کی اور علم سنبھال کر پیادہ پا دشمن کی صف مین گھس گئے، ان کے اتباع مین دوسرے سرداران فوج نے بھی ہمت کر دیا، دیر تک گھمسان جنگ رہی، اس حالت مین نیزہ کے ایک وار نے اسلامی سالار فوج یعنی حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، ان کے بعد یکے بادیگرے حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے علم سنبھالا اور شدید کشت و خون کے بعد واصل بحق ہوئے، ان کے بعد حضرت خالد سیف اللہؓ نے علم ہاتھ مین لیا اور غازیان دین کو مجتمع کر کے ایک ایسا حملہ کیا کہ غنیم کے پاؤن اکھڑ گئے۔[۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جنگ سے اطلاع آنے کے قبل ہی لوگون کو امرائے فوج کی خبر شہادت سنادی اور وفور غم سے آبدیدہ ہو گئے،[۲] حضرت زیدؓ کی ایک صاحبزادی شفیق باپ کا سایہ اٹھ جانے سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگین تو آپ بھی ضبط نہ فرما سکے اور اس قدر روئے کہ گلو گرفتہ ہو گئے، حضرت سعد بن عبادہؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ یہ کیا ہے" فرمایا "یہ جذبہ محبت ہے"[۳]

انتقام | حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے محبوب و وفاشعار غلام کی مفارقت کا شدید غم تھا، حجۃ الوداع سے واپس آنے کے بعد ان کے صاحبزادہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کو ایک جمعیت کے ساتھ انتقام پر مامور فرمایا، چونکہ وہ نہایت کمسن تھے اس لئے بعضون نے ان کی سیادت پر ناپسندیدگی ظاہر کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم لوگ پہلے جس طرح اس کے باپ کی سرداری پر طعن و طنز کرتے تھے اسی طرح اب اس کی امارت کو ناپسند کرتے ہو خدا کی قسم زید سزاوار امارت و محبوب ترین شخص تھا، اور اس کے بعد اسامہ مجھ کو سب سے زیادہ

---

[۱] بخاری باب غزوۂ موتہ [۲] ایضاً [۳] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۳۲،

محبوب ہے[۱]

یہ مہم ابھی روانہ بھی نہین ہوئی تھی کہ آفتاب رسالت غروب ہوگیا، لیکن خلیفۂ اوّل نے ہجوم مصائب وصعوبات گوناگون کے باوجود کوچ کا حکم دیدیا اور حضرت اسامہؓ اپنے پدر شفیق کے قاتلون سے انتقام لیکر غیر معمولی کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آئے،

اخلاق | حضرت زیدؓ کے صحیفۂ اخلاق مین وفاشعاری کا باب سب سے نمایان ہے، گذشتہ واقعات سے اس کا اندازہ ہوا ہوگا، آقائے نامدار کی رضامندی ان کا پرلطف مقصد حیات تھا، حضرت ام ایمنؓ گو ایک معمر عورت تھین تاہم انھون نے محض اس لئے ان سے نکاح کرلیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بہت زیادہ محبوب رکھتے تھے[۲]

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے متعلقین کا بے حد ادب واحترام ملحوظ رکھتے تھے، حضرت زینب بنت حجشؓ کے پاس (جن کو انھون نے ناموافقت کے باعث طلاق دیدی تھی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیام لیکر گئے تو محض اس خیال سے کہ آپ نے ان سے نکاح کی خواہش ظاہر فرمائی ہے تعظیماً دیکھ نہ سکے اور جو کچھ کہنا تھا منہ پھیر کر کہا،[۳]

گو حضرت زیدؓ کے اخلاقی کارنامون کی تفصیل نہین ملتی تاہم درحقیقت ان کے وہ اوصاف حسنہ ومحاسن جمیلہ ہی تھے جس نے ان کو اور ان کی اولاد کو حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مین سب سے زیادہ محبوب بنادیا تھا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہین کہ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہتے تو آپ ان ہی کو اپنا جانشین بناتے[۴] حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک دفعہ ان کے پوتے محمد بن اسامہ کو مدینہ کی مسجد مین دیکھا تو تعظیم سے گردن جھکالی اور بولے "اگر رسول اللہ

---

[۱] بخاری ذکر اسامہ بن زیدؓ، [۲] طبقات ابن سعد تذکرۂ ام ایمنؓ، [۳] مسلم باب زواج زینب بنت حجشؓ،
[۴] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۳۱،

صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تو اس کو بھی محبوب رکھتے ہے[1]

حلیہ اور عمر | حضرت زیدؓ کا حلیہ یہ تھا، قد کوتاہ، ناک پست اور رنگ گہرا گندمی ۴۵ یا ۵۵ برس کی عمر میں شہادت پائی،[2]

ازواج | مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کین بیویوں کے نام یہ ہیں:۔

ام ایمن، ام کلثوم بنت عقبہ، درہ بنت لہب، ہند بنت العوام، زینب بنت جحش، ناموافقت کے باعث ان کو طلاق دیدی اور اس کے بعد وہ امہات المومنین میں شامل کی گئیں،[3]

اولاد | دو لڑکے اسامہ بن زید، زید بن زید اور ایک لڑکی رقیہ پیدا ہوئی، لیکن حضرت اسامہؓ کے سوا مؤخر الذکر دونوں بچوں نے بچپن ہی میں داغ مفارقت دیا،[4]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ

نام، نسب | عبداللہ نام، ابو العباس کنیت، والد کا نام عباسؓ اور والدہ کا نام ام الفضل لبابہ تھا، شجرۂ نسب یہ ہے:۔ عبداللہ بن العباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف القرشی الہاشمی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور ام المومنین حضرت میمونہؓ کے خواہرزادہ تھے، کیونکہ ان کی والدہ حضرت ام الفضل حضرت میمونہؓ کی حقیقی بہن تھیں،

ولادت | حضرت عبداللہؓ ہجرت سے تین سال قبل مکہ کی اس گھاٹی میں تولد پذیر ہوئے جہاں

---

[1] بخاری ذکر اسامہ بن زیدؓ، [2] اصابہ تذکرہ زید بن حارثہؓ، [3] اسد الغابہ تذکرۂ زید بن حارثہؓ، [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۰،

مشرکین قریش نے تمام خاندان ہاشم کو محصور کر دیا تھا حضرت عباسؓ ان کو بارگاہ نبوت میں لے کر آئے تو آپ نے منہ میں لعاب دہن ڈال کر دعا فرمائی[1]،

اسلام — حضرت عباسؓ نے بظاہر فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، لیکن حضرت عبد اللہؓ کی والدہ حضرت ام الفضلؓ نے ابتدا ہی میں داعیِ توحید کو لبیک کہا تھا، ابن سعد کی روایت ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بعد عورتوں میں ان کا ایمان سب پر مقدم تھا، اس بنا پر حضرت عبد اللہؓ نے یوم ولادت ہی سے توحید کی لوریوں میں پرورش پائی اور ہوش سنبھالنے کے ساتھ وہ قدرۃً ایک پرجوش مسلم ثابت ہوئے، امام بخاری ترجمۃ الباب میں فرماتے ہیں[2]،

کان ابن عباس مع امہ من المستضعفین	ابن عباسؓ اپنی ماں کے ساتھ ضعفائے اسلام میں
ولم یکن مع ابیہ علی دین قومہ وقال	تھے (جو اپنی مجبوریوں کے باعث مکہ میں رہ گئے تھے)
الاسلام یعلو ولا یعلیٰ	وہ اپنے والد کے ساتھ اپنی قوم کے مذہب پر نہ تھے
	وہ کہا کرتے تھے کہ اسلام سربلند رہے گا مغلوب نہ ہوگا،

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ جب یہ آیت تلاوت فرماتے "اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ النِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ، تو فرماتے کہ میں بھی اپنی والدہ کے ساتھ ان لوگوں میں شامل تھا جن کو خدا نے معذور قرار دیا ہے[3]،

ہجرت — حضرت عباسؓ ۸ھ میں فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ پہنچے[4]، حضرت عبد اللہؓ کی عمر اس وقت

[1] اسد الغابہ تذکرۂ عبد اللہ بن عباسؓ، [2] بخاری جلد ۱ ص ۱۸۰، [3] بخاری جلد ۲ ص ۶۶۰، [4] اسد الغابہ تذکرہ عباس بن عبد المطلبؓ ۱۲،

گیارہ برس سے زیادہ نہ تھی، لیکن وہ اپنے والد کے حکم سے اکثر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتے تھے، ایک روز انھوں نے واپس آکر بیان کیا، میں نے رسول اللہ کے پاس ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کو میں نہیں جانتا ہوں، کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کون تھے؟" حضرت عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے ان کو بلا کر فرطِ محبت سے آپنے آغوشِ عاطفت میں بٹھایا، اور سر پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی "اے خدا اس میں برکت نازل فرما اور اس سے علم کی روشنی پھیلا"[1]

عہدِ طفولیت و مصاحبتِ رسول | حضرت عبداللہ بن عباسؓ گو فطرۃً ذہین، سلیم الطبع متین اور سنجیدہ تھے، تاہم انھوں نے رسول اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا جو زمانہ پایا وہ درحقیقت ان کا عہدِ طفولیت تھا جس میں انسان کو کھیل، کود سے دل آویزی ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ میں لڑکوں کے ساتھ گلیوں میں کھیلتا پھرتا تھا، ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے آتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے ایک گھر کے دروازہ میں چھپ گیا، لیکن آپ نے آکر مجھے پکڑ لیا اور سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا "جا معاویہ کو بلا لا" وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے میں دوڑ کر ان کے پاس گیا اور کہا، "چلیے رسول اللہ علیہ وسلم آپ کو یاد فرماتے ہیں، کوئی خاص ضرورت ہے"۔[2]

ام المومنین حضرت میمونہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خالہ تھیں اور ان کو نہایت عزیز رکھتی تھیں، اس لئے وہ اکثر ان کی خدمت میں حاضر رہتے، کبھی کبھی رات کے وقت بھی ان ہی کے گھر سو رہتے تھے اس طرح ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مستفیض ہونے کا بہترین موقع میسر تھا، فرماتے ہیں کہ "ایک مرتبہ میں رات کے وقت اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے پاس سو رہا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور چار رکعت نماز پڑھ کر

---

[1] اصابہ تذکرہ عبداللہ بن عباسؓ، [2] مسند جلد ا ص ۲۹۱

استراحت فرما ہوئے، پھر کچھ رات باقی تھی کہ بیدار ہوئے اور مشکیزہ کے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھنے لگے، مین بھی اٹھ کر بائین طرف کھڑا ہو گیا، آپنے میرا سر پکڑ کر مجھے داہنی طرف کر لیا۔[1]

اسی سلسلہ مین بارہا خدمت گذاری کا شرف بھی حاصل ہوا، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے بیدار ہوئے، انھون نے وضو کے لئے پانی لاکر رکھدیا، آپنے وضو فرما کر پوچھا پانی کون لایا تھا؟ حضرت میمونہؓ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا نام لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر دعائین دین اور فرمایا "اللھم فقہہ فی الدین وعلمہ التاویل" یعنی اے خدا! اس کو مذہب کا فقیہ بنا اور تاویل کا طریقہ سکھا۔[2]

ایک دفعہ وہ نماز مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوئے، آپنے ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اپنے برابر کھڑا کر لیا لیکن وہ جس جس مین کھڑے کے کھڑے رہ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر پوچھا "تمھارا کیا حال ہے؟" عرض کی "یا رسول اللہ! کیا آپ کے برابر کھڑا ہونا کسی کے لئے مناسب ہے، حالانکہ آپ رسولِ خدا ہین"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے ازدیادِ علم و فہم کی دعا فرمائی۔[3]

خلفائے راشدینؓ کا عہد

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ صرف تیرہ برس کے تھے کہ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی، سوا دو برس کے بعد خلیفۂ اول نے بھی داغِ مفارقت دیا، خلیفۂ دوم یعنی حضرت عمر فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو وہ سنِ شباب کو پہنچ چکے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کو جوہرِ قابل پا کر خاص طور سے اپنے دامنِ تربیت مین لے لیا، اور اکابر صحابہؓ کی علمی صحبتون مین شریک کیا، یہان تک کہ لوگون کو اس پر رشک ہوتا تھا

[1] بخاری جلد ١ ص ٩٧ [2] مسند احمد جلد ١ ص ٣٢٨ و مستدرک جلد ٣ ص ٥٣٤ [3] مسند احمد جلد ١ ص ٣٣٠ و مستدرک جلد ٣ ص ٥٣٥

صحیح بخاری مین خود حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ مجھ کو شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے، اس پر بعض بزرگون نے کہا کہ آپ اس نو عمر کو ہمارے ساتھ کیون شریک کرتے ہین، اور ہمارے لڑکون کو جو ان کے ہمسر ہین کیون یہ موقع نہین دیتے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا "یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے"[۱]

محدث ابن عبد البر استیعاب مین تحریر فرماتے ہین "کان عمر یحب ابن عباس ویقربہ"[۲] یعنی حضرت عمرؓ ابن عباسؓ کو محبوب رکھتے تھے اور ان کو تقرب دیتے تھے، بسا اوقات حضرت عمرؓ کی مجلس مین کوئی مسئلہ پیش ہوتا، عبد اللہ بن عباسؓ اس کا جواب دینا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے، حضرت عمرؓ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے "علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہین ہے، تم اپنے نفس کو حقیر نہ بناؤ"[۳] حضرت عمرؓ اکثر پیچیدہ اور مشکل مسائل ان سے حل کراتے تھے اور ان کی فطری ذہانت و طباعی سے خوش ہو کر داد دیتے تھے، انشاء اللہ علم و فضل کے بیان مین اس کی تفصیل آئے گی،

خلیفۂ ثالث کے عہد مین عبد اللہ بن ابی سرح والیِ مصر کے زیر اہتمام ۲۷ھ مین افریقہ پر فوج کشی ہوئی، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ایک جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ سے چل کر اس مہم مین شریک ہوئے اور ایک سفارت کے موقع مین جرجیر شاہِ افریقہ سے مکالمہ ہوا، اس کو ان کی ذہانت و طباعی سے نہایت حیرت ہوئی اور بولا "مین خیال کرتا ہون کہ آپ حبرِ عرب کے کوئی عالم متبحر ہین"[۴]

امارت حج چونکہ ۳۵ھ مین حضرت عثمانؓ محصور تھے اس لئے اس سال وہ خود امارتِ حج کا فرض انجام نہ دے سکے، انھون نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو بلا کر فرمایا "خالد بن عاص کو

[۱] بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۱۵، [۲] ایضاً صفحہ ۱۵۱، [۳] اصابہ تذکرہ عبد اللہ بن عباسؓ ۱۲،

مین نے مکہ کا والی مقرر کیا ہے، مین ڈرتا ہون کہ امارت حج کے فرائض انجام دینے پر شاید ان کی مزاحمت کیجائے اور اس طرح خانۂ خدا مین بھی فتنہ وفساد اٹھ کھڑا ہو، اس لئے مین تم کو اپنا قائم مقام بنا کر یہ بھیجتا ہون"[1]

حضرت عبد اللہ اس خدمت کو سرانجام دیکر واپس آئے تو مدینہ نہایت پرآشوب ہو رہا تھا، خلیفۂ ثالث شہید ہو چکے تھے اور حضرت علی کو بار خلافت اٹھانے پر لوگ مجبور کر رہے تھے، انھون نے ان سے مشورہ طلب کیا،

حضرت علی۔ خلافت کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ مین خیال کرتا ہون کہ اس حادثۂ عظیم کے بعد کوئی شخص اس بار کو اٹھانے کی جرأت نہین کر سکتا،

حضرت عبد اللہ بن عباس۔ "یہ ضرور ہے کہ اب جس کے ہاتھ پر بیعت کیجائیگی اس پر خونِ ناحق کا اتہام لگایا جائیگا، تاہم لوگون کو اس وقت آپ کی ضرورت ہے"

غرض اہل مدینہ کے اتفاقِ عام سے حضرت علی مسند آراے خلافت ہوئے اور نئے سے ملکی نظم ونسق کا اہتمام شروع ہوا، حضرت مغیرہ بن شعبہ نے مشورہ دیا کہ سردست موجودہ عمال وحکام برقرار رکھے جائین لیکن جب حضرت علی نے سختی کے ساتھ اس سے انکار کیا تو انھون نے دوسرے روز اپنی رائے واپس لے لی، اور کہا "امیر المومنین! مین نے رائے دینے بعد غور کیا تو آپ ہی کا خیال انسب نظر آیا" حضرت عبد اللہ بن عباس فوراً اصل حقیقت کو تاڑ گئے اور بولے "میرے خیال مین مغیرہ کی پہلی رائے خیر خواہی پر مبنی تھی لیکن دوسری دفعہ انھون نے آپ کو دھوکا دیا"

حضرت علی۔ خیر خواہی کیا تھی؟

[1] طبری واقعات ۳۵ھ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ:- آپ جانتے ہین کہ معاویہ اوران کے احباب دنیادار ہین، اگراحباب ان کو برطرف کردین گے تو وہ تمام ملک مین شورش وفتنہ پردازی کی آگ بھڑکادین گے اور اہل شام وعراق کو خلیفۂ ثالث کے انتقام پر ابھارکر آپکے خلاف، کھڑاکردین گے،

حضرت علیؓ: اس مین شک نہین کہ تمھاری رائے مصالحِ دنیاوی کے لحاظ سے نہایت صائب ہے، تاہم میرا ضمیر اس کو پسند نہین کرتا کہ مین جن لوگون کی بداعمالیون سے واقف ہون، ان کو اپنے عہدون پر برقرار رہنے دون، خدا کی قسم مین کسی کو رہنے نہ دون گا، اگر سرکشی کرین گے تو تلوار سے فیصلہ کردون گا،

حضرت عبداللہ بن عباسؓ:- میری بات مانئے، گھر کا دروازہ بند کرکے بیٹھ جائیے یا اپنی جاگیر پر ینبع چلے جائیے، لوگ تمام دنیا کی خاک چھان مارین گے، لیکن آپ کے سوا کسی کو خلافت کے لائق نہ پائین گے، خدا کی قسم اگر آپ ان مصریون کا ساتھ دین گے تو کل ضرور آپ پر عثمانؓ کے خون کا اتہام لگایا جائے گا،

حضرت علیؓ:- اب کنارہ کش ہونا میرے امکان سے باہر ہے،

حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو امیر معاویہؓ کے بجائے شام کا والی مقرر کرنا چاہا، لیکن انھون نے انکار کیا، اور بار بار یہی مشورہ دیا کہ آپ معاویہ کو برقرار رکھ کر اپنا طرفدار بنا لیجئے، یہان تک کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے برہم ہو کر نہایت سختی سے انکار کر دیا اور فرمایا "خدا کی قسم یہ کبھی نہین ہوسکتا"[1]

غرض اس تشدد آمیز طرزعمل پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ واقعہ بن کر سامنے آیا، تمام ملک مین جناب امیرؓ کے خلاف مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی، ایک طرف حضرت

[1] طبری ص ۳۰۰۵،

طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ نے مطالبۂ اصلاح و انتقام کا علم بلند کرکے بصرہ پر قبضہ کرلیا اور دوسری طرف امیر معاویہؓ نے شام میں ایک عظیم الشان جنگ کی تیاریاں شروع کردیں،

جنگِ جمل | حضرت علیؓ بصرہ کو محفوظ رکھنے کے خیال سے ایک فوجِ گران کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے، لیکن وہ پہلے داعیانِ اصلاح کے قبضہ میں آچکا تھا، اس لئے طرفین نے میدانِ ذی قار میں صف آرائی کی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ جناب امیرؓ کی طرف سے اہل حجاز کی افسری پر مامور ہوئے اور جنگ شروع ہونے پر نہایت شجاعت وجانبازی کے ساتھ نبرد آزما ہوئے، یہاں تک کہ حامیانِ عرشِ خلافت کی فتح پر اس افسوسناک خانہ جنگی کا خاتمہ ہوا،

ولایت بصرہ | بصرہ پر دوبارہ قبضہ ہونے کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہاں کے گورنر بنائے گئے اور زیاد ان کے مشیر اور بیت المال کے مہتمم مقرر ہوئے،

معرکۂ صفین | جنگِ جمل کے بعد امیر معاویہؓ سے معرکۂ صفین پیش آیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ بصرہ سے ایک جماعت فراہم کرکے جناب امیرؓ کی حمایت میں میدانِ جنگ میں پہنچے اور نہایت جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار ہوئے، حضرت علیؓ نے ان کو میسرہ کا افسر مقرر فرمایا تھا،

چونکہ دونوں طرف سے روزانہ تھوڑی تھوڑی فوجیں نکل کر معرکہ آرا ہوتی تھیں اس لئے اس جنگ کا سلسلہ طویل عرصہ تک قائم رہا، لیکن رفتہ رفتہ حامیانِ خلافت کا پلہ بھاری ہونے لگا، یہاں تک کہ ایک روز شامی فوجوں نے شکست کے خوف سے اپنے نیزوں پر قرآن مجید بلند کرکے صلح کی دعوت دی، گو جناب مرتضیٰؓ اور ان کے ہواخواہوں نے اپنی فوج کو اسی دامِ تزویر سے محفوظ رکھنے کی بے حد کوشش کی تاہم فریق کا جادو چل چکا تھا، ایک بڑی جماعت نے دعوتِ

قرآن کو تسلیم کرنے پر اصرار کیا،

ثالثی اور اس کا حشر غرض جنگ ملتوی ہوگئی اور مسئلہ خلافت کا فیصلہ دو حکم پر محمول ہوا، شامیون نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو حکم مقرر کیا اور اہل عراق کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا انتخاب ہوا، حضرت علیؓ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو ثالث بنانا چاہتے تھے لیکن لوگون نے اس پر اعتراض کیا اور کہا "آپ اور عبد اللہ بن عباسؓ ایک ہی ہین، حکم کو غیر جانبدار ہونا چاہیئے"

دونون فریق کے اتفاق سے دومۃ الجندل حکمین کے لئے مقام اجلاس قرار پایا، اور ہر ایک نے اپنے حکم کے ساتھ چار ہزار آدمیون کی جمعیت ساتھ کردی، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ جو فوج گئی تھی اس کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نگران حضرت عبد اللہ بن عباسؓ تھے،

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نہایت نیک طینت وسادہ مزاج تھے، وہ جب تخلیہ مین حضرت عمرو بن العاصؓ سے کسی فیصلہ پر متفق ہوکر باہر تشریف لائے تو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے ان سے کہا، "خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ عمرو نے آپ کو دھوکا دیا ہوگا، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان مین سبقت نہ کیجئے گا، وہ نہایت چالاک ہین، کیا عجب ہے کہ آپکے بیان کی مخالفت کربیٹھین" بولے "ہم دونون ایک ایسی رائے پر متحد ہوئے ہین کہ اس مین اختلاف کی گنجائش نہین،" غرض دوسرے روز مسجد مین مسلمانون کا مجمع ہوا، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کے اصرار پر کھڑے ہوکر یہ متفق علیہ فیصلہ سنایا،

"صاحبو! ہم نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کرکے پھر نئے سرے سے مسلمانوں کو مجلس شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا، وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے،"

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ وہ نہایت صحیح ثابت ہوا، عمرو بن العاصؓ نے قرارداد سے منحرف ہوکر کہا "صاحبو! بیشک علیؓ کو جیساکہ ابو موسیٰ نے معزول کیا مین بھی معزول

کرتا ہون، لیکن معاویہ کو اس منصب پر قائم رکھتا ہون کیونکہ وہ امیر المومنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہین"

حضرت ابو موسیٰؓ اس خلاف بیانی پر ششدر رہ گئے، چلا کر کہنے لگے یہ کیا غداری ہے؟ یہ کیا بے ایمانی ہے؟ افسوس! ابن عباسؓ نے مجھے عمرو کی غداری سے ڈرایا تھا، لیکن مین نے اس پر اطمینان رکھا، مجھے کبھی یہ گمان نہ تھا کہ وہ مسلمانون کی خیر خواہی پر کسی چیز کو ترجیح دین گے، غرض اس ثالثی نے گتھی کو سلجھانے کے بجائے اور زیادہ الجھا دیا، جناب امیرؓ کے اعوان وانصار مین تفرق واختلاف کی ہوا چل گئی اور ایک بڑی جماعت نے لشکر حیدری سے کنارہ کش ہو کر خارجی فرقہ کی بنیاد ڈالی، اس کا عقیدہ تھا کہ معاملاتِ دین مین حکم مقرر کرنا کفر ہے، اس بنا پر دونون حکم اور ان کے انتخاب کرنے والے کافر ہین،[1]

حضرت علیؓ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو خارجیون کے پاس بھیجا کہ بحث ومباحثہ سے ان کی ضلالت دور کردین، لیکن قلوب تاریک ہو چکے تھے، آنکھون پر ضلالت وگمراہی کا پردہ پڑ چکا تھا، اس لیے ارشاد وہدایت کی تمام کوششین ناکام رہین،

معرکۂ نہروان خارجیون نے نہروان مین مجتمع ہو کر عملاً سرکشی اختیار کی اور تمام ملک مین قتل وغارتگری کا بازار گرم کر دیا، حضرت علیؓ دوبارہ شام پر فوج کشی کے خیال سے روانہ ہو چکے تھے، ان سرکشون کا حال سنکر نہروان کی طرف پلٹ پڑے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ گورنری کے عہدہ پر بصرہ پہنچ گئے تھے، وہان سے تقریباً سات ہزار کی جمعیت فراہم کر کے مقام نخیلہ مین افواجِ خلافت سے مل گئے اور نہروان پہونچ کر نہایت بہادری وپامردی کیساتھ سرگرم پیکار ہوئے،[2]

---

[1] یہ تمام واقعات طبری سے ماخوذ ہین [2] تاریخ الطوال،

ایران کی حکومت | جنگ نہروان نے گو خارجیون کا زور توڑ دیا تھا تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی جماعتون نے فارس، کرمان اور ایران کے دوسرے اضلاع مین پھیل کر ایک عام شورش برپا کر دی، اور ذمیون کو بھڑکا کر آمادۂ بغاوت کر دیا، چنانچہ ایران کے اکثر صوبون مین عمال نکال دیئے گئے" اور عجمیون نے خراج ادا کرنے سے قطعاً انکار کر دیا، حضرت علیؓ نے اپنے تمام عمال کو بلا کر اس شورش کے متعلق مشورہ طلب کیا، حضرت عبد اللہؓ نے کہا "مین ایران مین تسلط قائم کرنے کا ذمہ لیتا ہون"، چونکہ بصرہ ایران کے باغی اضلاع سے بالکل متصل تھا اور وہ ایک عرصہ سے وہان کامیابی کے ساتھ گورنری کے فرائض انجام دے رہے تھے، اس لئے حضرت علیؓ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور ان کو تمام ایران کا حاکم اعلیٰ بنا دیا۔[1]

بغاوت کا استیصال | حضرت عبد اللہؓ نے بصرہ پہنچکر زیاد بن ابیہ کو ایک زبردست جمعیت کے ساتھ ایران کی بغاوت فرو کرنے پر مامور فرمایا، چنانچہ انھون نے بہت جلد کرمان، فارس اور تمام ایران مین امن وسکون پیدا کر دیا۔[2]

مکہ مین عزلت نشینی | ایک روایت کے مطابق ۳۹ھ یعنی حضرت علیؓ کی زندگی ہی مین حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے بصرہ کے عہدۂ امارت سے مستعفی ہو کر مکہ مین عزلت نشینی اختیار کر لی، وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور ابو الاسود دُئلی قاضیِ بصرہ مین باہم مخالفت تھی، ابو الاسود نے بارگاہ خلافت مین ان کی شکایت لکھی کہ انھون نے بیت المال مین تصرف بیجا کیا ہے حضرت علیؓ نے اُن سے جواب طلب کیا تو انھون نے لکھا،

ان الذی بلغک باطل وانی لما تحت یدی ضابط قائم لہ وحافظ فلا

آپ کو جو خبر ملی ہے وہ قطعاً غلط ہے، میرے قبضہ مین جو کچھ ہے مین اس کا محافظ ونگہبان ہون، آپ ان

---

[1] تاریخ طبری ص ۳۴۴۹، [2] ایضاً

تصدق الظنون، بدگمانیون کو باور نہ فرمائیں،

حضرت علیؓ نے اس کے جواب مین اُن سے بیت المال کا تمام وکمال حساب طلب کیا، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو یہ ناگوار گذرا، انھون نے برداشتہ خاطر ہو کر لکھا،

فهمت تعظيمك مرزاته ما بلغك انى	مین سمجھتا ہون کہ آپ اس شکایت کو کہ مین نے اس
رزاته من مال اهل هذا البلد فابعث	شہر والون کے مال مین کچھ خورد برد کیا ہے زیادہ اہمیت
الى عملك من احببت فانى ظاعن عنه	دینا چاہتے ہین، اس لئے آپ اپنے کام پر جس کو چاہئے
والسلام[۱]	بھیجدیجئے مین اس سے کنارہ کش ہوتا ہون،

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے جب زیادہ بازپرس کی تو انھون نے لکھ بھیجا کہ ابھی مین نے اپنا پورا حق نہین لیا ہے اور بیت المال سے ایک بڑی رقم لیکر مکہ چلے گئے، لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ حضرت علیؓ کی شہادت تک بصرہ کی گورنری پر مامور رہے، البتہ جب حضرت امام حسنؓ اور امیر معاویہؓ مین مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی تو انھون نے بطور حفظ ماتقدم پہلے ہی امیر معاویہؓ کو خط لکھ کر جان ومال کی امان حاصل کی اور مکہ جاکر گوشہ نشین ہو گئے،[۲]

حضرت امام حسینؓ کو کوفہ جانے سے منع کرنا

سنہ ۶۰ھ مین امیر معاویہ کے بعد جب یزید مسند نشین حکومت ہوا تو شیعان علی مرتضیٰ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو اس انقلاب سے فائدہ اٹھانے پر ابھارا اور کوفہ آنیکی دعوت دی، چنانچہ وہ مدینہ سے مکہ آئے اور یہان سے عازم کوفہ ہوئے، چونکہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کوفیون کی غداری کا دیرینہ تجربہ رکھتے تھے، اس لئے انھون نے حضرت امام حسینؓ کو باصرار تمام کوفہ جانے سے منع کیا اور کہا،

---

[۱] تاریخ طبری ص ۳۴۵۵، [۲] طبری ذکر بیعت حسن بن علیؓ،

عبداللہ بن عباسؓ:- اے ابن عم! مین اپنے دل کو مطمئن کرنا چاہتا ہون، لیکن وہ نہین ہوتا، اس طریقہ سے جانے مین مجھ کو تمھاری ہلاکت وتباہی کا خوف ہے، اہل عراق نہایت غدار ہین، تم ان کے قول وقرار پر اعتبار نہ کرو، تم اہل حجاز کے سردار ہو، اس لئے کوفہ جانے سے یہان مقیم رہنا زیادہ مناسب ہے، ہان! اگر اہل کوفہ درحقیقت تمھارے عقیدت کیش ہین تو ان کو لکھو کہ وہ پہلے اپنے ملک سے دشمن کو نکال باہر کرین، پھر ان کے پاس جاؤ، اگر یہ منظور نہ ہو تو یمن کی راہ لو، وہان بہت سے قلعے اور گھاٹیان ہین، ملک نہایت وسیع وفراخ ہے اور تمھارے والد کا اثر بھی خاصہ ہے، علاوہ ازین دشمن کے دور ہونے کے باعث لوگون سے مراسلت ومکاتبت کر سکتے ہو اور تمام ملک مین اپنے داعی پھیلا سکتے ہو مجھے امید ہے کہ اس طرح زیادہ آسانی واطمینان کے ساتھ تمھارا مقصد حاصل ہو جائیگا۔

حضرت امام حسینؑ:- اے ابن عم! خدا کی قسم مین جانتا ہون کہ آپ میرے سچے خیر خواہ وہمدرد ہین، لیکن اب سفر کوفہ کی تیاریان ہو چکی ہین اور مین نے وہان جانے کا عزم مصمم کر لیا ہے،

عبداللہ بن عباسؓ:- اگر تم جاتے ہو تو خدارا بیوی بچون کو ساتھ نہ لیجاؤ، خدا کی قسم مجھے خطرہ ہے کہ کہین تم بھی اس طرح نہ شہید کئے جاؤ جس طرح حضرت عثمانؓ اپنی عورتون اور بچون کے سامنے ذبح کئے گئے،

لیکن مشیت الٰہی مین کس کو دخل تھا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ضد واصرار کے باوجود حضرت امام حسینؑ اپنے تمام خاندان کے ساتھ راہی کوفہ ہوئے اور میدان کربلا نے وہ خونین منظر پیش کیا جس سے جگر پاش پاش ہوتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اپنے خاندان کی تباہی کا جو روح فرسا صدمہ ہوا ہوگا اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ وہ بیس سال سے گوشہ نشین تھے لیکن اس واقعہ کے بعد تمام دنیا ان کے سامنے تیرہ وتار تھی، بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اخیر عمر مین نابینا ہو گئے تھے[1]

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۵

شاید یہ اسی جگر خراش سانحہ کا اثر ہو،

عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت سے انکار | اسی سال حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ میں خلافت کا دعویٰ کیا، چونکہ حجاز و عراق میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے معتقدین کی ایک بڑی جماعت تھی، اس لئے انھوں نے ان سے بیعت کے لئے بیحد اصرار کیا اور بصورتِ انکار آگ میں جلا دینے کی دھمکی دی، لیکن وہ تمام جھگڑوں سے کنارہ کش ہو چکے تھے، اس بنا پر انھوں نے نہایت سختی سے انکار کیا، اور ابو الطفیل کو کوفہ بھیجکر اپنے معتقدین سے مدد طلب کی،

ابو طفیل کا بیان ہے کہ ہم کوفہ سے چار ہزار جان نثاروں کی ایک جماعت لے کر نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے تو عبداللہ بن زبیرؓ نے غلاف کعبہ تھام کر پناہ حاصل کی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مکان کے ارد گرد لکڑیوں کا انبار لگایا جا چکا تھا، ہم نے ان سے کہا، اگر آپ اجازت دیجئے تو اس شخص سے مخلوق الٰہی کو نجات دیں، بولے نہیں! یہ حرم ہے یہاں کشت و خون جائز نہیں تم صرف میری حفاظت کرو اور مجھے پناہ دو[1]،

حضرت عبداللہ بن عباسؓ درحقیقت بنو امیہ کی بہ نسبت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے، ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا، کیا آپ ابن زبیر سے لڑکر حرم الٰہی کو حلال کرنا چاہتے ہیں؟ بولے "معاذ اللہ! حرم میں خونریزی کرنا تو صرف بنو امیہ اور ابن زبیرؓ کی قسمت میں لکھا ہے، میں خدا کی قسم کبھی ایسی جرأت نہ کروں گا، میں نے کہا، لوگ ابن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں، معلوم نہیں ان کو خلافت کا دعویٰ کس بنا پر ہے؟ فرمایا کیوں نہیں! ان کے والد زبیرؓ حواریٔ رسول تھے، ان کے نانا ابو بکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقِ غار تھے، ان کی ماں اسماءؓ ذات النطاق تھیں، ان کی خالہ عائشہؓ ام المومنین

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۵،

تھین، ان کے والد کی پھوپھی خدیجہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم تھین اور ان کی دادی صفیہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھین، پھر وہ ایک خود بھی پاکباز مومن اور قاریِ قرآن ہین، خدا کی قسم! اگر وہ میرے ساتھ کوئی احسان کرین گے تو ایک رشتہ دار کا احسان ہوگا اور اگر وہ میری پرورش کرینگے تو یہ اپنے ایک ہمسر محترم کی پرورش ہوگی[۱]

طائف منتقل ہونا — لیکن اس دلی ہمدردی وجانبداری کے باوجود انکار بیعت سے جو مخالفت پیدا ہوگئی تھی، اس کی بنا پر مکہ مین ان کا رہنا خطرہ سے خالی نہ تھا، اس لئے کوفی معاندین کی حفاظت مین مکہ سے طائف منتقل ہوگئے اور بقیہ زندگی کے دن وہین پورے کئے،

وفات — ۶۸ھ مین پیمانۂ حیات لبریز ہوگیا، ایک روز سخت بیمار ہوئے، بستر علالت کے ارد گرد احباب ومعتقدین کا ہجوم تھا، بولے "مین ایک ایسی جماعت مین دم توڑون گا جو روے زمین پر خدا کے نزدیک سب سے زیادہ، محبوب، اشرف ومقرب ہے، اس لئے اگر مین تم لوگون مین مرون تو یقیناً تم ہی وہ بہتر جماعت ہو" غرض ہفت روزہ علالت کے بعد طائر روح نے قفس عنصری چھوڑا محمد بن حنفیہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور سپرد خاک کرکے کہا "خدا کی قسم! آج دنیا سے حبر امت اٹھ گیا" غیب سے ندا آئی

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً، (فجر) — یعنی اے نفس مطمئن، اپنے خدا کی طرف خوشی خوشی لوٹ آ،[۲]

علم وفضل

فضل وکمال کے اعتبار سے ابن عباسؓ اس عہد مبارک کے ممتاز ترین علما مین تھے،

---

[۱] بخاری جلد ۲ ص ۶۷۰ [۲] اصابہ جلد ۳ ص ۹۴

ان کی ذات ایسی زندہ کتاب خانہ تھی جس مین تمام علوم و معارف بہ ترتیب جمع تھے، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، شاعری وغیرہ کوئی علم ایسا نہ تھا جس مین ان کو ید طولیٰ حاصل نہ رہا ہو،

تفسیر | بالخصوص قرآن پاک کی تفسیر و تاویل مین جو مہارت اور آیات قرآنی کے شانِ نزول اور ناسخ و منسوخ کے علم مین جو وسعت ان کو حاصل تھی، وہ کم کسی کے حصہ مین آئی حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ جو علم و فضل مین ان کے ہمسر تھے، فرماتے تھے کہ عبد اللہ بن عباسؓ قرآن کے کیا اچھے ترجمان ہین، شقیق تابعی راوی ہین کہ ایک مرتبہ حج کے موسم مین عبد اللہ بن عباسؓ نے خطبہ دیا اور اس مین سورۂ نور کی تفسیر بیان کی، مین کیا بتاؤن وہ تفسیر کیا تھی، اس سے پہلے نہ میرے کانون نے سنی تھی، نہ آنکھون نے دیکھی تھی، اگر اس تفسیر کو فارس اور روم والے سن لیتے تو پھر اسلام سے ان کو کوئی چیز نہ روک سکتی،[۱]

حضرت عمرؓ کی علمی مجلسون مین یہ برابر شریک ہوتے تھے اور قرآن پاک کے فہم مین وہ اکثر بڑے بڑے صحابہؓ سے بازی لیجاتے تھے، ایک دن فاروق اعظمؓ کے حلقۂ مجلس مین اکابر صحابہ کا مجمع تھا، ابن عباسؓ بھی موجود تھے، حضرت عمرؓ نے اس آیت کا مطلب پوچھا،

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ	کیا تم مین سے کوئی اس کو پسند کریگا کہ اس کا کھور اور
نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ	انگور کا ایک باغ ہو جس کے نیچے نہرین رواں ہون،
لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ	اس کے لئے ہر قسم کے پھل اس مین موجود ہون، اور
ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ	اس شخص پر بڑھاپا آگیا ہو اور اس کے ناتوان بچے
نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ	ہون، اس حالت مین اس باغ مین ایسا گولہ آیا
لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ (بقرہ ۳۶)	جسمین آگ بھری تھی، اس نے باغ کو جلا دیا ہی

[۱] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۵۳۷،

طریقہ سے اللہ تمھارے لئے کھول کھول کر نشانیان بیان (بقرہ ۳۶)

کرتا ہے، شاید تم بچو،

لوگون نے کہا واللہ اعلم! حضرت عمرؓ کو اس بے معنی جواب پر غصہ آگیا، بولے اگر نہین معلوم تو صاف صاف کیون نہین کہتے کہ نہین معلوم، ابن عباسؓ جھجکتے ہوئے بولے مین کچھ عرض کرنا چاہتا ہون، فرمایا تم اپنے کو چھوٹا نہ سمجھو جو دل مین ہو بیان کرو، کہا اس مین عمل کی مثال دی گئی ہے، جواب گو صحیح تھا، تاہم ناکافی تھا حضرت عمرؓ نے پوچھا کیسا عمل؟ ابن عباسؓ اس سے زیادہ نہ بتا سکے، تب خود حضرت عمرؓ نے بتایا کہ اس مین اس دولت مند کی تمثیل ہے جو خدا کی اطاعت بھی کرتا ہے لیکن اس کو شیطانی وسوسہ گناہون مین مبتلا کر دیتا ہے، اور اس کے تمام اچھے اعمال برباد ہو جاتے ہین،[1]

حضرت عمرؓ ان کی ذہانت اور ذکاوت کی وجہ سے ان کو شیوخ بدر کے ساتھ مجلسون مین شریک کرتے تھے، بعض صحابہؓ کو اس سے شکایت پیدا ہوئی، انھون نے کہا کہ ان کو ہمارے ساتھ مجلسون مین کیون شریک کرتے ہو، ان کے برابر تو ہمارے لڑکے ہین، فرمایا تم لوگ ان کا مرتبہ جانتے ہو، اس کے بعد ان کی ذہانت کا مشاہدہ کرانے کے لئے ایک دن ان کو بلا بھیجا اور لوگون سے پوچھا کہ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ الخ (نصر) جب خدا کی نصرت اور فتح آگئی تو اے پیغمبر توبہ اور استغفار کرنا

کے بارہ مین تم لوگون کا کیا خیال ہے کہ اس کے کیا معنی ہین، کسی نے جواب دیا کہ نصرت و فتح پر ہم کو خدا کی حمد وثنا کا حکم دیا گیا ہے، کوئی خاموش رہا، پھر ابن عباسؓ سے پوچھا کہ ابن عباسؓ! تمھارا بھی یہی خیال ہے، انھون نے کہا نہین، پوچھا پھر کیا ہے؟ عرض کی اس مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

[1] بخاری جلد ۲ کتاب التفسیر باب قولہ ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ الخ،

وفات کا اشارہ ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا جو تم کہتے ہو یہی میرا بھی خیال ہے،[1] درحقیقت حضرت ابن عباسؓ کی فہم تفسیر قرآن مین ایسی دقیقہ رس تھی کہ وہان تک مشکل سے دوسرون کا خیال پہنچ سکتا تھا، چنانچہ اس سورہ کا مقصد خاص محرمانِ اسرار کے علاوہ عام لوگ کم سمجھ سکتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو اکثر صحابہؓ مین مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی کہ اس مین خدا نے فتح ونصرت اور اسلام کی مقبولیت کے ایفاے عہد پر حمد وثنا کا حکم دیا ہے، لیکن مقرب بارگاہِ رسالت، محرمِ اسرار نبوت، ثانی اثنین فی الغار حضرت ابوبکر صدیقؓ کی آنکھون سے جوے اشک روان ہوگئی، کہ اس کی صبحِ وصل کا نور چھپتا ہوا اور شامِ فراق کی تاریکی چھاتی ہوئی نظر آگئی تھی،[2]

بظاہر اس سورہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کوئی تعلق نہین معلوم ہوتا لیکن اگر انسان کے مقصدِ حیات کو پیشِ نظر رکھ کر اس کی ترتیب اور اس کے معنی پر غور کیا جائے تو مطلب واضح ہو جاتا ہے، دنیا مین انسان ایک نہ ایک مقصد لیکر آتا ہے، اور اس کے حصول کے بعد اس کے آنے کا مقصد پورا ہو جاتا ہے، پھر قیام کی ضرورت باقی نہین رہتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دینِ الٰہی کی تبلیغ کے لئے دنیا مین تشریف لائے تھے، وہ پوری ہو چکی تو خدا نے فرمایا کہ جب خدا کی مدد اور اس کی فتح آچکی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ جوق درجوق خدا کے دین مین داخل ہو رہے ہین تو اب تم خدا کی تحمید وتقدیس کرو، اس سے مغفرت چاہو، وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے، یعنی خدا کو کچھ کام تمھارے ذریعہ لینا تھا وہ لے چکا اب تم کو اس سے ملنے کی تیاری کرنی چاہیئے،

حضرت ابن عباسؓ تفسیر مین ہمیشہ عام، جامع اور قرینِ عقل شق کو اختیار کرتے تھے، سورۂ کوثر مین کوثر کی تفسیر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہؓ اور متعدد اکابر صحابہؓ

[1] بخاری جلد ۲ کتاب التفسیر باب قولہ فسبح بحمد ربک الخ صفحہ ۷۴۳، [2] صحیح بخاری،

کے ذریعہ سے منقول ہے، حضرت انسؓ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ کوثر کے نزول کے وقت پوچھا، جانتے ہو کوثر کیا چیز ہے" لوگوں نے عرض کی خدا اور اس کا رسول خوب جانتا ہے، فرمایا خدا نے مجھ سے ایک نہر کا وعدہ کیا ہے جس میں بے شمار بھلائیاں ہیں، قیامت کے دن اس حوض پر میری امت آئے گی[1]، حضرت عائشہؓ اور حضرت انسؓ کوثر سے مراد نہر لیتے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ "خیر کثیر"[2] حضرت ابن عباسؓ کی اس تفسیر سے عطیۂ الٰہی کی وسعت اور عظمت بہت بڑھ جاتی ہے، اور دوسری تفسیریں بھی اس کے تحت میں آجاتی ہیں، اور قرآنِ پاک کے سلسلۂ کلام کا بھی یہی اقتضا ہے کہ کوثر سے مراد "خیر کثیر" لیا جائے، تاکہ اس کے بعد کفار سے برأت (قل یا ایہا الکافرون) اور فتح ونصرت (فتح مکہ) کی بشارت اسی سلسلہ میں داخل ہو جائے،

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (شوریٰ ۔ ۳) — کہہ دو اے محمد (تبلیغ رسالت کے عوض) میں تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا، صرف یہ کہ قرابت داری کی محبت ملحوظ رکھو،

عام مفسرین "قربیٰ" سے مراد خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت لیتے ہیں، لیکن ابن عباسؓ قریش کے تمام قبائل کو اس میں شامل کرتے ہیں، ایک مرتبہ کسی نے ان سے مودۃ فی القربیٰ کی تفسیر پوچھی، سعید بن جبیر بولے اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت ہے یعنی آپکے اہل بیت کی قرابت، ابن عباسؓ نے کہا تم نے جلد بازی سے کام لیا، قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ رہی ہو، اس آیت میں یہ سب شامل ہیں[3]

[1] مسلم [2] بخاری کتاب التفسیر باب تفسیر انا اعطیناک الکوثر [3] ایضاً باب قولہ تعالیٰ قل لا الخ

تفسیرِ قرآن اور فہمِ قرآن کے فطری ملکہ کے علاوہ شانِ نزول اور ناسخ و منسوخ کے بارہ میں اس قدر حاضر المعلومات تھے کہ بمشکل کوئی ایسی آیت نکل سکے گی جس کے تمام جزئیات اور ماله وما علیہ سے ان کو پوری واقفیت نہ ہو،

لَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا، (نساء ۱۳)

اے مسلمانو! (اظہارِ اسلام کے لئے) جو تم کو سلام کرے اس کو تم خوانخواہ نہ کہو تو مسلمان نہیں ہے،

بظاہر یہ ایک عام حکم ہے، اس کی تفسیر بھی ابن عباسؓ کی ممنونِ احسان ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ کسی غزوہ میں ایک شخص کچھ مالِ غنیمت لئے ہوئے تھا مسلمانوں کا سامنا ہوا تو اس نے سلام کیا، ان لوگوں نے (شبہہ میں) مار ڈالا، اور مالِ غنیمت چھین لیا، اس پر یہ حکم نازل ہوا[1]

اسی طریقہ سے اس آیت،

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ، (حجر ۲)

ہم نے تم میں سے بعض ان لوگوں کو جو آگے بڑھ کر کھڑے ہوتے ہیں جان لیا ہے اور ان کو بھی جو پیچھے کھڑے ہوتے ہیں،

کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ایک خوبصورت عورت جماعت کی نماز میں شریک ہوتی تھی بعض محتاط اشخاص اگلی صف میں چلے جاتے تھے کہ اس پر نظر نہ پڑے اور بعض دیکھنے کی نیت سے پیچھے رہتے تھے، اور رکوع میں بغل کے راستہ سے نظر ڈال لیتے تھے، ان کی اس خیانت پر یہ آیت نازل ہوئی[2]

قرآن مجید کا یہ حکم

[1] بخاری باب قولہ تعالیٰ لا تقولوا، و مسند احمد بن حنبل جلد ا ص ۲۲۹، [2] مسند احمد بن حنبل جلد ا ص ۳۰۵،

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا وَّ یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (آل عمران ۱۹)

اور جو لوگ اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں، اور جو نہیں کیا اس پر تعریف چاہتے ہیں تو ایسے لوگون کی نسبت ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ وہ عذاب سے بچ جائین گے، بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے،

بظاہر انسانی فطرت کے کس قدر خلاف ہے، کیونکہ ہر شخص اپنے کئے پر خوش ہوتا ہے اور جو نہین کرتا ہے اس پر بھی تعریف کا خواہان رہتا ہے، اگر بہت بلند اخلاق کا شخص ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ دوسرا جذبہ اس مین نہ ہوگا، اس تہدیدی حکم کے استفسار کے لئے مروان نے اپنے دربان کو عبداللہ بن عباسؓ کے پاس بھیجا کہ ان سے جاکر پوچھو کہ ہم مین سے کون ایسا ہے، جس کے دل مین یہ جذبہ نہ ہو، اس حکم کے مطابق تو ہم سب عذاب مین مبتلا ہون گے، حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ اس کو ہم لوگون سے کوئی تعلق نہین، یہ ایک خاص موقعہ پر اہل کتاب کے بارہ مین نازل ہوئی تھی، پھر یہ آیت،

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ (آل عمران ۱۹)

جب خدا نے ان لوگون سے جن کو کتاب دی ہے یہ وعدہ لیا کہ وہ اسے لوگون کو کھول کھول کے سنائین گے،

تلاوت کرکے کہا کہ ان کو یہ حکم ملا تھا، مگر انھون نے بالکل اس کے برعکس عمل کیا، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کسی بات کے متعلق استفسار فرمایا، انھون نے اصل جواب جو ان کی کتاب مین تھا چھپا ڈالا اور اپنے حسب منشاء دوسرا فرضی جواب دیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کیا کہ انھون نے اصل جواب دیا ہے، اور پھر اس فعل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خوشنودی کے طالب ہوئے اور اپنی اس چالاکی پر شادان و فرحان ہوے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ اپنے کئے پر خوش ہوتے ہین (جیسا کہ اہل کتاب اپنی چالاکی پر

خوش ہوئے تھے) اور جو نہین کیا ہے اس پر تعریف کے خواہان ہوتے ہین (جیسا کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے خواہان ہوئے تھے) تو ایسے لوگون کے لئے عذاب سے چھٹکارا نہین ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے[1]

ذیل کے واقعہ سے ان کی فراست، ذکاوت، دقیقہ سنجی، اور قوتِ استنباط کا اندازہ ہوگا، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کے مجمع مین سوال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے اخیر عشرہ کی ایک طاق رات ہے تم لوگ اس سے کونسی طاق رات سمجھتے ہو؟ کسی نے ساتوین، کسی نے پانچوین، کسی نے تیسری بتائی، ابن عباسؓ سے فرمایا تم کیون نہین بولتے، عرض کی اگر آپ فرماتے ہین تو مجھ کو کیا عذر ہو سکتا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا مین نے بولنے ہی کے لئے تمھین بلایا ہے، کہا مین اپنی ذاتی رائے دون گا، فرمایا ذاتی رائے تو پوچھتا ہی ہون، کہا مین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات کے عدد کو بہت اہمیت دی ہے، چنانچہ فرمایا ہے کہ سات آسمان، سات زمین، ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا ہے کہ ہم نے زمین کو پھاڑا اور اس مین غلہ، انگور، شاخ، زیتون، کھجور کے درخت، گنجان باغ، اور میوے اگائے یہ بھی سات باتین ہین، حضرت عمرؓ نے یہ جواب سنکر فرمایا کہ تم لوگ اس بچہ سے بھی گئے گذرے ہوئے جس کے سر کے گوشہ بھی ابھی درست نہین ہوئے، یہ جواب کیون نہ دیا،[2] گو بعض دوسرے صحابہؓ نے بھی، کی تعیین کی تھی، لیکن کسی استدلال کے ساتھ نہین، سبھون نے ایک ایک طاق رات اپنے اپنے قیاس و فہم کے مطابق لی، کسی نے سات کی شب بھی لی، لیکن ابن عباسؓ نے قرآن سے اس کی تائید پیش کی، حضرت ابن عباسؓ تفسیر مین نہایت دلیری سے کام لیتے تھے، بعض محتاط صحابہؓ اس دلیری کو ناپسند کرتے تھے لیکن بالآخر ان کو بھی ان کی حاذقت

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۲۹۸ [2] مستدرک حاکم جلد ۱ ص ۵۳۹،

تفسیر کا اعتراف کرنا پڑا،

ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ کے پاس ایک شخص آیا، اور اس نے آیت کانتا رتقاً ففتقنا ھما، کا مطلب پوچھا، انھوں امتحان کی غرض سے ابن عباسؓ کے پاس بھیدیا کہ ان سے پوچھکر بتاؤ، اس نے جاکر پوچھا، انھوں نے بتایا کہ آسمان کا فتق یہ ہے، کہ پانی نہ برسائے، زمین کا فتق یہ ہے کہ نباتات نہ اگائے، سائل نے واپس آکر یہ جواب حضرت ابن عمرؓ کو سنایا، انھوں نے کہا ابن عباسؓ کو نہایت سچا علم مرحمت ہوا ہے، مجھ کو تفسیر قرآن میں ان کی دلیری پر حیرت ہوتی تھی لیکن اب معلوم ہوا کہ درحقیقت علم ان ہی کا حصہ ہے[1] حضرت ابن عمرؓ اس کے بعد قرآن کے سائلین کو خود جواب نہ دیتے تھے، بلکہ ابن عباسؓ کے پاس بھیجدیتے تھے، ایک مرتبہ عمرو بن حبشی نے ایک آیت کے متعلق ان سے استفسار کیا، انھوں نے کہا ابن عباسؓ سے پوچھو، قرآن کے جاننے والے جو لوگ باقی رہ گئے ہیں ان میں سب سے زیادہ معلومات وہی رکھتے ہیں[2]،

علوم قرآنی میں علم الناسخ کی اہمیت بالکل عیان ہے، حضرت ابن عباسؓ اس بحر زخار کے بھی شناور تھے، اور تمام ناسخ اور منسوخ احکام ان کے ذہن میں مستحضر تھے، وہ اس علم کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ بغیر اس پر حاوی ہوئے وعظ کی لب کشائی کی اجازت نہ دیتے تھے، ایک مرتبہ کسی راستہ سے گذر رہے تھے، ایک واعظ وعظ کہہ رہا تھا، اس سے پوچھا ناسخ منسوخ جانتے ہو کسے کہتے ہیں، اس نے کہا نہیں، فرمایا، تو تم خود بھی ہلاک ہوئے اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا[3]؛

گو حضرت ابن عباسؓ قرآن کی تعلیم میں بخل نہیں کرتے تھے، اور ان کا دروازہ ہر طالب قرآن کے لئے کھلا ہوا تھا، تاہم وہ اس نکتہ سے بھی بےخبر نہ تھے کہ جب کثرت سے قرآن کی اشاعت

---

[1] اصابہ جلد ۴ ص ۹۲ [2] ایضاً ص ۹۳ [3] کتاب الناسخ والمنسوخ ابوجعفر نحاس،

ہوگی، اور ہر کس و ناکس فہمِ قرآن کا مدعی ہو جائے گا، تو امت مین اختلاف کا دروازہ کھل جائیگا، ان کی اس نکتہ رسی کا اعتراف حضرت عمرؓ کو بھی کرنا پڑا، حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت مین سارے ممالک محروسہ مین حافظ قرآن مقرر کر دیئے تھے کہ وہ مسلمانون کو قرآن کی تعلیم دین، ایک دن ابن عباسؓ ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، حاکم کوفہ کا خط آیا کہ کوفہ والون نے اتنا اتنا قرآن پڑھ لیا، حضرت عمرؓ نے یہ مژدہ سنکر تکبیر کا نعرہ لگایا، لیکن ابن عباسؓ بولے کہ اب ان مین اختلاف کا تخم پڑ گیا، حضرت عمرؓ نے غصہ سے پوچھا تم کو کیسے معلوم ہوا، اس واقعہ کے بعد یہ گھر چلے آئے، لیکن حضرت عمرؓ کے دل مین ان کا کہنا کھٹکتا رہا، چنانچہ آدمی بھیجکر ان کو بلا بھیجا، انھون نے عذر کر دیا، دوبارہ پھر آدمی بھیجا کہ تم کو آنا ہوگا، اس تاکید پر یہ چلے آئے، حضرت عمرؓ نے پوچھا تم نے کوئی رائے ظاہر کی تھی، انھون نے کہا پناہ بخدا اب مین کبھی دوبارہ کوئی خیال نہ ظاہر کرون گا، حضرت عمرؓ نے کہا مین طے کر چکا ہون کہ جو تم نے کہا تھا اس کو کہلوا کر رہون گا، اس اصرار پر انھون نے کہا کہ آپ نے جب کہا کہ میرے پاس خط آیا ہے کہ کوفہ والون نے اتنا اتنا قرآن یاد کر لیا، اس پر مین نے کہا کہ ان لوگون مین اختلاف پیدا ہو گیا، حضرت عمرؓ نے کہا یہ تم نے کیسے جانا، انھون نے سورہ بقر کی یہ آیتین پڑھ کر سنائین،

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ، وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ

اے محمد! لوگون مین سے بعض ایسے آدمی بھی ہین جن کی باتین تم کو دنیاوی زندگی مین بھلی معلوم ہوتی ہین، اور وہ اپنی دلی باتون پر خدا کو گواہ بناتا ہے، حالانکہ وہ دشمنون مین بڑا جھگڑالو ہے اور جب وہ تمھارے پاس لوٹ کر جائے تو ملک مین پھرے تاکہ اس مین فساد پھیلائے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کرے اور

وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ، وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ،

(بقرہ ع ۲۵)

اللہ فساد کو پسند نہین کرتا اور جب اس سے کہا جائے کہ خدا سے ڈرو تو ان کو عزتِ نفس گناہ پر آمادہ کرے ایسے شخص کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے، اور لوگون مین کچھ ایسے بھی ہین جو خدا کی رضا جوئی کے لئے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہین اور اللہ بندون پر شفقت کرنے والا ہے،

یہ آیتین سنکر حضرت عمرؓ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ مین میری جان ہے تم نے سچ کہا[1]

حدیث حضرت ابن عباسؓ ان مخصوص صحابہؓ مین ہین جو علم حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہین اگر حدیث کی کتابون سے ان کی روایتین علٰحدہ کرلی جائین تو اس کے بہت سے اوراق سادہ رہ جائین گے ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۱۶۶۰ ہے، ان مین ۹۵ متفق علیہ ہین، یعنی بخاری اور مسلم دونون مین ہین، ان کے علاوہ ۱۲۰ روایتون مین بخاری منفرد ہین اور ۹ مین مسلم[1]" ان کی روایات کی کثرت اور معلومات کی وسعت خود ان کی ذاتی کاوش وجستجو کا نتیجہ ہین، گو بہت سی روایتین براہِ راست خود زبانِ وحی والہام سے لی ہین، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۴، ۱۵ سال سے زائد نہ تھی، ظاہر ہے کہ اس عمر مین علم کا اتنا سرمایہ کہان سے حاصل کر سکتے تھے، ان کے ذوقِ علم اور تلاش وجستجو کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک انصاری سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۴۰ شرط شیخین [2] تہذیب الکمال ص ۲۰۲

علیہ وسلم وفات پاگئے، مگر آپ کے اصحاب زندہ ہین چلو ان سے تحصیل علم کرین، انھون نے کہا ابن عباسؓ! مجھکو تم پر حیرت ہوتی ہے تم دیکھتے ہو کہ لوگ علم مین خود تمھارے محتاج ہین، پھر تم دوسرون کے پاس جاتے ہو، یہ جواب سن کر ان کو چھوڑ دیا اور تنہا جہان کہین سراغ ملتا کہ فلان شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے، فوراً مشقت اٹھاکر اس کے پاس پہنچتے اور اطلاع دیتے، وہ گھر سے نکل آتا اور کہتا کہ ابن عم رسولؐ! آپ نے کیسے تکلیف کی، یہ اپنا مدعا بیان کرتے کہ مین نے سنا ہے کہ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے، وہ کہتا ابن عم رسولؐ! آپ نے کیون زحمت گوارا کی، کسی دوسرے کو بھیج دیا ہوتا، کہتے نہین یہ میرا فرض تھا، اس طریقہ سے عرب کے گوشہ گوشہ سے ایک ایک دانہ چن چن کر خرمنِ علم کا انبار لگایا، جب ان کے فضل و کمال کا چرچا زیادہ ہوا، اس وقت ان انصاری نے جنھون نے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا تھا، ندامت کے ساتھ اقرار کیا کہ "ابن عباسؓ ہم سے زیادہ عقلمند تھے"[۱]

ابو سلمہؓ روایت کرتے ہین کہ ابن عباسؓ کہتے تھے کہ جس شخص کے متعلق مجھ کو پتہ چلتا کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے تو مین خود اس کے مکان پر جا کر حاصل کرتا حالانکہ اگر مین چاہتا تو راوی کو اپنے یہان بلوا سکتا تھا،[۲]

ابو رافعؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے، اس لئے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال دیکھنے اور اقوال سننے کا زیادہ موقع ملتا تھا، ابن عباسؓ ان کے پاس کاتب لیکر آتے اور پوچھتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلان فلان دن کیا کیا، ابو رافعؓ بیان کرتے اور کاتب قلمبند کرتا جاتا،[۳]

۱؎ مستدرک حاکم جلد ۳ فضائل ابن عباسؓ سعی ابن عباسؓ فی طلب العلم ۲؎ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۳؎ اصابہ جلد ۴ ص ۹۲

اسی تلاش و جستجو نے ان کو اقوال و افعال نبوی کا سب سے بڑا حافظ بنا دیا تھا، اکثر اکابر صحابہ رضی کو جو عمر اور مرتبہ مین ان سے کہین زیادہ تھے، ان کے مقابلہ مین اپنے قصورِ علم کا اعتراف کرنا پڑتا تھا، یہ فتوی دیتے تھے کہ حائضہ طواف رخصت کئے بغیر لوٹ جائے، حضرت زید بن ثابت رضی انصاری کاتبِ وحی کو معلوم ہوا تو انھون نے پوچھا تم حائضہ عورت کو یہ فتوی دیتے ہو، انھون نے کہا ہان، زید بن ثابت رضی نے کہا یہ فتوی نہ دیا کرو، انھون نے کہا مین تو یہی دون گا، اگر آپ کو شک ہے تو فلان انصاریہ سے جاکر پوچھ لیجئے کہ اس کو یہ حکم دیا تھا یا نہین، زید بن ثابت رضی نے جاکر پوچھا تو ابن عباس رضی کا فتوی صحیح نکلا چنانچہ ہنستے ہوئے واپس آئے اور بولے تم نے سچ کہا تھا،[1]

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ان مین اور مسور بن مخرمہ مین محرم کے سر دھونے کے بارہ مین اختلاف ہوا، یہ کہتے تھے محرم سر دھو سکتا ہے، مخرمہ اس کے خلاف تھے اس پر عبد اللہ بن عباس رضی نے عبد اللہ بن حنین کو حضرت ابو ایوب انصاری رضی کے پاس تحقیق کے لئے بھیجا، یہ اس وقت کپڑا آڑ کئے ہوئے کنوین پر نہا رہے تھے، عبد اللہ نے سلام کیا، انھون نے پوچھا کون ہو، کہا مین ہون عبد اللہ بن حنین، ابن عباس رضی نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت مین کس طرح سر دھوتے تھے، ابو ایوب رضی نے عملاً نقشہ کھینچ کر بتا دیا،[2]

جب صحابہ کرام رضی مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول و فعل کے بارہ مین اختلاف ہوتا تو وہ ابن عباس رضی کی طرف رجوع کرتے، اس بارہ مین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہان سے احرام باندھا، صحابہ رضی مین بہت اختلاف ہے، سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی سے کہا کہ ابو العباس مجھ کو حیرت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی مین آپ کے احرام باندھنے کی

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۲۶ [2] ابو داؤد کتاب المناسک باب المحرم یغسل راسہ،

جگہ کی تعیین مین بہت زیادہ اختلاف ہے، انھون نے کہا میرے معلومات اس بارہ مین سب سے زیادہ ہین، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی حج کیا ہے، اس لئے لوگون مین اختلاف پیدا ہوگیا، اس کا سبب یہ ہے کہ جب آپ نے ذوالحلیفہ کی مسجد مین دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد احرام باندھا اور لبیک کہنا شروع کیا جو لوگ اس وقت موجود تھے، انھون نے اسی کو یاد رکھا، پھر جب آپ اونٹنی پر سوار ہوئے اور وہ چلی تو پھر آپنے لبیک کہا، اس وقت جو لوگ موجود تھے وہ یہ سمجھے کہ آپ نے یہین ابتدا کی ہے، چنانچہ وہ لوگ یہ سمجھتے ہین کہ جب آپ اونٹنی پر سوار ہوکر چلے اس وقت سے لبیک کہنا شروع کیا، اس کے بعد جب آپ بلند مقام پر چڑھے تب لبیک کہا جو لوگ اس وقت آکر ملے، وہ یہان سے ابتدا سمجھے، چنانچہ وہ کہتے ہین کہ جب آپ بلندی پر چڑھے اس وقت سے کہنا شروع کیا، لیکن مین خدا کی قسم کھاکر کہتا ہون کہ آپنے مسجد مین احرام باندھا، اس کے بعد جب اونٹنی چلی تب، اور جب بلند مقام پر چڑھے تب، دونون مرتبہ لبیک کہا،[1]

روایتون مین احتیاط عموماً کثیر الروایت راویون کے متعلق یہ شبہہ کیا جاتا ہے کہ وہ روایت کرنے مین محتاط نہین ہوتے، اور رطب و یابس کا امتیاز نہین رکھتے، لیکن ابن عباسؓ کی ذات اس سے مستثنیٰ اور اس قسم کے شکوک وشبہات سے ارفع و اعلیٰ تھی، وہ حدیث بیان کرتے وقت اس کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے کہ کوئی غلط روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نہ منسوب ہونے پائے، جہان اس قسم کا کوئی خفیف سا بھی خطرہ ہوتا، وہ بیان نہ کرتے، چنانچہ اکثر کہا کرتے تھے کہ ہم اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتے تھے، جب تک جھوٹ کا خطرہ نہ تھا، لیکن جب سے لوگون نے ہر قسم کی رطب و یابس حدیثین

[1] ابو داؤد کتاب المناسک باب وقت الاحرام،

بیان کرنا شروع کردیں، اس وقت سے ہم نے روایت ہی کرنا چھوڑ دیا[1]، لوگوں سے کہتے کہ تم کو قال رسول اللہ کہتے وقت یہ خوف نہیں معلوم ہوتا کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے یا زمین شق ہو جائے اور تم اس میں سما جاؤ[2]، اسی احتیاط کی بنا پر فتویٰ دیتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لیتے تھے[3] کہ آپ کی طرف نسبت کرنے کا بار نہ اٹھانا پڑے،

حلقۂ درس

حضرت ابن عباس رضی کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا سینکڑوں طلبگار روزانہ ان کے خرمن کمال سے خوشہ چینی کرتے تھے ان کی زندگی کا ہر لمحہ درس و تدریس کے لئے وقف تھا، کبھی کوئی شخص ان کے چشمۂ فیض سے ناکام واپس نہ ہوا، اس عام فیض کے علاوہ بعض مجلسیں خصوصیت کے ساتھ درس و تدریس اور علمی مذاکرون کے لیے مخصوص تھیں، اور ان میں باقاعدہ ہر علم و فن کی جدا جدا تعلیم ہوتی تھی، ابو صالح تابعی بیان کرتے ہیں کہ "میں نے ابن عباس رض کی ایک ایسی علمی مجلس دیکھی کہ اگر سارا قریش اس پر فخر کرے تو بھی بجا ہوگا، اس مجلس کا یہ حال تھا کہ عبد اللہ بن عباس رض کے مکان کے سامنے آدمیوں کا اتنا ازدحام تھا کہ ان کی کثرت سے آمد و رفت مشکل تھی، میں نے جا کر اس ازدحام کی اطلاع دی تو مجھ سے پانی مانگا، میں پانی لایا، انھوں نے وضو کیا، وضو کر کے بیٹھ گئے، پھر مجھ سے کہا جاؤ قرآن کے جس شعبہ کے متعلق جو سائل ہوں، ان کو اطلاع دو، میں نے اطلاع دی، دیکھتے دیکھتے سائلوں سے سارا گھر اور تمام حجرے بھر گئے جس نے جو سوال کیا اس کے سوال سے زیادہ اس کو جواب دیکر رخصت کیا، پھر مجھ سے کہا جاؤ حرام و حلال اور فقہ کے سائلوں کو بلاؤ، میں نے ان لوگوں کو اطلاع دی، چنانچہ ان کا جم غفیر آیا، اور جن کو جو سوالات کرنا تھے پیش کئے، فرداً فرداً سب کو نہایت تشفی بخش اور ان کے

---

[1] مسند دارمی باب فی الحدیث عن الثقات [2] ایضاً باب ماتقی من تفسیر حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم [3] مسند احمد ابن حنبل جلد اول ص ۳۵۰،

سوالات سے زیادہ جواب دیکر رخصت کیا، پھر فرمایا کہ اب تمھارے دوسرے بھائیون کی باری ہے، اس کے بعد فرائض وغیرہ کے سائلون کو بلایا، ان کی تعداد بھی اتنی بڑی تھی کہ پورا گھر بھر گیا، ان کے پیشرون کی طرح ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دے کر فارغ ہوئے تو مجھ سے کہا کہ عربی زبان، شعر وشاعری اور ادب وانشاء کے سائلون کو بلاؤ، چنانچہ مین نے اطلاع دی، یہ لوگ آئے، ان کے ہجوم کا بھی وہی حال تھا، ان لوگون نے جو سوالات کئے، ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دیئے، ابو صالح یہ واقعہ بیان کرکے کہتے ہین کہ مین نے کسی شخص کی اتنی بڑی مجلس نہین دیکھی تھی[۱]،

درس کے ان مستقل حلقون کے علاوہ کبھی کسی نماز کے بعد تقریر اور خطبہ کے ذریعہ سے تعلیم دیتے، عبد اللہ بن شقیق بیان کرتے ہین کہ ایک دن ابن عباسؓ نے عصر کے بعد ہم لوگون کے سامنے تقریر کی، اور اتنی دیر تک کرتے رہے کہ آفتاب غروب ہوگیا، اور تارے نکل آئے، لوگون نے نماز نماز کی آوازین بلند کرنا شروع کین، ایک تمیمی نے مسلسل نماز کہنا شروع کیا، ابن عباسؓ جھنجھلا کر بولے لا اُم لک، تو مجھ کو سنت کی تعلیم دیتا ہے، مین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، آپ ظہر، عصر اور مغرب وعشاء کی نمازین ایک ساتھ پڑھتے تھے، عبد اللہ بن شقیق کے دل مین یہ بات کھٹکتی رہی، انھون نے جاکر حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا، حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا ہان صحیح ہے[۲]،

حضر کے علاوہ سفر مین بھی ان کا یہ چشمۂ فیض جاری رہتا تھا، چنانچہ جب چند دنون کے لئے حج کی غرض سے مکہ معظمہ تشریف لیجاتے تھے، اس وقت بھی ان کی قیامگاہ طالبانِ علم کی درسگاہ بنجاتی[۳]،

---

[۱] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۸ [۲] مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرہا باب الجمع بین الصلوٰتین فی الحضر [۳] استیعاب جلد اوّل ص ۳۵۳

ترجمان کا تقرر | اسلامی فتوحات کے بعد جب اسلام عرب کے حدود سے نکل کر ایران ومصر وغیرہ میں پھیلا، تو وہ قومیں اسلام کے حلقہ اثر میں آئیں جنکی زبان عربوں سے جدا تھی، ابن عباسؓ نے ان کی آسانی کے لئے مخصوص ترجمان رکھے کہ ان کو سوال میں زحمت نہ ہو[1]

تلامذہ | ان کی اس فیض رسانی وعلم وعرفان کی بارش نے ان کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع کردیا تھا، جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے، مشہور تلامذہ اور شاگردوں کی مختصر فہرست یہ ہے،

بیٹوں میں محمد اور علی، پوتوں میں محمد بن علی، بھائیوں میں کثیر، بھتیجوں میں عبد اللہ ابن عبید اللہ، اور عبد اللہ بن معبد، عام لوگوں میں عبد اللہ بن عمر، ثعلبہ بن حکم، مسور بن مخرمہ ابو الطفیل، ابو امامہ بن سہل، سعید بن مسیب، عبد اللہ بن حارث، عبد اللہ بن عبد اللہ، عبد اللہ بن شداد، یزید بن اصم، ابو سلمہ بن عبد الرحمن، ابو جمرہ ضبعی، ابو مجلز لاحق بن حمید، ابو رجاء عطاردی، قاسم بن محمد، عبید بن اسباق، علقمہ بن وقاص، علی بن حسین، عبید اللہ ابن عبد اللہ بن عتبہ، عکرمہ، عطاء، طاؤس، کریب، سعید بن جبیر، مجاہد، عمرو بن دینار، ابو الجوزاء اوس بن عبد اللہ ربعی، ابو الشعثاء، جابر بن زید، بکر بن عبد اللہ مزنی، حصین بن جندب، حکم بن اعرج، ابو الجویریہ، حطان بن خفاف، حمید بن عبد الرحمن بن عوف، رفیع ابو العالیہ، مقسم، ابو صالح السمان، سعد بن ہشام، سعید بن ابو الحسن بصری، سعید بن حویرث، سعید بن ابی ہند، ابو البختری سعید بن یسار، سلیمان بن یسار، ابو زمیل سماک بن ولید، سنان بن سلمہ، صہیب، طلحہ بن عبد اللہ بن عوف، عامر الشعبی، عبد اللہ بن ابی ملیکہ، عبد اللہ بن کعب ابن مالک، عبد اللہ بن عبید، عبید بن حنین، عبد الرحمن بن مطعم، عبد الرحمن بن وعلہ،

[1] مسلم جلد اول

عبد العزیز بن رفیع، عبد الرحمن بن عابس نخعی، عبید اللہ بن عبد اللہ بن ابی ثور، عبید اللہ بن یزید الملکی، علی بن ابو طلحہ، عمرو بن مرہ، عمرو بن میمون، عمران بن حطان، عمار بن ابی عمار، محمد بن عباد بن جعفر، مسلم بن یبیح، مسلم القریر، موسیٰ بن سلمہ، میمون بن مہران جزری، نافع بن جبیر بن مطعم، ناعم، نضر بن انس، یحییٰ بن یعمر، ابو البختری الطائی، ابو الحسان الاعرج، یزید بن ہرمز، ابو حمزہ قصاب، ابو الزبیر مکی، ابو عمر البہرانی، ابو المتوکل الناجی، ابو نضرہ العبدی، فاطمہ بنت حسین، محمد بن سیرین وغیرہم[1]

فقہ و فرائض | حضرت ابن عباسؓ کے فتاویٰ فقہ کی سنگ بنیاد ہیں، اس کی تشریح کے لئے ایک دفتر چاہیئے، اس لئے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں، تاہم ان کی فقہ دانی کا سرسری اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ابو بکر محمد بن موسیٰ خلیفہ مامون الرشید کے پر وتے نے جو اپنے زمانہ کے امام تھے، ان کے فتاویٰ، ۲۰ جلدوں میں جمع کئے تھے[2]

مکہ میں فقہ کی بنیاد ان ہی نے رکھی، وہ تمام فقہاء جن کا سلسلہ مکہ کے شیوخ تک پہنچتا ہے، وہ سب بالواسطہ یا بلا واسطہ ان کے خوشہ چین تھے، ایک فقیہ و مجتہد کے لئے قیاس ناگزیر ہے کیونکہ وقتاً فوقتاً بہت سے ایسے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں جو حضرت حامل شریعت علیہ السلام کے عہد میں نہ تھے، اور ان کے متعلق کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے، ایسے وقت میں مجتہد کا یہ فرض ہے کہ وہ منصوصہ احکام اور ان میں علت مشترک نکال کر ان پر قیاس کر کے حکم صادر کرے، ورنہ فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا، حضرت ابن عباسؓ کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے جواب مل جاتا تو فبہا ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے بھی مقصد برآری نہ

---

[1] تہذیب التہذیب [2] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۳

ہوتی، تو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا فیصلہ دیکھتے، اگر اس سے بھی عقدہ نہ حل ہوتا، تو پھر اجتہاد کرتے[1] مگر اسی کے ساتھ وہ ایسی بالرائے کو برا سمجھتے تھے، چنانچہ وہ اس کی مذمت میں کہتے ہیں کہ "جو شخص کسی مسئلہ میں ایسی رائے دیتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں نہیں ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب وہ خدا سے ملے گا تو اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا"[2]

حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے، حضرت علیؓ نے ان کو زندہ جلا دیا، ابن عباسؓ کو معلوم ہوا تو کہا اگر ان کی جگہ میں ہوتا، تو جلانے کے بجائے قتل کی سزا دیتا، کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص مذہب تبدیل کرے اس کو قتل کر دو، پھر فرمایا کہ "جو عذاب خدا کا مخصوص ہے، اس کو تم لوگ نہ دو"، یعنی آگ میں کسی کو نہ جلاؤ، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا ابن عباسؓ پر افسوس ہے[3]

فقہ کے ساتھ ساتھ فرائض میں بھی درک تھا، اگرچہ وہ اس فن میں حضرت معاذ بن جبلؓ زید بن ثابتؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کے برابر نہ تھے، تاہم عام صحابہؓ میں حضرت ابن عباسؓ بھی اس فن میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، عبید اللہ بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ حساب اور فرائض میں ابن عباسؓ ممتاز درجہ رکھتے تھے[4]

دیگر علوم | ان مذہبی علوم کے علاوہ ان تمام علوم میں جو اس زمانہ میں لازمۂ شرافت سمجھے جاتے تھے، کافی دستگاہ اور ناقدانہ نظر رکھتے تھے، اوپر گذر چکا ہے کہ مذہبی علوم کے علاوہ ان کے حلقۂ درس میں عربی شعر و شاعری اور ادب و انشاء کے طالبین بھی آتے تھے، عربوں میں شاعری لازمۂ شرافت تھی، بالخصوص قریش کی آتش بیانی مشہور تھی، ابن عباسؓ نہ صرف سخن سنج تھے، بلکہ خود بھی اشعار کہتے تھے، ابن رشیق نے ان کے یہ چند اشعار کتاب العمدہ

---

[1] اعلام الموقعین جلد اول ص ۳۱، [2] ایضاً [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۹ [4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۳

مین نمونہ کے طور پر نقل کئے ہین،

اذا طارقات الهم ضاجعت الفتی — واعمل فکر اللیل واللیل عاکر

جب رات کے آنے والے غم کسی جوانمرد کے ساتھ ہم خواب ہوتے ہین اور شب کے آخر حصہ مین تفکرات اپنا عمل کرتے ہین،

وباکرنی فی صاحبة لم یجد بها — سوای ولا من نکبة الدهر ناصر

اور وہ صبح کو میرے پاس اسی حالت مین اپنی حاجت لیکر آتا ہے کہ اس مین اور اسکی زمانہ کی بدبختیون مین اسکا کوئی مددگار نہین ہوتا

فرجت بمالی همه من مقامه — وزائله هم طروق مسامر

تو مین اپنے مال کے ذریعہ اس کا غم دور کرتا ہون؛ اور اس کے رات کی آنے والے تفکرات دور ہو جاتے ہین،

وکان له فضل علی بظنه — بی الخیر انی للذی ظن شاکر

اور مین اسی کا ممنون ہون کیونکہ وہ میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اور جو شخص میری ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اسکا مین مشکور ہوتا ہون

شعر گوئی کے ساتھ فصیح وبلیغ بھی تھے، اگرچہ خطیب کی حیثیت سے انھون نے کوئی شہرت نہین حاصل کی، تاہم ان کی روزانہ کی گفتگو بھی ادب کی چاشنی سے خالی نہ ہوتی تھی، مسروق کا بیان ہے کہ جب ابن عباسؓ گفتگو کرتے تھے تو فصیح ترین آدمی معلوم ہوتے تھے،[1] حضرت حسینؓ کی وفات کے بعد ان مین اور امیر معاویہؓ مین جو گفتگو ہوئی ہے وہ حسن بیان کا ایک دل آویز نمونہ ہے،[2]

معاویہ: اجرك الله ابا العباس فی ابی محمد الحسن بن علی

معاویہؓ، ابو العباس خدا تمہین ابی محمد الحسن بن علی کی موت پر اجر دے،

فقال ابن عباس: انا لله وانا الیه راجعون وغلبه البکاء فرده ثم

ابن عباسؓ:- ابن عباسؓ نے انا للہ وانا الیه راجعون پڑھا اور آنسو ضبط کر کے بولے خدا کی قسم انکی

---

[1] کتاب العمدہ ص ۵ [2] استیعاب جلد اول ص ۳۸۴ [3] کتاب البیان والتبیین جاحظ جلد ۲ ص ۱۸۰،

قال لا یسد د اللہ ثمکانہ حفرتک ولا یزید موتہ	موت سے تمھاری قبر پر نہ ہو جائیگی اور نہ انکی موت سے تمھاری زندگی
فی اجلک واللہ لقد اصبنا بمن ھو اعظم	میں کچھ اضافہ ہوگا، خدا کی قسم ہم کو ان سے بڑے کی موت کا صدمہ
منہ فقدہ فما ضیعنا اللہ بعدہ	اٹھانا پڑا خدا کی قسم اس کے بعد ہمارا کیا چارہ تھا'
معاویہؓ :۔ کم کانت سنہ	معاویہؓ :۔ ان کی عمر کتنی تھی،
ابن عباسؓ :۔ مولدہ اشہر من ان تتعرف سنہ	ابن عباسؓ :۔ ان کی ولادت اتنی مشہور ہے کہ تم کو ان کی عمر معلوم کرنے کی ضرورت نہیں،
معاویہؓ :۔ احسبہ ترک اولادا صغارا	معاویہؓ :۔ میرا خیال ہو کہ انھوں نے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے
ابن عباسؓ :۔ کان کلنا صغیرا فکبرو لئن	ابن عباسؓ :۔ ہم سب چھوٹے تھے پھر بڑے ہوئے،
اختار اللہ لابی محمد ما عندہ وقبضہ	اگر خدا نے ابو محمد (حسنؓ) کو اپنی رحمت کی طرف بلالیا تو ابھی
الی رحمتہ لقد ابقی اللہ ابا عبد اللہ وفی	اس نے ابو عبد اللہ (حسینؓ) کو زندہ رکھا ہے ان کے
مثلہ الخلف الصالح'	ایسے لوگ خلف صالح ہوتے ہیں،

تقریر اس قدر شیرین ہوتی تھی کہ بے ساختہ سننے والوں کی زبانوں سے مرحبا نکل جاتا، ہم نے مستدرک حاکم کے حوالہ سے اوپر کہیں نقل کیا ہے کہ شقیق بیان کرتے تھے کہ "ابن عباسؓ نے ایک مرتبہ حج کے موسم میں سورۂ نور کی تفسیر اس اچھوتے انداز سے بیان کی تھی کہ اس سے بہتر نہ میرے کانوں نے سنی تھی، نہ آنکھوں نے دیکھی تھی، اگر اس کو فارس وروم سن لیتے تو پھر ان کو اسلام سے کوئی چیز نہ روک سکتی،" ابن ابی شیبہ کی روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ ایک شخص بولا کہ ابن عباس کی شیرین بیانی اور حلاوت پر میرا بے اختیار دل چاہتا تھا کہ ان کا سر چوم لوں[1]"

ابن عباسؓ کی جامعیت

اوپر کی تفصیلات سے ان کی جامعیت کا اندازہ ہوا ہوگا، عبید اللہ بن عبد اللہ

[1] اصابہ بحوالہ ابن ابی شیبہ تذکرہ عبد اللہ بن عباسؓ،

کے اس تبصرہ سے اس کا پورا اندازہ ہوگا وہ کہا کرتے تھے کہ اس زمانہ کے علوم میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا، معاملہ فہمی اور اصابتِ رائے میں وہ سب پر فائق تھے، نسب دانی اور تاویلِ قرآن کے بڑے ماہر تھے، احادیث نبوی اور ابوبکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ کے فیصلوں کا ان سے زیادہ کوئی واقف کار نہ تھا، شعر و شاعری، ادب، تفسیر، حساب اور فرائض میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، اور ان سب میں ان کی رائے بے نظیر ہوتی تھی، ان کے علمی مذاکرے کے دن مقرر تھے، کسی دن فقہ کا درس دیتے تھے، کسی دن تاویلِ قرآن پر روشنی ڈالتے، کسی دن مغازی کے واقعات کا تذکرہ کرتے، کسی دن ایامِ عرب کی داستان سناتے، کسی دن شعر و شاعری کا چرچا ہوتا، غرض ان کا چشمۂ فیض ہر دن نئے رنگ سے ابلتا تھا، میں نے کسی بڑے سے بڑے عالم کو نہیں دیکھا جو تھوڑی دیر کے لئے ان کی صحبت میں بیٹھا ہو اور ان کے کمالِ علم کے سامنے اس کی گردن نہ جھک گئی ہو، کسی علم کے متعلق کوئی سوال بھی کرتا اس کو اس کا جواب ضرور ملتا![1]

معاصرین کا اعتراف حضرت ابن عباسؓ صحابہؓ کی جماعت میں گو عمر میں بہت چھوٹے تھے، مگر ان کا علم سب سے بڑا تھا، ان کے تمام معاصرین جن میں سے بڑے بڑے صحابہؓ تک تھے، ان کے فضل وکمال کے معترف تھے،

حضرت عمرؓ فرماتے تھے ابن عباسؓ ادھیڑ عمر والوں میں نوجوان ہیں، ان کی زبان سائل اور ان کا ذہن رسا ہے، مجاہد تابعی کہتے تھے کہ "میں نے ابن عباسؓ کے فتاویٰ سے بہتر کسی شخص کا فتویٰ نہیں دیکھا، علاوہ اس شخص کے جو قال رسول اللہ کہتا ہے"، طاؤس کہتے تھے کہ "میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پانسو اصحابؓ کو دیکھا ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں ابن عباسؓ سے مباحثہ کرتے اور دونوں میں اختلافِ رائے ہوتا تو آخر میں ابن عباسؓ ہی کی رائے

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۳-۱۹۴،

پر فیصلہ ہوتا"

عبید اللہ بن عباسؓ کہتے تھے کہ مین نے عبد اللہ بن عباسؓ سے زیادہ سنت کا عالم، ان سے زیادہ صائب الرائے، ان سے بڑا دقیق النظر کسی کو نہین دیکھا، حضرت عمرؓ باوجود اپنے ملکۂ اجتہاد اور مسلمانون کی خیر خواہی کے ابن عباسؓ کو مشکلات کے لئے تیار کرتے تھے، [1] قاسم بن محمد کا بیان ہے کہ "ہم نے ابن عباسؓ کی مجلس مین کبھی کوئی باطل تذکرہ نہین سنا، اور ان سے زیادہ کسی کا فتوی سنتِ نبوی کے مشابہ نہین دیکھا" [2] طاؤس تابعی حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ بہت رہا کرتے تھے، ابو سلیم نے ان پر اعتراض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہؓ کو چھوڑ کر تم اس چھوکرے سے کیون چمٹے رہتے ہو؟ انھون نے کہا مین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر اصحابؓ کو دیکھا ہے جب وہ کسی مسئلہ مین گفتگو کرتے تھے تو آخر مین ان کو ابن عباسؓ ہی کے قول کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا، [3] حضرت زید بن ثابتؓ کا انتقال ہوا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا آج اس امت کا عالم اٹھ گیا، امید ہے کہ خدا ابن عباسؓ کو ان کا قائم مقام بنائے گا، [4] مشہور عالم صحابی ابی بن کعبؓ کے بیٹے محمد روایت کرتے ہین کہ ابن عباسؓ ایک دن میرے والد کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، جب وہ اٹھ کر چلے تو میرے باپ نے کہا کہ ایک دن یہ شخص اس امت کا حبر زبردست عالم ہو گا، [5] حضرت ابی بن کعبؓ کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی، اور ابن عباسؓ اپنے کثرتِ علم کی وجہ سے حبر الامۃ کہلانے لگے،

معاصرین کی عزت

اس ذاتی علم و فضل کے باوجود دوسرے علماء کی بڑی عزت کرتے تھے اور ان سے نہایت تواضع اور انکسار سے پیش آتے تھے، ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابتؓ سوار ہوئے

[1] یہ تمام اقوال استیعاب سے منقول ہین جلد اول ص ۳۸۴ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۴ [3] اصابہ جلد ۴ ص ۹۲ [4] ایضاً ص ۹۱ [5] مستدرک حاکم فضائل ابن عباسؓ،

تو ابن عباسؓ نے احتراماً ان کی رکاب تھام لی، زید بن ثابتؓ نے کہا اے ابن عم رسول! ایسا نہ کیجئے، فرمایا ہم کو اپنے علماء کا ایسا ہی احترام کرنا چاہئیے، زید بن ثابتؓ نے ان کا ہاتھ چوم کر کہا، ہم کو اپنے نبی کے اہل بیت کا ایسا ہی احترام کرنا چاہئیے۔[1]

بدعت سے نفرت عقیدہ کی صحت مذہب کی روح ہے، اس میں جہاں رخنہ پیدا ہوا، مذہب کی بنیادیں ہل جاتی ہیں، تقدیر کا مسئلہ مذہب میں ایسا نازک اور پیچیدہ ہے کہ اس میں ادنی افراط وتفریط سے عظیم الشان فتنوں کا دروازہ کھل جاتا ہے، صحابہؓ کے آخر زمانہ میں نو مسلم عجمیوں کے ذریعہ سے خیر و شر اور قضا و قدر کی بحث عراق میں پیدا ہو چلی تھی، ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ کو معلوم ہوا کہ ایک شخص تقدیر کا منکر ہے، اس وقت ان کی آنکھوں کی بصارت زائل ہو چکی تھی، پھر بھی لوگوں سے کہا کہ مجھکو اس شخص تک پہنچادو، لوگوں نے پوچھا آپ اس کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کریں گے؟ بولے اگر ہو سکا تو اس کی ناک کاٹ ڈالوں گا، اور اگر گردن ہاتھ میں آگئی تو اس کو توڑ دوں گا، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ "میں بنو فہر کی عورتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ خزرج کا طواف کر رہی ہیں، اور سب کی سب اعمال شرک میں مبتلا ہیں" تقدیر کا انکار اس امت کا پہلا شرک ہے، میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ایسے لوگوں کی بری رائے یہیں تک نہ محدود رہے گی، بلکہ جس طرح انھوں نے خدا کو شر کی تقدیر سے معطل کر دیا ہے، اسی طرح اسکی خیر کی تقدیر سے منکر ہو جائیں گے۔[2]

رسول کی محبت حضرت ابن عباسؓ کو ذات نبوی کے ساتھ غیر معمولی شیفتگی اور گرویدگی تھی، آپ کی وفات کے موقع کے ایک واقعہ کو یاد کرتے تو روتے روتے بیقرار ہو جاتے، سعید بن جبیر تابعی

---

[1] اصابہ جلد ۴ ص ۹۲ [2] مسند احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۳۰

روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا "پنجشنبہ کا دن، کون پنجشنبہ" اتنا کہنے پائے تھے، ابھی مبتدا کی خبر بھی نہ نکلی تھی کہ زار و قطار رونے لگے، اور اس قدر روئے کہ سامنے پڑے ہوئے سنگ ریزے ان کے آنسوؤں سے تر ہوگئے، ہم لوگوں نے کہا ابوالعباس! پنجشنبہ کے دن میں کیا خاص بات تھی، بولے اسی دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری نے شدت پکڑی تھی، آپنے فرمایا "لاؤ میں تم لوگوں کو ایک پرچہ پر لکھ دوں کہ گمراہی سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوجاؤ" اس پر لوگ جھگڑنے لگے، حالانکہ نبیؐ کے پاس جھگڑا مناسب نہیں ہے اور کہنے لگے کہ (بیماری کی تکلیف سے) ہذیان ہوگیا ہے، اور آپسے بار بار پوچھتے تھے کہ یہ حکم آپ حواس کی حالت میں دے رہے ہیں، یا ہذیان ہے، آپنے فرمایا میرے پاس سے ہٹ جاؤ، میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے، جس کی طرف مجھے بلانا چاہتے ہو[1]

رسول کی خدمت | ام المومنین حضرت میمونہؓ ان کی خالہ تھیں، یہ ان کے پاس بہت رہا کرتے تھے، اکثر راتوں کو بھی رہ جاتے تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری کا بھی انھیں موقعہ ملتا رہتا تھا، ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہؓ کے گھر میں تشریف فرما تھے، ابن عباسؓ نے آپکے لئے وضو کا پانی رکھا، حضرت میمونہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ابن عباسؓ نے آپکے لئے وضو کا پانی رکھا ہے، آپنے دعا دی "خدایا ان کو دین میں سمجھ اور قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما"،

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاے ضرورت سے فارغ ہوکر تشریف لائے، تو ایک طشت میں پانی ڈھکا ہوا رکھا دیکھا پوچھا کس نے رکھا ہے، ابن عباسؓ نے عرض کی میں نے، فرمایا "خدایا ان کو قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما"[2] کبھی کبھی آپ خود

[1] مسند احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۳۰ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۴ و ۵۳۷، بشرط شیخین،

بھی ان سے کام لیا کرتے تھے، ایک دفعہ یہ بچون کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا، سمجھ گئے کہ میرے پاس آرہے ہین، بچپن کا زمانہ تھا، بھاگ کے ایک مکان کے دروازے کی آڑمین چھپ رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پشت سے آکر پکڑ لیا، اور فرمایا جاؤ معاویہ کو بلا لاؤ، معاویہ اس وقت آپکے کاتب تھے، ابن عباسؓ نے جاکر کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمھاری ضرورت ہے، فوراً چلو[1]

رسول کا احترام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا احترام کرتے تھے کہ نماز مین بھی آپکے برابر کھڑا ہونا گستاخی سمجھتے تھے، ایک مرتبہ آخر شب مین نماز کے لئے کھڑے ہوئے، ابن عباسؓ آکر پیچھے کھڑے ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے برابر کر لیا، اس وقت تو یہ ساتھ کھڑے ہو گئے، مگر جیسے ہی آپنے نماز شروع کی، ابن عباسؓ ہٹ کر اپنی جگہ پر آ گئے، نماز ختم کرنے کے بعد آپنے پوچھا کہ "مین نے تم کو اپنے ساتھ کھڑا کیا تھا تم پیچھے کیون ہٹ گئے،" عرض کی، کسی کی یہ مجال نہین ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بہ شانہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معقول عذر پر خوش ہوئے اور ان کے لئے فہم و فراست کی دعا فرمائی[2]،

امہات المومنین کا احترام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس غیر معمولی عقیدت کا فطری اقتضا یہ تھا کہ وہ امہات المومنین کے ساتھ بھی اس عزت و تکریم سے پیش آتے تھے، جب حضرت میمونہؓ کا انتقال ہوا، اور لوگ مقام سرف مین جنازہ کی شرکت کے لئے جمع ہوئے تو انھون نے کہا کہ "لوگو! یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم کا جنازہ ہے، نعش آہستہ اٹھاؤ ہلنے نہ پائے[3]"،

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۳ و ۵۳۴ بشرط الشیخین [2] ایضاً [3] مسلم کتاب الرضاع باب جواز ہبتہا لضرتہا،

یہ احترام حضرت میمونہؓ کی ذات کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ تمام امہات المومنینؓ کے ساتھ وہ اسی تعظیم سے پیش آتے تھے، البتہ خاندانی مناقشوں کی وجہ سے حضرت عائشہؓ سے کچھ بدمزگی ہوگئی تھی، مگر ان کی وفات سے پہلے خود ان کے در دولت پر حاضر ہو کر صفائی کر لی،

ذکوان حضرت عائشہؓ کے حاجب بیان کرتے تھے کہ حضرت عائشہؓ کے مرض الموت میں ابن عباسؓ آئے، اور حضوری کی اجازت چاہی، میں نے حضرت عائشہؓ سے جا کر عرض کی، اس وقت حضرت عائشہؓ کے بھتیجے، عبداللہ بن عبدالرحمٰن ان کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے بھی کہا کہ ابن عباسؓ آنے کی اجازت چاہتے ہیں، بولیں ان کو آنے کی ضرورت نہیں، عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے کہا، اماں! ابن عباسؓ آپ کے سعادت مند بیٹے ہیں، وہ سلام کرتے ہیں، اور رخصت کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں ان کو اجازت دیجئے، فرمایا خیر اگر تم چاہتے ہو تو بلالو، چنانچہ ان کو باریابی کی اجازت مل گئی، بیٹھنے کے بعد عرض کی، آپ کو بشارت ہو (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا چاہتی ہیں،) حضرت عائشہؓ نے جواب میں فرمایا "تم کو بھی بشارت ہو،" اس خوش آیند سلسلۂ کلام کے بعد ابن عباسؓ نے عرض کی کہ اب آپ کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اعزہ احباب سے ملنے میں صرف روح کو جسم کا ساتھ چھوڑنے کی دیر ہے، آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین بیوی تھیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ طیب ہی چیز کو محبوب رکھتے تھے، پھر حضرت عائشہؓ کے فضائل بیان کئے، [1]

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ ۲۷۶،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

نام و نسب عبداللہ نام، ابو عبدالرحمٰن کنیت، والد کا نام مسعود اور والدہ کا نام ام عبد تھا، شجرۂ نسب یہ ہے:۔ عبداللہؓ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر،

حضرت عبداللہؓ کے والد مسعود ایام جاہلیت میں عبد بن حارث کے حلیف تھے،[1]

ابتدائی حالات ایام جاہلیت میں زمانۂ طفولیت عموماً بھیڑ بکریوں کے چرانے میں بسر ہوتا تھا، یہاں تک کہ شرفاء و امراء کے بچے بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے، گویا یہ ایک درسگاہ تھی جہاں سادگی، جفاکشی، وفاشعاری اور راستبازی کا عملی سبق دیا جاتا تھا،

مکہ میں جب دعوتِ توحید کا غلغلہ بلند ہوا تو حضرت عبداللہؓ اسی درسگاہ میں تعلیم پا رہے تھے اور عقبہ بن معیط کی بکریاں ان کے سپرد تھیں،[2]

اسلام ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مونس و ہمدم حضرت ابو بکر صدیقؓ کیساتھ اس طرف سے گذرے جہاں یہ بکریاں چرا رہے تھے، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان سے فرمایا، "صاحبزادے! تمھارے پاس کچھ دودھ ہو تو پیاس بجھاؤ"، بولے "میں آپ کو دودھ نہیں دے سکتا کیونکہ یہ دوسرے کی امانت ہے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا تمھارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے بچے نہ دیئے ہوں"، عرض کی "ہاں!" اور ایک بکری پیش کی، آپ نے

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ [2] ایضاً،

تھن پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی، یہان تک کہ وہ دودھ سے لبریز ہوگیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کو علٰحدہ لیجا کر دوہا تو اس قدر دودھ نکلا کہ تینون آدمیون نے یکے بادیگرے خوب سیر ہو کر نوش فرمایا[1]، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھن سے فرمایا خشک ہو جا اور وہ پھر اپنی اصلی حالت پر عود کر آیا،

اس کرشمۂ قدرت نے حضرت عبد اللہ رضؓ کے دل پر بے حد اثر کیا، حاضر ہو کر عرض کی "مجھے اس مؤثر کلام کی تعلیم دیجئے،" آپ نے شفقت سے ان کے سر پر دستِ مبارک پھیر کر فرمایا "تم تعلیم یافتہ بچے ہو"، غرض اس روز سے وہ معلّمِ دین مبین کے حلقۂ تلمذ مین داخل ہوئے، اور بلا واسطہ خود مہبطِ وحی والہام سے ستر سورتون کی تعلیم حاصل کی جن مین کوئی ان کا شریک و سہیم نہ تھا[2]،

اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ہمیشہ خدمت بابرکت مین حاضر رہنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا خادم خاص بنا لیا، انشاء اللہ آگے ایک خاص باب مین خدمت گذاریون کی تفصیل آئے گی،

جوشِ ایمان حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اس زمانہ مین ایمان لائے تھے جب کہ مومنین کی جماعت صرف چند اصحاب پر مشتمل تھی اور مکہ کی سرزمین مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی نے علانیہ بلند آہنگی کے ساتھ تلاوتِ قرآن کی جرأت نہین کی تھی، چنانچہ ایک روز مسلمانون نے باہم مجتمع ہو کر اس مسئلہ پر گفتگو کی اور سب نے بالاتفاق کہا "خدا کی قسم! قریش نے اب تک بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے نہین سنا،" لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اس پُرخطر فرض کو کون انجام دے؟ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے آگے بڑھ کر اپنے آپ کو پیش کیا،

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ تذکرہ عبد اللہ بن مسعودؓ [2] مسند احمد بن حنبل،

لوگون نے کہا کہ تمھارا خطرہ مین پڑنا مناسب نہین، اس کام کے لئے تو ایک ایسا شخص درکار ہے جس کا خاندان وسیع ہو، اور وہ اس کی حمایت مین مشرکین کے دستِ ستم سے محفوظ رہے، لیکن حضرت عبد اللہؓ نے جوشِ ایمان سے برانگیختہ ہو کر کہا "مجھے چھوڑ دو! خدا میرا محافظ ہے"!

غرض دوسرے روز چاشت کے وقت جب کہ تمام مشرکین قریش اپنی انجمن مین حاضر تھے، اس دارفتہ اسلام نے ایک طرف کھڑے ہو کر سازِ توحید پر مضراب لگائی اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد علّم القرآن کا سحر آفرین راگ چھیڑا، مشرکین نے تعجب اور غور سے سنکر پوچھا "ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے؟"، کسی نے کہا کہ محمدؐ پر جو کتاب اتری ہے اس کو پڑھتا ہے، یہ سننا تھا کہ تمام مجمع غیظ وغضب سے مشتعل ہو کر ٹوٹ پڑا اور اس قدر مارا کہ چہرہ ورم کر آیا، لیکن جس طرح پانی کے چند چھینٹے آگ کو اور زیادہ مشتعل کر دیتے ہین، اسی طرح حضرت عبد اللہؓ کا شعلۂ ایمان اس ظلم وتعدی سے بھڑک اٹھا، مشرکین مارتے گئے لیکن ان کی زبان بند نہ ہوئی،

حضرت عبد اللہؓ جب اس فرض کو انجام دے کر خستگی وشکستہ حالی کے ساتھ اپنے احباب مین واپس آئے تو لوگون نے کہا کہ ہم اسی ڈر سے تم کو جانے نہ دیتے تھے، بولے "خدا کی قسم! دشمنانِ خدا آج سے زیادہ میری نظر مین کبھی ذلیل نہ تھے، اگر تم چاہو تو کل مین پھر اسی طرح ان کے مجمع مین جا کر قرآن کریم کی تلاوت کرون، لوگون نے کہا، بس جانے دو، اس قدر کافی ہے کہ جس کا سننا وہ ناپسند کرتے تھے اس کو تم نے بلند آہنگی کے ساتھ ان کے کانون تک پہنچا دیا"[1]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ عبد اللہ بن مسعودؓ،

ہجرت حضرت عبد اللہؓ کے جوش وغیرتِ ایمان نے رفتہ رفتہ تمام مشرکین قریش کو دشمن بنادیا، یہان تک کہ ان کی مسلسل وپیہم ایذا رسانیون سے تنگ آکر دو دفعہ سرزمینِ حبش کی صحرا نوردی پر مجبور ہوئے، پھر تیسری دفعہ دائمی ہجرت کا ارادہ کرکے یثرب کی راہ لی اور یہان پہنچکر حضرت معاذ بن جبلؓ کے مہمان ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد ان دونون مین بھائی چارہ کرادیا، اور مستقل سکونت کے لیے حضرت عبد اللہؓ کو مسجد نبوی کے متصل ایک قطعۂ زمین مرحمت فرمایا،[1]

غزوات حضرت عبد اللہؓ تمام مشہور واہم جنگون مین جانبازی ومردی کے ساتھ سرگرم پیکار تھے، غزوۂ بدر مین دو انصاری نوجوانون نے سرخیلِ کفار ابو جہل بن ہشام کو تہ تیغ کیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ابوجہل کی خبر لاتا، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ گئے ابھی کچھ جان باقی تھی، اس کی ڈاڑھی پکڑ کر کہا کہ ابوجہل تو ہی ہے،[2]

غزوۂ احد، خندق، حدیبیہ، خیبر اور فتحِ مکہ مین بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے

مکہ سے واپس آتے ہوئے راہ مین غزوۂ حنین پیش آیا، اس جنگ مین مشرکین اس طرح یکایک ٹوٹ پڑے کہ مسلمان بدحواسی کے ساتھ منتشر ہوگئے اور دس ہزار کی جماعت مین سے صرف اسّی اصحاب ثابت قدمی کے ساتھ شمعِ نبوت کے ارد گرد دیوانہ وار اپنی فدویت کے جوہر دکھاتے رہے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ان ہی جان نثارون مین تھے، فرماتے ہین کہ جب مشرکین نے سخت حملہ کیا تو ہم لوگ تقریباً اسّی قدم تک پسپا ہوئے لیکن پھر جم کر کھڑے ہوگئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رہوار کو آگے بڑھاتے تھے لیکن وہ پیچھے کی طرف ہٹتا تھا، اسی حالت مین آپ ایک دفعہ زین سے جھکے مین نے پکار کر کہا آپ سربلند رہین خدا نے آپ کو

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ تذکرۂ عبد اللہ بن مسعودؓ [2] بخاری جلد ۲ ص ۵۶۵،

رفعت عطا فرمائی ہے" فرمایا "مجھے ایک مٹھی خاک اٹھادو" میں نے خاک اٹھا کر دی، تو آپ نے مشرکین کے منہ کی جانب پھینک دی، جس سے ان کی آنکھیں غبار آلود ہوگئیں، پھر ارشاد ہوا "مہاجرین و انصار کہاں ہیں؟" میں نے اشارہ سے بتایا تو حکم ہوا کہ انھیں آواز دے کر بلاؤ، میں نے چیخ کر پکارا تو یکایک سب کے سب پلٹ پڑے، اس وقت ان کی تلواریں نورِ ایمان سے اس طرح چمک رہی تھیں، جس طرح شعلہ دہکتا ہے، غرض بگڑا ہوا کھیل پھر بن گیا، مشرکین مغلوب ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا[1]،

جنگ یرموک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک عزلت نشین رہے، لیکن عہدِ فاروقؓ میں جن عظیم الشان فتوحات کا سلسلہ چھڑ گیا تھا اس نے بالآخر ان کی رگِ شجاعت میں بھی ہیجان پیدا کیا، ۱۵ھ میں گوشۂ خلوت سے نکل کر رزمگاہِ شام کی طرف چل کھڑے ہوئے، اور میدانِ یرموک کی فیصلہ کن جنگ میں سرگرمِ پیکار ہو کر خوب دادِ شجاعت دی[2]،

عہدۂ قضاء ۲۰ھ میں کوفہ کے قاضی مقرر کئے گئے، عہدۂ قضاء کے علاوہ خزانہ کی افسری، مسلمانوں کی مذہبی تعلیم، اور والیِ کوفہ کی وزارت کے فرائض بھی ان کے متعلق تھے، چنانچہ فرمانِ تقرری کے الفاظ یہ ہیں،

انی بعثت الیکم عمار بن یاسر امیرا وابن مسعود معلما ووزیرا وقد جعلت ابن مسعود علی بیت مالکم وانھما لمن النجباء من اصحاب محمد من اھل بدر فاسمعوا لھما واطیعوا واقتدوا بھما وقد اثرتکم	میں نے تم پر عمار بن یاسر کو امیر اور ابن مسعود کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے، ابن مسعود کو بیت المال کی افسری بھی دی ہے، یہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ذی عزت اصحاب میں سے ہیں جو معرکۂ بدر میں شریک تھے، اس لئے ان کو سمعا و طاعۃ کہو اور اتباع

[1] مسند احمد جلد ۱ ص ۴۵۳ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۷،

یا ابن ام عبد علی نفسی[1]   کرو، حقیقت یہ ہے کہ میں نے تمھارے لئے ابن ام عبد

(عبداللہ بن مسعودؓ) کو اپنی ذات پر ترجیح دی ہے،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کامل دس سال تک نہایت مستعدی و خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے، اس طویل عرصہ میں بساط سیاست پر گوناگون انقلاب ہوئے خلیفۂ دومؓ نے وفات پائی، خلیفۂ ثالثؓ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا، اور خاص کوفہ کی عنان حکومت اہل کوفہ کی شکایت و احتجاج پر یکے بادیگرے مختلف والیوں کے ہاتھ میں آئی، لیکن وہ جس احتیاط اور انصاف کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے تھے اس کے لحاظ سے کسی کو ان سے شکایت پیدا نہ ہوئی،

فطری رحم دلی، نرمی اور تلطف کے باعث عفو، درگذر اور چشم پوشی ان کا مخصوص شیوہ تھا، لیکن اسی کے ساتھ وہ اس راز سے بھی واقف تھے کہ بارگاہِ عدالت میں جب کسی مجرم پر کوئی جرم ثابت ہو جائے تو اس کے ساتھ نرمی و درگذر سے پیش آنا درحقیقت نظامِ حکومت کے ارکان واساطین کو متزلزل کر دینا ہے، اس بنا پر وہ اثبات جرم کے بعد اپنی طبعی نرمی و شفقت کے باوجود قانونِ معدلت کے اجرا میں کبھی دریغ نہ فرماتے تھے، ایک دفعہ ایک شخص نے اپنے برادرزادہ کو شراب خواری کے جرم میں پیش کیا، حضرت عبداللہؓ نے تحقیقات کے بعد حد جاری کرنے کا حکم دے دیا، لیکن جب درے پڑنے لگے تو اس کا دل رحم و شفقت سے بھر آیا اور منت وسماجت کے ساتھ سفارش کرنے لگا، انھوں نے غضبناک ہو کر فرمایا تو نہایت ظالم چچا ہے، اس کو حد شرعی کا مستحق ثابت کرکے چھوڑ دینے کی سفارش کرتا ہے جو اب ممکن نہیں، اسلام میں سب سے پہلے ایک عورت پر حد جاری کی گئی جس نے چوری کی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۸،

اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیدیا اور فرمایا کہ تم لوگون کو اعراض وچشم پوشی سے کام لینا چاہئیے کیا تم اسے پسند نہین کرتے کہ خدا تمھین بخشدے"

بعض اوقات ایک ہی جرم مجرمون کے اختلاف حیثیات کے لحاظ سے ان کو مختلف سزاؤن کا مستوجب قرار دیتا ہے، حضرت عبد اللہؓ اس نکتہ سے بھی اچھی طرح آگاہ تھے، ایک دفعہ ان کو اطلاع دی گئی کہ مسیلمۂ کذاب کے متبعین مین سے کچھ لوگ اب تک موجود ہین جو اس کو رسول خدا کہتے ہین، حضرت عبد اللہؓ نے چند سپاہی بھیجکر ان کو گرفتار کرایا اور سب کی توبہ قبول کر کے چھوڑ دیا، لیکن ان کے سرگروہ ابن نواحہ کے لئے قتل کی سزا تجویز کی، لوگون نے اس پر اعتراض کیا تو بولے کہ ابن نواحہ اور ابن اثال دو شخص مسیلمۂ کذاب کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین سفیر بنکر گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم مسیلمہ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہو؟ انھون نے کہا دہان،، آپ نے فرمایا کہ اگر تم سفیر نہ ہوتے تو مین تمھین قتل کرا دیتا، اس بنا پر جبکہ وہ اب تک اس کے اس باطل عقیدہ سے باز نہین آیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کا پورا کرنا ضروری تھا،

حضرت عثمانؓ کے آخری عہد خلافت مین جب کوفہ سازش، فتنہ پردازی اور بدامنی کا مرکز ہو گیا تو عہدۂ قضا کے لحاظ سے قدرۃً حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو بھی غیر معمولی دشواریان پیش آئین، ایک دفعہ عقبہ بن ولید کے دور امارت مین ایک ساحر کا مقدمہ پیش ہوا، جو امیر کوفہ کے سامنے اپنی بازیگری کے کرشمے دکھارہا تھا، لیکن فیصلہ صادر ہونے سے پہلے ہی جندب نام ایک شخص نے اس کو قتل کر ڈالا، چونکہ یہ صریحاً معاملات حکومت مین مداخلت بیجا تھی، اس لئے انھون نے قاتل کی گرفتاری کا حکم دیکر دربار خلافت کو مفصل واقعہ سے مطلع کیا، وہان سے حکم آیا کہ معمولی تنبیہ وتعزیر کے بعد اس کو چھوڑ دو اور لوگون کو سمجھا دو کہ

پھر آیندہ اس قسم کے واقعات کا اعادہ نہ ہونے پائے، حضرت عبد اللہ رضؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور اہل کوفہ کو جمع کر کے فرمایا، صاجبو! صرف شک وشبہ پر کوئی کام نہ کرو اور عدالت کو اپنے ہاتھ مین نہ لو، مجرمون اور خطاکارون کو سزا دینا ہمارا فرض ہے، تم کو اس مین مداخلت کی ضرورت نہین[1]

اسی سال ولید بن عقبہ والی کوفہ پر شراب خواری کا الزام لگایا گیا اور ایک جماعت نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی خدمت مین حاضر ہو کر شکایت کی کہ وہ تخلیہ مین شراب پیتا ہے، انھون نے جواب دیا کہ جاسوسی میرا فرض نہین ہے، اگر ایک شخص چھپ کر کوئی کام کرتا ہے تو مین اس کی پردہ دری کے درپے نہین ہو سکتا، ولید نے یہ جواب سنا تو ناراض ہو کر ان کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ "کیا مفسدین کو ایسا ہی جواب دینا مناسب تھا؟ مین چھپکر کون کام کرتا ہون، یہ تو اس شخص کے لئے کہا جاسکتا ہے جو مشکوک ہو، غرض اسی سوال و جواب مین بات بڑھ گئی اور دونون ایک دوسرے سے کشیدہ خاطر ہو گئے[2]

خزانہ کی افسری

حضرت عبد اللہؓ منصب قضاء کے ساتھ خزانہ کی افسری پر بھی مامور تھے، کوفہ کی عظمت، وسعت وکثرتِ محاصل کے لحاظ سے اس کا بیت المال نہایت اہمیت رکھتا تھا، اس سے لاکھون روپیے کے وظائف جاری تھے، فوجی مرکز ہونے کے باعث ہزارون سپاہیون کی تنخواہین مقرر تھین، اور خراسان، ترکستان اور آرمینیہ پر وقتاً فوقتاً جو فوجکشی ہوتی رہتی تھی، اس کے مصارف ادا کئے جاتے تھے، اس بنا پر دوسرے اہم مشاغل کے ساتھ اس شعبہ کی اس طرح نگرانی کرنا کہ ایک حبہ بھی ادھر کا ادھر نہ ہونے پائے درحقیقت حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی انتظامی قابلیت، بیدار مغزی اور حساب فہمی کا حیرت انگیز

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۸۴۵ [2] ایضاً،

کارنامہ ہے،

ذاتی حیثیت سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ زہد و بے نیازی کے اقلیم کے بادشاہ تھے، دنیا کی بڑی سے بڑی نعمتوں کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیتے تھے، لیکن قومی سرمایہ کے تحفظ میں اس قدر سخت تھے کہ اعزہ، احباب، افسر اور والیٔ ملک کے ساتھ بھی کسی قسم کی رعایت ملحوظ نہ رکھتے تھے، ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ والیٔ کوفہ نے بیت المال سے قرض لیا، اور ناداری کے باعث عرصہ تک ادا نہ کر سکے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے مہتمم بیت المال کی حیثیت سے نہایت سختی کے ساتھ ان سے تقاضا شروع کیا، یہاں تک کہ ایک روز تلخ کلامی کی نوبت پیش آئی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے جھلا کر چھڑی زمین پر پھینک دی اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا "اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے"،

چونکہ وہ نہایت مستجاب الدعوات مشہور تھے، اس لئے حضرت عبد اللہؓ نے خوف زدہ ہو کر کہا "دیکھو میرے لئے بددعا نہ کرنا"، بولے "خدا کی قسم! اگر خوفِ خدا نہ ہوتا تو میں تمہارے لئے سخت بددعا کرتا"، حضرت عبد اللہؓ نے ان کی برافروختگی کا یہ انداز دیکھا تو تیزی کے ساتھ کاشانۂ امارت سے باہر نکل آئے،

اس واقعہ کی رپوٹ دربارِ خلافت میں پہنچی تو امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے سخت ناراضی ظاہر فرمائی اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو معزول کر کے ولید بن عقبہ کو کوفہ کا والی بنا کر بھیجا، حضرت عبد اللہؓ بھی گو اس ناراضی سے مستثنیٰ نہ تھے، تاہم وہ ایک عرصہ تک اپنے عہدہ پر بہ قرار رہے[1]،

معزولی | حضرت عثمانؓ کے اخیر عہدِ حکومت میں جب سازش و مفسدہ پردازی کا بازار

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۸۱۱

گرم ہوا تو مخفی ریشہ دوانیوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بھی زیادہ دنوں تک اپنے عہدہ پر برقرار رہنے نہ دیا، اور یکایک معزول کر دیئے گئے، معزولی کی خبر نے کوفہ کی علمی دنیا کو ماتم کدہ بنا دیا، احباب معتقدین، تلامذہ اور اعیانِ شہر کی ایک بڑی جماعت نے مجتمع ہو کر اس فرمانِ عزل پر سخت ناراضی ظاہر کی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مصر ہوئے کہ آپ کوفہ سے تشریف نہ لیجائیں، اگر اس کی پاداش میں کوئی مصیبت پیش آئے گی تو ہم سب اپنی جانیں قربان کرنے کو حاضر ہیں، بولے وہ امیر المومنین کی اطاعت مجھ پر فرض ہے، میں نہیں چاہتا کہ فتنہ وفساد جو عنقریب برپا ہونے والا ہے اس کی ابتدا میری ذات سے ہو، غرض وہ عمرہ کی نیت کر کے ایک جماعت کے ساتھ حجاز کی طرف روانہ ہو گئے،[1]

حضرت ابوذرؓ کی تجہیز وتکفین

جب مقام ربذہ میں پہنچے تو وسط راہ میں ایک عورت کو سرگردان ویریشان دیکھ کر پوچھا خیر ہے، کہا ایک مرد مسلمان کی تجہیز وتکفین کیجئے، پوچھا کون؟ کہا ابوذرؓ صحابیِ رسولؐ آپ فدیتہ بابی وامی کہہ کر مع اپنے ساتھیوں کے اتر پڑے، حضرت ابوذرؓ ایک بلند پایہ اور نہایت زاہد ومتقشف صحابی تھے، وہ دار الخلافت کی روز افزوں تمدنی زندگی سے اس قدر بیزار ہوئے کہ ربذہ کے سنسان جنگل میں اٹھ آئے اور بالآخر اسی سرزمین نے ان کے لئے اپنا آغوشِ شوق پھیلا دیا، یہ لوگ حضرت ابوذرؓ کے پاس پہنچے، ان کا دم واپسین تھا، اپنی تجہیز وتکفین کے متعلق ضروری ہدایات دیکر واصل بحق ہوئے، حضرت عبداللہؓ نے حضرت ابوذرؓ کی وصیت کے مطابق ان کی تجہیز وتکفین کر کے نمازِ جنازہ پڑھا کر سپردِ خاک کیا،[2]

حضرت عبداللہؓ نے مکہ پہنچکر امیر المومنین کو حضرت ابوذرؓ کی وفات کی اطلاع دی اور

---

[1] اصابہ تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۶۶، اس روایت میں عبداللہؓ کے نام کی تصریح نہیں ہے لیکن مستدرک حاکم میں صراحت کے ساتھ نام موجود ہے،

عمرہ سے فارغ ہوکر مدینہ پہنچے کہ زندگی کے بقیہ ایام عزلت نشینی وعبادت الٰہی مین بسر ہون،

علالت ۳۲؁ھ مین جب کہ حضرت عبداللہؓ کا سن مبارک ساٹھ برس سے متجاوز ہو چکا تھا، ایک روز ایک شخص نے حاضر خدمت ہوکر عرض کی خدا مجھے آپ کی آخری زیارت سے محروم نہ رکھے، مین نے گذشتہ شب کو خواب مین دیکھا کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک بلند منبر پر تشریف فرما ہین اور آپ سامنے حاضر ہین، اسی حالت مین ارشاد ہوتا ہے "ابن مسعودؓ! میرے بعد تمھین بہت تکلیف پہنچائی گئی، آؤ میرے پاس چلے آؤ" فرمایا خدا کی قسم تم نے یہ خواب دیکھا ہے؟ بولا "ہان" فرمایا تم میرے جنازہ مین شریک ہوکر مدینہ سے کہین جاؤگے،

یہ خواب درحقیقت واقعہ ہوکر پیش آیا، چند ہی دنون کے بعد اس طرح بیمار ہوئے کہ لوگون کو ان کی زندگی سے مایوسی ہوگئی، امیر المومنین حضرت عثمانؓ سے چونکہ ایک گونہ شکر رنجی تھی اور انھون نے دو برس سے ان کا مقررہ وظیفہ مطلقاً بند کردیا تھا، اس لئے وہ اس آخری لمحۂ حیات مین عفو خواہی وعیادت کے لئے تشریف لائے اور اس طرح گفتگو شروع کی،

حضرت عثمانؓ: آپ کو کس مرض کی شکایت ہے؟

حضرت عبداللہؓ: اپنے گناہون کی،

حضرت عثمانؓ: آپ کیا چاہتے ہین؟

حضرت عبداللہؓ: خدا کی رحمت،

حضرت عثمانؓ: آپ کے لئے طبیب بلاؤن؟

حضرت عبداللہؓ: مجھے طبیب ہی نے بیمار ڈالا،

حضرت عثمانؓ: آپ کا وظیفہ جاری کردون؟

حضرت عبداللہؓ: مجھے اس کی ضرورت نہین،

حضرت عثمانؓ: آپ کی صاحبزادیون کے کام آئے گا،

حضرت عبداللہؓ: کیا آپ کو میری لڑکیون کے محتاج و دست نگر ہوجانے کا خوف ہے؟

مین نے انھین حکم دیا ہے کہ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھ لیا کرین، کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ مست نہ ہوگا"[1]

مذکورۂ بالا سوال وجواب سے بعض اصحاب سیر کو یہ غلط فہمی ہے کہ اس آخری وقت مین بھی دونون ایک دوسرے سے صاف نہ ہوئے، لیکن طبقات ابن سعد کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ باہمی عفوخواہی کے صیقل نے دونون کے آئینۂ قلب کو بالکل شفاف کردیا تھا، محمد بن سعد نے اس واقعہ کی صحت پر خاص طور سے زور دیا ہے،[2]

وفات حضرت عبداللہؓ کو جب سفر آخرت کا یقین ہوگیا تو انھون نے حضرت زبیرؓ اور ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو بلا کر اپنے مال واسباب اور اولاد نیز خود اپنی تجہیز وتکفین کے متعلق مختلف وصیتین فرمائین اور ساٹھ برس سے کچھ زیادہ عمر پاکر ۳۲ھ مین داعیِ اجل کو لبیک کہا، مستند وصحیح روایت کے مطابق امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پہلو مین سپرد خاک کیا،[3] اناللہ وانا الیہ راجعون،

---

[1] یہ تمام تفصیل اسد الغابہ سے ماخوذ ہے،

[2] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۱۳،

[3] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۱۳،

علم وفضل

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ان صحابۂ کرام مین ہین جو اپنے علم وفضل کے لحاظ سے تمام دنیائے اسلام کے امام تسلیم کئے گئے ہین، تم نے پہلے پڑھا ہے کہ وہ ایامِ جاہلیت مین عقبہ بن معیط کی بکریان چراتے تھے لیکن خدا کی قدرت معلّمِ ربانی کی نگاہ انتخاب نے گلہ بانی کی درسگاہ سے نکال کر اپنے حلقۂ تلمذ مین داخل کرلیا، اور علم وفضل کے آسمان پر مہرِ منیر بنا کر چمکایا،

علم کا شوق

حضرت عبد اللہؓ ابتدا ہی سے علم کے شائق تھے، قبولِ اسلام کے ساتھ ہی انھون نے عرض کی "یا رسول اللہ! مجھے تعلیم دیجئے" بشارت ملی

انک غلام معلم[۱] — تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو،

اس شوق کا یہ اثر تھا کہ شب وروز سرچشمۂ علم سے مستفیض ہوتے، خلوت، جلوت، سفر حضر، غرض ہر موقع پر ساقیِ معرفت کی خدمت مین حاضر رہتے تھے، لیکن طلبِ صادق کی پیاس نہ بجھتی، یہان تک کہ آپ جب داخلِ حرم ہوتے تو اپنی والدہ حضرت ام عبدؓ کو بھیجتے کہ وہ خانگی زندگی کے معلومات بہم پہنچائین،[۲]

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت وصحبت کا اثر

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام خاص مین شامل تھے، مسواک اٹھا کر رکھنا، جوتہ پہنانا، سفر کے موقع پر کجاوہ کسنا اور عصا لے کر آگے چلنا آپ کی مخصوص خدمت تھی، اس خدمت گذاری

---

[۱] مسند ابو داؤد طیالسی ومسند احمد جلد ۱ ص ۳۸۹ وابن سعد ودلائل ابی نعیم واسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۶

[۲] مسند اعظم صفحہ ۱۸۴،

کے ساتھ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمدم وہمراز بھی تھے،[1] مخصوص صحبتوں میں شریک کئے جاتے، بلا اذن تخلیہ کے موقعوں پر حاضر ہوتے اور راز کی تمام باتیں سن سکتے تھے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضؓ نے ان کو حضور کے بستر، مسواک اور وضوء کے پانی والے کا معزز خطاب دے رکھا تھا،[2]

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ فرماتے ہیں کہ "ہم یمن سے آئے اور کچھ دنوں تک (مدینہ میں) رہے، ہم نے عبداللہ بن مسعودؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ہم ان کو (عرصہ تک) خاندانِ رسالت کا ایک رکن گمان کرتے رہے"،[3] غرض اس خدمت گذاری اور ہر وقت کی حاضر باشی نے ان کو قدرۃً سب سے زیادہ خرمنِ کمال کی خوشہ چینی کا موقع دیا،

قرآن قرآنِ کریم جو اصل اصولِ اسلام ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کے سب سے بڑے عالم تھے، فرماتے ہیں کہ "ستر سورتیں میں نے خاص مہبطِ وحی والہام کے دہنِ مبارک سے سنکر یاد کی تھیں"،[4] ان کا دعویٰ تھا کہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں جس کی نسبت میں یہ نہ جانتا ہوں کہ کب، کہاں اور کس بارہ میں اتری ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر کوئی شخص قرآن مجید کا مجھ سے زیادہ عالم ہوتا تو میں اس کے پاس سفر کرکے جاتا"، ایک دفعہ انہوں نے مجمع عام میں دعویٰ کیا کہ "تمام صحابہ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں، گو سب سے بہتر نہیں ہوں"، شقیق اس جلسہ میں موجود تھے وہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں اکثر صحابہ رضؓ کے حلقوں میں شریک ہوا مگر کسی کو عبداللہ بن مسعودؓ کے دعویٰ کا منکر نہیں پایا،[5]

---

[1] مستدرک جلد ۳ ص ۳۱۶ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۰۹ [3] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۴۳

[4] بخاری جلد ۲ ص ۷۴۸،

ابوالاحوص فرماتے ہین کہ ایک روز ہم اور عبداللہ بن مسعودؓ اپنے چند احباب کے ساتھ ابو موسیٰ اشعریؓ کے مکان مین تھے، حضرت عبداللہؓ چلنے کے قصد سے کھڑے ہوئے تو ابو مسعود نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا "مین نہین جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان سے زیادہ کوئی شخص قرآن کا عالم ہے"، ابو موسیٰؓ نے کہا "کیون نہین! یہ اس وقت بارگاہِ رسالت مین حاضر رہتے تھے جب کہ ہم لوگ غائب ہوتے تھے اور ان کو ان موقعون مین باریاب ہونے کی اجازت تھی جب کہ ہم لوگ روک دیئے جاتے تھے"، حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرمایا کرتے تھے کہ مین عبداللہ بن مسعودؓ کو اس دن سے بہت دوست رکھتا ہون جس دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قرآن چار آدمیون سے حاصل کرو" اور سب سے پہلے ابن ام عبدؓ کا نام لیا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جب وفات پائی تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابو مسعودؓ نے ایک دوسرے سے کہا "کیا عبداللہؓ نے اپنے جیسا کسی کو چھوڑا؟" دوسرے نے کہا "نہین وہ خلوت جلوت ہر موقع پر حاضر رہتے تھے جبکہ ہم لوگون کے لئے یہ ممکن نہ تھا"[1]

حضرت عبداللہؓ کے پاس عہد نبوت کا جمع کیا ہوا ایک مصحف بھی تھا جس کو وہ نہایت عزیز رکھتے تھے، چنانچہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے جب مصحف صدیقی کے سوا تمام مصاحف کو تلف کر دینے کا حکم دیا تو انھون نے نہایت ناگواری کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی،

چونکہ اس مصحف کے نقل و ترتیب کی خدمت حضرت زید بن ثابتؓ نے انجام دی تھی، اس لئے وہ اکثر ان کی ناتجربہ کاری پر معترض ہوتے تھے، شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہین کہ ایک دفعہ انھون نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا "ستر سے کچھ زیادہ سورتین مین نے خاص رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنکر یاد کی تھین، حالانکہ زید بن ثابتؓ اس وقت لڑکے تھے،

[1] مسلم باب من فضائل عبداللہ بن مسعودؓ،

اور لڑکون کے ساتھ کھیلتے پھرتے تھے،[1] اس سے بڑھ کر ان کی قرآن دانی کی اور کیا سند ہوسکتی ہے کہ خود حضور پرنور نے ایک موقع پر لوگون سے فرمایا کہ قرآن چار آدمیون سے سیکھو، عبد اللہ بن مسعودؓ، سالمؓ، معاذؓ اور ابی بن کعبؓ،[2]

تفسیر قرآن مجید کی تفسیر اور مناسب موقعون پر برجستہ آیاتِ قرآنی کی تلاوت مین خاص مہارت رکھتے تھے، ایک دفعہ یہ حدیث زیر بحث تھی کہ جو شخص جھوٹی قسم کھاکر کسی مسلمان کا مال مارے گا، قیامت کے روز خدا اس پر نہایت غضبناک ہوگا، حضرت عبد اللہؓ نے اس حدیث کی تصدیق مین برجستہ یہ آیت تلاوت فرمائی،[3]

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ لَاخَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ،	بیشک وہ لوگ جو خدا کے عہد اور اپنی قسمون کے معاوضہ مین نفع قلیل حاصل کرتے ہین ان کے لئے آخرت مین کوئی حصہ نہ ہوگا،

اسی طرح ایک دفعہ اپنے حلقۂ درس مین بیان فرمارہے تھے کہ ایک روز رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے، ارشاد ہوا کہ "شرک، پھر قتلِ اولاد، پھر اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا" اس حدیث کو بیان کرکے انھون نے برجستہ اس آیت سے اس کی تصدیق فرمادی،[4]

وَالَّذِیْنَ لَایَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَایَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَایَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ	جو لوگ خدا کے ساتھ کسی، دوسرے خدا کو نہین پکارتے اور ناحق جان نہین مارتے کہ اللہ نے اسکو حرام کر رکھا ہے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہین

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۹ [2] بخاری باب القراء من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم [3] مسند جلد ۱ ص ۴۲۰، و بخاری جلد ۲ ص ۶۵۲ [4] مسند احمد جلد ۱ ص ۳۸۰،

یلق اثاما، (سورہ فرقان ع ۷) اور جو شخص ایسا کریگا وہ ان گناہون کا خمیازہ اٹھائےگا،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تفسیرین حدیث وتفسیر کی کتابون مین بکثرت منقول ہین، اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے،

تفسیر بالرائے سے احتراز محض اپنی رائے وقیاس سے آیات قرآنی کی تشریح وتفسیر کرنا علماے امت کے نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے، حضرت عبداللہؓ اگر کسی کو ایسا کرتے دیکھتے تو نہایت برہم ہوتے، ایک مرتبہ کسی نے آکر کہا کہ ایک شخص مسجد مین "یوم تاتی السماء بدخان مبین" کی تفسیر محض اپنی رائے سے کر رہا ہے، وہ کہتا ہے کہ "قیامت کے روز اس قدر دھوان ہو گا کہ لوگ اس مین سانس لے کر زکام یا اسی قسم کی لا ایک بیماری مین مبتلا ہو جائین گے"، بولے "دانشمندی یہ ہے کہ اگر انسان کسی امر سے واقف ہو تو بیان کرے اور اگر ناواقف ہو تو اللہ اعلم کہہ کر خاموش ہو جائے، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جبکہ قریش کی نافرمانی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کے باعث تمام عرب قحط کی مصیبت مین مبتلا تھا، لوگ جب آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے تو بھوک کی شدت اور ضعف وناتوانی کے باعث زمین سے آسمان تک دھوان ہی دھوان نظر آتا تھا، خداے پاک نے اس موقع پر کفار کو متنبہ کیا کہ اس سے بھی ایک زیادہ ہولناک اور سخت انتقام کا دن آنیوالا ہے، اور وہ جنگ بدر کا دن ہے،[1]

قرأت قرآت مین غیر معمولی کمال حاصل تھا، صحاح مین بکثرت ایسی روایتین ہین جن کا ماحصل یہ ہے کہ قرآت مین ابن ام عبد یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی پیروی کیجائے، ایک مرتبہ وہ نماز مین سورۂ نساء تلاوت فرما رہے تھے کہ حضرت خیر الانامؐ حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد تشریف لائے اور انکی خوش الحانی اور باقاعدہ ترتیل سے خوش ہو کر فرمایا

[1] مسند جلد ۱ ص ۳۸۱ و بخاری جلد ۲ ص ۷۱۰،

اسئل تعطہ اسئل تعطہ (جو کچھ) سوال کرو پورا کیا جائے گا، (جو کچھ) سوال کرو پورا کیا جائے گا،

پھر ارشاد ہوا کہ "جو پسند کرتا ہے کہ قرآن کو اسی طرح تروتازہ پڑھنا سیکھے، جس طرح وہ نازل ہوا ہے تو اس کو قرأۃ ابن ام عبد کی اتباع کرنا چاہئے"۔[1]

دوسرے روز حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کے پاس بشارت وتہنیت کے خیال سے تشریف لائے، اور پوچھا کہ "رات آپ نے خدا سے کیا دعا مانگی ہے"، بولے "میں نے کہا اے خدا! مجھے ایسا ایمان عطا کر جسکو کبھی جنبش نہ ہو، ایسی نعمت دے جو کبھی ختم نہ ہو، اور خلد بریں میں (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی دائمی رفاقت نصیب کر"۔[1]

وہ تلاوتِ قرآن کے نہایت شائق تھے، اور تنہائی کے موقع میں عموماً اس سے دل بہلایا کرتے، بسا اوقات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے قرآن کی کوئی سورہ پڑھوا کر سنتے اور محظوظ ہوتے، خود کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ سورۂ نساء پڑھ کر سناؤ، میں نے عرض کی یارسول اللہ! آپ پر نازل ہوا اور آپ کو میں سناؤں! ارشاد ہوا "کیوں نہیں! لیکن میں دوسرے کی زبان سے سننا چاہتا ہوں"، غرض میں نے تعمیل ارشاد کی اور جب اس آیت پر پہنچا "فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا" آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔[2]

روایت میں خوف واحتیاط حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بارگاہِ نبوت میں جو مخصوص تقرب حاصل تھا اس کے لحاظ سے نہایت وسیع معلومات رکھتے تھے، لیکن روایت میں وہ حد درجہ محتاط تھے ابوعمر شیبانی کہتے ہیں کہ میں ابن مسعودؓ کی صحبت میں کامل ایک سال رہا، لیکن بہت کم قال رسول اللہ کا لفظ ان کی زبان سے سنا، ایک مرتبہ انھوں نے ایک حدیث بیان کی تو تمام جسم

[1] مسند جلد اص ۴۵۴ [2] ایضاً ص ۳۷۴، و بخاری جلد ۲ ص ۶۵۹،

مین رعشہ آگیا، اور کہنے لگے "آپنے اسی طرح فرمایا تھا یا اس کے قریب قریب یا اسی کے مشابہ"[1]

عمرو بن میمون فرماتے ہین کہ تقریباً ایک سال تک عبد اللہ بن مسعودؓ کی خدمت مین میری آمد و رفت رہی، لیکن مین نے کبھی ان کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب سے کچھ بیان کرتے ہوئے نہین سنا، ایک مرتبہ حدیث بیان کرتے ہوئے اتفاقاً ان کی زبان سے قال رسول اللہ کا فقرہ نکل گیا، تو دیکھا کہ ان کا تمام بدن تھرّا اٹھا، اور خوف و ہراس سے عرق عرق ہوگئے[2]

تلامذہ کو احتیاط کی ہدایت | شاگردون کو بھی عموماً روایتِ حدیث مین احتیاط کی ہدایت کیا کرتے اور فرماتے کہ جب تم کوئی حدیث بیان کرو تو اس خیال کو پیشِ نظر رکھو کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ مقدس، پرہیز گار اور ہدایت یاب تھے[3]

کثرت روایات کی وجہ | لیکن ان واقعات سے یہ قیاس نہ کرنا چاہئے کہ وہ مطلقاً حدیثین روایت نہین کرتے تھے، کیونکہ معلم دین ہونے کی حیثیت سے حضرت خیر الانامؐ کی تعلیمات وارشادات کا پھیلانا ان کے فرائضِ منصبی مین داخل تھا یہی وجہ ہے کہ خوف و احتیاط کے باوجود صحاح ومسانید مین ان سے بکثرت روایات منقول ہین، چنانچہ آپ کے جملہ مرویات کی تعداد ۸۴۸ ہے، ان مین سے ۶۴ بخاری اور مسلم دونون مین ہین، ان کے علاوہ ۲۱ بخاری مین ہین اور ۳۵ مسلم مین ہین[4]

مذاکرۂ حدیث کا شوق | بسا اوقات وہ مذاکرۂ حدیث کے شوق مین تلامذہ و احباب کے گھر پر تشریف لے جاتے اور دیر تک عہدِ نبوت کا ذکر مذکور رہتا، وابصہ اسدی فرماتے ہین کہ مین کوفہ مین دوپہر کے وقت اپنے گھر مین تھا کہ یکایک دروازہ سے السلام علیکم کی آواز بلند ہوئی، مین نے

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۴، [2] ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۱۰، [3] مسند احمد جلد اوّل ص ۳۸۵،
[4] تہذیب الکمال ص ۲۳۴،

جواب دیا اور باہر نکل کر دیکھا، تو عبد اللہ بن مسعودؓ تھے، مین نے کہا ابو عبد الرحمن! یہ ملاقات کا کون سا وقت ہے؟ بولے "آج بعض مشاغل ایسے پیش آگئے کہ دن چڑھ گیا اور اب فرصت ملی تو یہ خیال آیا کہ کسی سے باتین کرکے عہد مقدس کی یاد تازہ کرلون۔" غرض وہ بیٹھ کر حدیثین بیان فرمانے لگے، اور دیر تک پر لطف صحبت رہی،[1]

آداب روایت حضرت عبد اللہؓ حدیث روایت کرتے وقت نہایت مؤدب، ہتین اور سنجیدہ بنجاتے تھے، اور اس طرح نقشہ کھینچ دیتے تھے کہ گویا سامع خود حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے سن رہا ہے، ایک مرتبہ انھون نے ایک طولانی حدیث بیان فرمائی جس مین قیامت، جنت اور مومنین و سبحان رب العزت کے سوال و جواب کا تذکرہ تھا، حدیث ختم کرکے متبسم ہوئے اور فرمایا "تم پوچھتے نہین کہ مین کیون ہنستا ہون؟" لوگون نے کہا آپ کیون ہنستے ہین؟، بولے "اس لئے کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح تبسم فرمایا تھا"[2]

فقہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ان افاضل صحابہؓ مین ہین جو فقہ کے موسس اور بانی سمجھے جاتے ہین، خصوصاً فقہ حنفی کی عمارت تمام تر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ہی کے سنگِ اساس پر تعمیر ہوئی،

پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت عبد اللہؓ کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے تو اس کے ساتھ تعلیم دین کی خدمت بھی سپرد ہوئی تھی، اس بنا پر ان کو قدرۃً ایک حلقہ درس قائم کرنا پڑا، اور عام مسلمانون مین مسائل فقہ اور اپنے اجتہادات کی ترویج و اشاعت کا نہایت کافی موقع ہاتھ آیا، اس طرح تمام خطۂ عراق، فقہ مین حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا پیرو ہوگیا، اور ان کی درسگاہ سے

---

[1] مسند احمد جلد اوّل ص ۴۰۴ [2] ایضاً مسند عبد اللہ بن مسعودؓ،

بڑے بڑے اہل کمال سندِ فضیلت لیکر نکلے،

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے مخصوص تلامذہ مین سے علقمہ اور اسود نے فقہ مین خاص شہرت حاصل کی، پھر ان کے بعد ابراہیم نخعی نے کوفہ کی فقہ کو بہت کچھ وسعت دی یہان تک کہ ان کو فقیہ العراق کا لقب ملا،

ابراہیم نخعی کے پاس حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے فتاویٰ کا نہایت کافی ذخیرہ تھا، جو ان کو تمامتر زبانی یاد تھا، ان سے حماد نے حاصل کیا، اور حماد سے منتقل ہو کر وہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حصہ مین آیا جنھون نے اپنے علم و اجتہاد سے اسکو اس قدر وسعت دی کہ آج اکثر دنیاے اسلام ان کے فیوض و برکات سے مالا مال ہے،

اصولِ فقہ

قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس فقہ اسلامی کی عمارت کے چار ستون ہین، اور یہی اصولِ فقہ کے موضوعِ فن بھی ہین، ان مین سے دونون مؤخر الذکر کی ضرورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیش آئی، کیونکہ ہبوط وحی والہام کی موجودگی مین اجماع و قیاس کی ضرورت ہی کیا تھی،

اجماع

اجماع کو عملی حیثیت سے رواج دینا گو حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمر فاروقؓ کا خاص طغراے امتیاز ہے، تاہم اصولی حیثیت سے سب سے پہلے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے اس کو مستحسن قرار دیا اور فرمایا،

ما راٰی المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسن وما راٰوا سیئاً فھو عند اللہ سیئ[1]

جس چیز کو تمام مسلمان بہتر سمجھین وہ خدا کے نزدیک بھی بہتر ہے اور جس کو برا سمجھین وہ خدا کے نزدیک بھی برا ہے

اور یہی درحقیقت اجماع کی اصلی روح ہے،

---

[1] مسند احمد جلد اول ص ۳۷۹،

قیاس اصولِ فقہ کا چوتھا رکن قیاس ہے، جو درحقیقت قرآن پاک، حدیث نبوی اور اجماع ہی کی ایک شاخ ہے، لیکن توسیع فقہ اور نئے نئے مسائل کی گتھیوں کو سلجھانے کے لحاظ سے وہ خاص اہمیت رکھتا ہے، یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث مین تمام جزئیات مذکور نہین، اور نہ اس قدر احاطہ ممکن تھا، اس لئے علت مشترکہ نکال کر ان جزئیات غیر منصوصہ کو احکام منصوصہ پر قیاس کرنا فقیہہ یا مجتہد کا سب سے اہم فرض ہے اور درحقیقت یہی وہ موقع ہے جہان اس کی قوتِ اجتہاد، تفریع مسائل واستنباطِ احکام کا امتحان ہوتا ہے،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے عملاً قیاس شرعی سے کام لیکر آیندہ نسلون کے لئے ایک وسیع شاہراہ قائم کردی اور ضمناً بہت سے ایسے قاعدے مقرر کردیئے جو آج ہمارے علم اصولِ فقہ کی بنیاد ہین، ہم یہان ان کے چند قیاسی مسائل نقل کرتے ہین جن سے ان کی قوتِ استنباط کا اندازہ ہوگا،

حج یا عمرہ کا ایک مسئلہ ہے کہ اگر کوئی احرام باندھے اور دشمن کے سدِ راہ ہوجانے سے حج یا عمرہ کے ارکان کو پورا نہ کرسکے تو وہ صرف قربانی کا جانور بھیجکر احرام کھولدے، اور آیندہ جب کبھی موقع میسر آئے اپنے ارادہ کو پورا کرے، جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ "مجبوری" کو علتِ مشترکہ قرار دے کر مریض یا دوسرے مجبور اشخاص کے لئے بھی یہی حکم جاری فرماتے ہین، چنانچہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ "مین عمرہ کے لئے احرام باندھ چکا تھا کہ اتفاقاً سانپ نے کاٹ کھایا اور اب جانے کی طاقت نہین رہی" بولے "تم صرف قربانی بھیجکر احرام کھول دو، اور جب ممکن ہو عمرہ ادا کرو"[1]

[1] موطا امام محمد ص ۲۳۲:

اس قیاس سے ضمناً دو نہایت اہم اصول منضبط ہوتے ہین (۱) اشتراکِ علت اشتراکِ حکم کا باعث ہے (۲) سبب کا خاص ہونا حکم کی تعمیم پر کچھ اثر نہین ڈالتا،

علم فرائض کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ میت سے جس کو زیادہ قرابت ہوگی، اوس کو وراثت مین ترجیح دیجائے گی، مثلاً حقیقی بھائی کو اخیافی یا علاتی بھائی پر صرف اس لئے ترجیح ہے کہ اوّل الذکر کو مان اور باپ دونون کی طرف سے قرابت ہے، برخلاف اس کے دونون مؤخر الذکر مین صرف ایک ہی حیثیت پائی جاتی ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اس اصول کو دوسرے قرابت دارون مین بھی پیش نظر رکھتے ہین، مثلاً ایک میت نے زید اور بکر دو چچازاد بھائی چھوڑے اور زید اس رشتہ کے علاوہ میت کا اخیافی بھائی بھی ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اس صورت مین ازدیاد قربت کی علت مرجحہ نکال کر زید کو بکر پر ترجیح دیتے ہین، لیکن جمہور علماے اہلِ سنت عصبہ ہونے کی حیثیت سے ان دونون مین کوئی تفریق نہین کرتے[۱]،

اجتہاد | مذکورۂ بالا قیاسی مسائل کے علاوہ فقہ اسلامی کی بہت سی پیچیدہ گتھیان صرف حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے ناخنِ اجتہاد سے حل ہوئین، آپ استنباطِ احکام و تفریع مسائل پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے، اور نصوص شرعیہ مین ناسخ و منسوخ، موقت و مؤبد کی تفریق کرکے صحیح استنباطِ حکم کی راہ پیدا کر لیتے تھے، مثلاً ایک دفعہ استفتاء آیا کہ ایک حاملہ عورت کے لئے جس کا شوہر مرگیا ہو، عدت کیا ہے؟ چونکہ قرآن مجید مین عدت کے متعلق مختلف احکام ہین، سورۂ بقرہ مین عام حکم یہ ہے،

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ	تم مین سے جو لوگ مرجائین، اور بیویان چھوڑین
اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ	تو وہ (عورتین) اپنے آپ کو چار مہینے دس دن

[۱] التوضیح والتلویح،

وعشرا — تک رو کے رکھین

اور سورۂ نساء مین خاص حاملہ عورتون کے لئے جن کے شوہر مر گئے ہون یہ حکم ہے،

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ — اور جو عورتین حاملہ ہون ان کی مدت یہ ہے کہ اپنا حمل وضع کرین،

اس بنا پر حضرت علیؓ کا خیال تھا کہ جس مین زیادہ مدت صرف ہو وہی اس کا زمانۂ عدت قرار دیا دے، تاکہ دونون آیتون کا توافق پیدا ہو جائے، لیکن حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے حاملہ عورت کے حق مین سورۂ بقرہ کی آیت کو سورۂ نساء کی آیت سے منسوخ قرار دے کر وضعِ حمل عدت قرار دی، اور فرمایا کہ مین اس کے لئے مباہلہ کر سکتا ہون کہ سورہ بقرہ سورۂ نساء کے بعد نازل ہوئی ہے[1]،

یہ مسئلہ کہ جہری نمازون مین مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنا چاہیئے، یا نہین؟ آج تک احناف اور دیگر فرقِ اسلامیہ کے درمیان ایک معرکۃ الآراء بحث ہے اور اس کا کسی طرح فیصلہ ہی نہین ہونے پاتا، حضرت عبد اللہؓ کے زمانہ مین یہ بحث پیدا ہو چکی تھی، چنانچہ ایک شخص نے بطریق استفتاء اس مسئلہ کو ان کے سامنے پیش کیا، انھون نے جواب دیا،

انصت فان فی الصلوٰۃ شغلا وسیکفیک ذاک الامام[2] — خاموش رہو کیونکہ نماز مین توجہ قائم نہین رہتی، امام کا پڑھنا تمھارے لئے کافی ہے،

اس جواب مین درحقیقت حسب ذیل تین دلیلون کی طرف اشارہ ہے، جو آج بھی احناف کے لئے مخالفین کے مقابلہ مین بمنزلہ سپر ہے،

(۱) اذا قرئ القرآن فاستمعوا — جب قرآن پڑھا جائے تو اسکو سنو اور خاموش رہو،

---

[1] التوضیح والتلویح [2] موطا امام محمد جلد ۱ ص ۹۶،

له وانصتوا،

(۲) مقتدی کی قرأت سے نماز مین توجہ قلب باقی نہین رہتی،

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے من کان له امام فقرأة الامام قرأة له[1]
یعنی جو امام کے پیچھے ہو اس کے لئے امام کی قرأت کافی ہے،

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس فرائض کا یہ استفتاء آیا کہ ایک میت نے ورثہ مین ایک لڑکی ایک پوتی اور ایک بہن چھوڑی ہے، اس کی جائداد کس طرح تقسیم ہوگی؟ انھون نے جواب دیا کہ لڑکی اور بہن نصف کی مستحق ہین، اور پوتی محروم الارث ہے، حضرت ابوموسیٰؓ کے جواب کے ساتھ ہی استفتاء حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی خدمت مین آیا، انھون نے فرمایا کہ "اگر مین رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ابوموسیٰ کے قول کو ترجیح دون تو مین گمراہ ہون گا، بیشک لڑکی نصف پائے گی، لیکن دو ثلث پورا کرنے کے لئے ایک سدس پوتی کو بھی ملے گا، اور جو باقی رہے گا وہ بہن کا حصہ ہے"[2] یہ جواب حضرت ابوموسیٰؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا "جب تک یہ بڑا عالم ہم مین موجود ہے اس وقت تک ہم سے پوچھنے کی ضرورت نہین" چنانچہ آج یہی فتویٰ تمام مسلمانون کا معمول بہ ہے،

معاصرین فضل وکمال کے معترف تھے

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے تبحر علمی و ملکۂ اجتہاد کے تمام صحابۂ کرامؓ معترف تھے، حضرت عمرؓ جب ان کو دیکھتے تو چہرہ بشاش ہو جاتا اور فرماتے،

کیف ملی علما[3] (مستدرک حاکم، مناقب) ایک ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے،

ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے چند کوفیون نے ان کے تقویٰ، حسن خلق اور تبحر علمی کی بیحد تعریف کی، انھون نے پوچھا "کیا تم سچے دل سے کہتے ہو؟" بولے "ہان" فرمایا تم لوگون نے

---

[1] مسند احمد جلد ۳ ص ۳۳۹، [2] بخاری جلد ۲ ص ۹۹۷، [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۱۰،

عبد اللہ بن مسعودؓ کی جو کچھ تعریف کی ہے، مین ان کو اس سے بھی بہتر خیال کرتا ہون[1]

ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اگر کسی کے حلق سے بیوی کا دودھ فرو ہو جائے تو اس کے لئے کیا حکم ہے، انھون نے جواب دیا کہ وہ اس پر حرام ہو جائیگی حضرت عبد اللہؓ موجود تھے، انھون نے (روک کر) کہا آپ یہ کیا فتویٰ دیتے ہین؟ رضاعت صرف دو سال تک ہے، حضرت ابو موسیٰؓ نے خوش ہو کر اعترافِ فضل کے لہجہ مین لوگون سے کہا، جب تک یہ حبر (یعنی عالم متبحر) تم مین موجود ہے مجھ سے کچھ نہ پوچھو[2]

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص سے جو تہ بند ٹخنون سے نیچے لٹکائے ہوئے تھا کہا، تہ بند ذرا اوپر کر کے باندھو، اس نے کہا ابن مسعود تم بھی تہ بند اوپر کرو، بولے مین تمھارے جیسا نہین ہون، میری ٹانگین پتلی ہین، حضرت عمرؓ نے اس رد و قدح کا حال سنا تو اس شخص کے کوڑے لگوائے کہ تو نے عبد اللہ بن مسعودؓ جیسے شخص سے منہ زوری کی،[3]

نامعلوم مسائل مین رائے زنی سے احتراز

ایک طرف تو ان کی قوتِ اجتہاد و جلالتِ شان کا یہ حال تھا، لیکن دوسری طرف حزم و احتیاط کا یہ عالم تھا کہ نامعلوم مسائل مین کبھی رائے زنی سے کام نہ لیتے اور اپنے شاگردون کو ہمیشہ ہدایت فرمایا کرتے کہ جس چیز کو تم نہ جانتے ہو اس کی نسبت یہ نہ کہا کرو کہ میری رائے یہ ہے، یا میرا خیال یہ ہے، بلکہ صاف کہہ دیا کرو کہ مین نہین جانتا،[4]

مسروق جو ان کے خاص تلامذہ مین ہین بیان کرتے ہین کہ عبد اللہ بن مسعودؓ اکثر حسرت و افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ عنقریب ایک ایسا زمانہ آنیوالا ہے، جب کہ علماء باقی نہ رہین گے اور لوگ ایسے جاہلون کو سردار بنالین گے جو تمام امور کو محض اپنی عقل و رائے سے

[1] طبقات ابن سعد ق اجز ۳ ص ۱۱۰ [2] موطا امام مالک ص ۲۲۳ [3] اصابہ جلد ۴ ص ۱۳۰
[4] اعلام الموقعین ص ۶۴

قیاس کرین گے۔[1]

ایک مرتبہ ان کے پاس یہ استفتاء آیا کہ ایک عورت کا نکاح ہوا لیکن اس مین مہر کا کوئی تذکرہ نہین کیا گیا، یہان تک کہ اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا، اس کے لئے کیا حکم ہے، وہ مہر و وراثت کی مستحق ہے یا نہین؟ چونکہ ان کو اس کے متعلق کوئی واقفیت نہ تھی اس لئے لوگون کے ضد اور اصرار کے باوجود تقریباً ایک مہینہ تک خاموش رہے، لیکن جب زیادہ مجبور کئے گئے تو بولے "میرا فیصلہ یہ ہے کہ وہ مہر مثل اور وراثت کی مستحق ہے اور اس کو عدت مین بیٹھنا چاہئے"، پھر فرمایا "اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے، خدا اور اس کا رسول اس سے بری ہے"، اس وقت حاضرین مین دو صحابی حضرت جراح رضی اور حضرت ابو سنان رضی موجود تھے، انھون نے اٹھ کر کہا، "ہم گواہی دیتے ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق کے حق مین بھی یہی فیصلہ فرمایا تھا" اس توافق سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی کو غیر معمولی مسرت حاصل ہوئی۔[2]

فتوی سے رجوع کرنا اگر وہ کبھی کوئی فتوی دیتے اور بعد کو اس کے خلاف ثابت ہو جاتا تو فوراً اس سے رجوع کر لیتے، ایک مرتبہ کوفہ مین ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ "اگر کسی نے اپنی بیوی کو ہاتھ نہ لگایا ہو تو اس کے بعد اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے؟" حضرت عبد اللہ رضی نے جواز کا فتوی دیا، لیکن جب مدینہ آئے اور لوگون سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ربیبہ لڑکیون کے سوا اور تمام صورتون مین ناجائز ہے، چنانچہ انھون نے کوفہ واپس آکر براہ راست مستفتی سے ملاقات کی اور اپنے فتوی سے رجوع کر کے فسخ نکاح کا حکم دیا۔[3]

معاصرین سے استفادہ نامعلوم مسائل مین ان کو اپنے اہل علم معاصرین سے استفادہ کرنے مین

[1] اعلام الموقعین ص ۸۴ [2] ابو داؤد باب فیمن تزوج ولم یسم صداقا [3] موطا امام مالک ص ۱۹۳۔

عاریۃً تھا، ایک مرتبہ انھون نے اپنی بیوی سے ایک لونڈی خریدی اور شرط یہ قرار پائی کہ اگر وہ فروخت کی جائے تو اس کی قیمت ان کی بیوی کو ملے گی، چونکہ ان کو خود اس بیع کی تکمیل مین تنگ تھا، اس لئے انھون نے حضرت عمرؓ سے فتویٰ پوچھا، انھون نے جواب دیا کہ بیع مشروط سے ملکیت حاصل نہین ہوتی تم اس کے قریب نہ جاؤ،[1]

امام محمد نے کتاب الآثار مین روایت کی ہے کہ صحابۂ کرامؓ مین سے چھ شخص مجتہد تسلیم کئے جاتے تھے، اور وہ باہم مسائلِ فقہیہ مین بحث و مذاکرہ کرتے رہتے تھے، علیؓ، ابی بن کعبؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ایک ساتھ اور عمرؓ، زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ ایک ساتھ "امام شعبی کا بیان ہے کہ عمرؓ، زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم ملتے جلتے ہین،

ارباب علم کی قدرشناسی | حضرت عبداللہؓ اربابِ علم و فضل کی نہایت عزت کرتے تھے، حضرت عمرؓ کی نسبت ان کا قول تھا کہ "اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ مین رکھا جائے اور عمرؓ کا علم دوسرے پلہ مین تو عمرؓ کا پلہ بھاری رہے گا،" وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ عمرؓ کے ساتھ ایک گھڑی بیٹھنا مین سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہون،[2]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی نسبت فرمایا کرتے تھے "ابن عباسؓ بہترین ترجمانِ قرآن ہین، اگر وہ (عہدِ رسالت مین) ہم لوگون کا سن پاتے تو کوئی ان کی برابری نہ کرسکتا،"[3]

علقمہ ان کے شاگرد تھے، انھون نے محض اپنی ذہانت وکثرتِ معلومات کے باعث ان کے حلقۂ درس مین ممتاز عزت حاصل کرلی تھی، حضرت عبداللہؓ ان کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ "علقمہ کے معلومات سے میرے معلومات زیادہ نہین ہین،"[4]

---

[1] موطا امام محمد ص ۲۴۳ [2] استیعاب تذکرہ عمر فاروقؓ [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۵ [4] تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۲۷۸

احترامِ خلافت | منصبِ خلافت کا نہایت ادب و احترام ملحوظ رکھتے تھے، اور کبھی خلیفۂ وقت کا کوئی حکم یا فعل سنتِ ماضیہ کے خلاف نظر آتا تو عملاً اس کی مخالفت نہ فرماتے تھے کہ اس سے امتِ مرحومہ مین تفریق و انتشار کا اندیشہ تھا، ایک سال حج کے موقع پر حضرت عثمان رضؓ نے منیٰ مین دو کے بجائے چار رکعتین ادا کین، حضرت عبداللہ رضؓ کو خبر ملی تو متاسف ہو کر بولے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعتین پڑھین، ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ کے عہد مین بھی دو ہی رکعتین تھین، اب یہ کیا انقلاب ہے؟[۱] لیکن عملاً انھون نے چار ہی رکعتین پڑھین، لوگون نے اس پر تعجب ظاہر کیا تو بولے کہ خلافت کا احترام ضروری ہے،[۲]

درس و تدریس | حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ مین باقاعدہ حدیث، فقہ اور قرآن پاک کی تعلیم دیتے تھے، ان کی درسگاہ مین شاگردون کا بڑا مجمع رہتا تھا، جن مین سے علقمہؒ، اسودؒ، مسروقؒ، عبیدہ، حارث، قاضی شریح اور ابو وائل نہایت نامآور ہوئے، خاص کر علقمہ ان کی صحبت مین اس التزام سے رہے تھے اور ان کے طور و طریقہ کے اس قدر پابند تھے کہ لوگون کا بیان تھا کہ جس نے علقمہ کو دیکھ لیا اس نے عبداللہ بن مسعودؓ کو دیکھ لیا،

شاگردون کی ایک جماعت سفر مین بھی عموماً ہمراہ ہوتی تھی، علقمہ اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ اگر خود جانے سے مجبور ہوتے تو اپنے کسی رفیق کو ساتھ کر دیتے، اور تاکید کرتے کہ ہمیشہ حاضرِ خدمت رہین، عبدالرحمٰن بن یزید کا بیان ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک مرتبہ حج کا قصد کیا، علقمہ نے مجھ کو ان کے ہمراہ بھیجا اور تاکید کی کہ ہر وقت حاضر رہون اور جو کچھ معلومات حاصل ہون ان سے ان کو مطلع کرون،[۳]

ایک مرتبہ حضرت جنابؓ نے ان کے وسیع حلقۂ درس کو دیکھ کر کہا، "ابو عبدالرحمٰن کیا آپ کے

[۱] بخاری جلد ۱ ص ۱۴۷، [۲] مسند اعظم ص ۸۶، [۳] مسند احمد جلد ۱ ص ۴۱۶

طرح آپ کے یہ نوجوان شاگرد بھی باقاعدہ قرأت کرسکتے ہیں؟ بولے "اگر آپ کی خواہش ہو تو کسی کو سنانے کا حکم دوں"، حضرت خبابؓ نے کہا کیوں نہیں؟ حضرت عبد اللہؓ نے علقمہ کی طرف اشارہ کیا انھوں نے تقریباً پچاس آیتوں کی ایک سورہ پڑھ کر سنائی حضرت عبد اللہؓ نے حضرت خبابؓ کی طرف دیکھکر کہا "کیا رائے ہے؟" انھوں نے نہایت تعریف کی۔[۱]

معتقدین کا ہجوم تلامذہ کے علاوہ معتقدین کا ایک بڑا مجمع بھی ہر وقت حاضر رہتا تھا، شفیق کا بیان ہے کہ "ہم لوگ مسجد میں بیٹھکر عبد اللہ بن مسعودؓ کے مکان سے برآمد ہونے کا انتظار کرتے رہتے تھے"۔[۲]

طارق بن شہاب کہتے ہیں کہ "ہم لوگ عبد اللہ بن مسعودؓ کے گرد بیٹھتے اور ان کی صحبت سے فیضیاب ہوتے تھے، ایک روز حسب معمول بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص السلام یا ابا عبد الرحمن کہتا ہوا تیزی کے ساتھ اس طرف سے گذرا، انھوں نے جواب دیا، صدق اللہ و رسولہ یعنی خدا اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے" یہ کہکر داخل حرم ہوئے، ہم لوگوں کو اس جواب پر سخت حیرت تھی، باہم مشورہ ہوا کہ ان کے برآمد ہونے کے بعد کون اس کے متعلق سوال کرے؟ میں نے کہا کہ میں پوچھوں گا، غرض وہ تشریف لائے اور میں نے پوچھا بولے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خاص خاص آدمیوں کو سلام کرنا، تجارت کا تمدن کرنا، اعزہ کے ساتھ بدسلوکی، جھوٹی گواہی دینا اور حق کو چھپانا قرب قیامت کی نشانی ہے"۔[۳]

قوت تقریر اور وعظ و پند تقریر و خطابت میں خاص مہارت رکھتے تھے، ایجاز و اختصار کے ساتھ تاثیر ان کی تقریر اور وعظ کی ممتاز صفت تھی، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مختصر تقریر فرمائی، پھر حضرت ابوبکرؓ کو اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کو تقریر کا حکم دیا، ان دونوں نے باری باری

---

[۱] بخاری جلد ۲ ص ۶۳۰ [۲] مسند احمد جلد ۱ ص ۷۳۶ [۳] ایضاً ص ۴۰۷

اختصار کے ساتھ اپنا بیان ختم کیا، تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو حکم ہوا، انھون نے کھڑے ہو کر حمد ونعت کے بعد کہا،

ایہا الناس ان اللہ ربنا وان الاسلام دیننا وان ھذا نبینا واومأ بیدہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رضینا ما رضی اللہ لنا ورسولہ، السلام علیکم

صاحبو! بے شک خدا ہمارا مالک ہے، اسلام ہمارا مذہب ہے اور یہ (ہاتھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرکے) ہمارے نبی ہین، خدا اور اس کے رسول نے جو کچھ ہمارے لئے پسند کیا ہے ہم نے بھی اس کو پسند کیا، السلام علیکم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مختصر تقریر کی نہایت تعریف کی اور فرمایا "ابن ام عبد نے سچ کہا"[1]

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اپنے مواعظ حسنہ مین عموماً توحید، نماز باجماعت اور خوفِ خدا کی تلقین فرماتے، اور تمثیلات سے ذہن نشین کراتے تھے، مثلاً ایک وعظ مین انھون نے فرمایا کہ "ایک شخص نے جس کے نامۂ اعمال مین توحید کے سوا اور کوئی نیکی نہ تھی، مرنے کے وقت وصیت کی کہ میری لاش کو جلا کر اور چکی مین پیس کر سمندر مین ڈال دینا، لوگون نے اس کی وصیت پوری کی، خدا نے اس کی روح سے سوال کیا، تو نے اپنی لاش کے ساتھ ایسا کیون کیا؟ بولا "خدایا تیرے خوف اور ڈر سے" اس گذارش پر دریاے رحمت جوش مین آیا اور وہ بخشدیا گیا"[2] اس تمثیل سے درحقیقت یہ سمجھانا تھا کہ خشیتِ باری تمام اعمالِ حسنہ کی روح ہے،

کثرتِ وعظ سے احتراز

وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ وعظ وپند کی کثرت اس کے اثر کو زائل کردیتی ہے، اس بنا پر لوگون کے ضد واصرار کے باوجود بہت کم منبرِ وعظ پر تشریف لیجاتے

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۳ [2] مسند احمد جلد ۱ ص ۳۹۸،

اور جو کچھ کہنا ہوتا اس کو نہایت مختصر صاف و سادہ لیکن موثر الفاظ مین فرماتے کہ سامعین تقریر کی طوالت سے گھبرا نہ اٹھین، ایک مرتبہ وعظ سننے کے شوق مین معتقدین کا ہجوم تھا، یزید بن معاویہ نخعی نے ان کو خبر دی، لیکن وہ بہت دیر کے بعد گھر سے برآمد ہوئے اور فرمایا، مجھے معلوم تھا کہ آپ دیر سے میرا انتظار کر رہے ہین، لیکن مین اس ڈر سے باہر نہین آیا کہ کثرتِ بیان آپ کو تھکا دے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگون کی تکلیف کے خیال سے کئی کئی دن ناغہ دے کر وعظ فرماتے تھے،[1]

یون تو ان کا دولت کدہ ہر وقت طالبانِ علم کا مرجع رہتا تھا لیکن طلوعِ آفتاب کے بعد کا وقت مسئلہ مسائل کے لئے مخصوص تھا، ابو وائل بیان کرتے ہین کہ ہم لوگ ایک دن فجر کی نماز کے بعد عبد اللہ بن مسعودؓ کے پاس گئے، وہ اس وقت تسبیح و تہلیل مین مصروف تھے، طلوعِ آفتاب کے بعد ایک شخص نے پوچھا مین نے رات نماز مین پوری مفصل پڑھین، عبد اللہؓ نے کہا شعر کی طرح جلدی جلدی پڑھی ہون گی، ہم نے قرآن کی تلاوت سنی ہے اور مجھے وہ قرآن یاد ہین، جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے، آپ دس مفصل اور دو سورتین آل حٰم کی پڑھتے تھے،[2]

اخلاق سنتِ نبوی کی پیروی کے شوق نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے اخلاق و طرزِ معاشرت مین ایک گونہ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم و محامد کی جھلک پیدا کر دی تھی، عبد الرحمن ابن یزید کا بیان ہے کہ ہم نے حضرت حذیفہؓ کی خدمت مین حاضر ہو کر کہا، آپ ہم کو کسی ایسے شخص کا پتہ دیجئے جو خلق و ہدایت مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہو تا کہ ہم اس سے

---

[1] مسند احمد جلد ۱ ص ۳۷۷، [2] مسلم جلد اول ص ۳۰۴ مطبوعہ مصر اس حدیث مین اور واقعات بھی ہین، مگر ان کو تعلیم سے تعلق نہین ہے، اس لئے ہم نے حذف کر دیئے،

کچھ حاصل کریں"، بولے "عبداللہ بن مسعودؓ سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت، حسنِ خلق اور طور طریقے کے پابند تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں میں سے جو لوگ موجود ہیں وہ جانتے ہیں کہ بارگاہِ نبوت میں تقرب کے لحاظ سے ابن ام عبد کا درجہ سب سے بلند ہے"[1]۔

حضرت علیؓ جب کوفہ تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے چند دیرینہ احباب ان سے ملنے آئے، حضرت علیؓ نے امتحاناً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نسبت ان کے خیالات دریافت کئے، سب نے بالاتفاق تعریف کی اور کہا "امیرالمومنین! ہم نے عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ متقی، پرہیزگار، خلیق، نرم دل اور بہتر ہمنشین نہیں دیکھا، حضرت علیؓ نے فرمایا، "بیشک میرا بھی یہی خیال ہے، بلکہ تم نے جو کچھ تعریف کی ہیں ان کو اس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں، انھوں نے قرآن پڑھا، حلال کو حلال اور حرام کو حرام کیا، وہ دین کے فقیہ اور سنت کے عالم تھے"[2]۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک دفعہ اپنے ایک دوست ابوعمیر سے ملنے گئے، اتفاق سے وہ موجود نہ تھے، انھوں نے ان کی بیوی کو سلام کہلا بھیجا اور پینے کے لئے پانی مانگا، گھر میں پانی موجود نہ تھا، ایک لونڈی کسی ہمسایہ کے یہاں سے لانے گئی اور دیر تک واپس نہ آئی، ابوعمیر کی بیوی نے غضبناک ہوکر اس کو سخت وسست کہا اور اس پر لعنت بھیجی، حضرت عبداللہؓ یہ سن کر تشنہ لب واپس چلے آئے، دوسرے روز ابوعمیر سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے اس قدر جلدبازی کے ساتھ واپس چلے آنے کی وجہ پوچھی، بولے "خادمہ نے جب پانی لانے میں دیر کی تو تمھاری بیوی نے اس پر لعنت بھیجی، چونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس پر لعنت بھیجی جاتی ہے اگر وہ بے قصور ہوتا ہے تو بھیجنے والے پر لوٹ آتی ہے، میں نے

---

[1] جامع ترمذی مناقب عبداللہ بن مسعودؓ [2] طبقات ابن سعد قسم اجلد ۳ ص ۱۱۰

خیال کیا کہ خادمہ اگر معذور ہوئی تو بے وجہ میں اس لذت کے واپس آنے کا باعث ہوں گا،[1]

ایک بار انھون نے ایک شخص سے ایک لونڈی خریدی لیکن قیمت بے باق ہونے سے پہلے بائع مفقود الخبر ہو گیا، حضرت عبد اللہؓ نے ایک سال تک اس کو تلاش کیا، مگر کچھ پتہ نہ چلا بالآخر مایوس ہو کر ایک ایک، دو دو درہم کرکے اس کی طرف سے صدقہ کر دیا اور فرمایا کہ اگر وہ واپس آئے گا تو قیمت ادا کر دونگا اور یہ صدقہ میری طرف سے ہوگا،[2]

تمیم بن حرام فرماتے ہین کہ مجھ کو اکثر اصحابِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہمنشینی کا فخر حاصل ہے، لیکن مین نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے زیادہ کسی کو دنیا سے بے نیاز اور آخرت کا طالب نہ دیکھا،[3]

حضرت عثمانؓ نے دو برس تک ان کا وظیفہ بند کر دیا تھا، وفات کے وقت انھون نے ان کی اولاد کے لئے جاری کر دینا چاہا، لیکن حضرت عبد اللہؓ نے نہایت بے نیازی کے ساتھ انکار کر دیا، بولے "کیا آپ کو میری اولاد کے محتاج و دست نگر ہو جانے کا اندیشہ ہے؟ مین نے انھین حکم دیا ہے کہ ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھ لیا کرین، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ مست نہ ہوگا"[4]

حضرت عبد اللہؓ کو مہمان نوازی کا نہایت شوق تھا، انھون نے کوفہ مین موضع الرمادہ کا مکان مخصوص طور سے مہمانون کے لئے خالی کر دیا تھا،[5]

مذہبی زندگی عبید اللہ بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ رات کے وقت جب کہ تمام دنیا محو راحت ہوتی تھی، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اٹھکر صبح تک آہستہ آہستہ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے،[6] رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی تمام طاق راتین شب قدر کی تلاش مین بسر ہوتی تھین، ابوعقرب

[1] مسند احمد جلد ۱ ص ۴۰۸ [2] بخاری جلد ۲ ص ۹۷۰ [3] اصابہ تذکرہ عبد اللہ بن مسعودؓ [4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۹،
[5] تاریخ طبری ص ۲۴۴۲ [6] اسد الغابہ تذکرہ عبد اللہ بن مسعودؓ،

کہتے ہیں کہ میں رمضان میں ایک روز علی الصباح ان کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ مکان کی چھت پر بیٹھے ہوئے فرما رہے ہیں خدا اور اس کے رسول نے سچ کہا، میں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ بولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہے، اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس میں شعاع نہیں ہوتی، چنانچہ آج میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا،[1]

سارا گھر صبح سویرے بیدار ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتا تھا، خود صبحِ صادق سے طلوعِ آفتاب تک تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے تھے،

ابو وائل راوی ہیں کہ ایک دن ہم لوگ صبح کی نماز پڑھ کر عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس گئے، دروازہ پر کھڑے ہو کر سلام کیا، اندر آنے کی اجازت ملی، لیکن ہم لوگ تھوڑی دیر دروازے پر ٹھہرے رہے کہ اتنے میں لونڈی نے آکر کہا، آتے کیوں نہیں، ہم لوگ گھر میں گئے تو وہ بیٹھے ہوئے تسبیح پڑھ رہے تھے، کہا اجازت ملنے کے بعد تم لوگوں کو اندر آنے سے کس نے روکا تھا؟ ہم لوگوں نے کہا کسی نے نہیں، خیال ہوا ممکن ہے بعض اہل بیت سو رہے ہوں، کہا ابن ام عبد کی اولاد پر تم نے غفلت کا گمان کیا، اس کے بعد پھر تسبیح میں مشغول ہو گئے، جب سمجھے کہ آفتاب نکل چکا تو لونڈی سے کہا دیکھو آفتاب طلوع ہوا، اس نے جا کر دیکھا تو ابھی طلوع نہ ہوا تھا، پھر تسبیح میں مشغول ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر لونڈی سے کہا دیکھو آفتاب طلوع ہوا، اس نے جا کے دیکھا تو طلوع ہو چکا تھا تو پھر یہ دعا پڑھی، اس خدا کا شکر ہے جس نے ہمکو آج کے دن معاف کر دیا، مہدی راوی کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ بھی کہا تھا "اور ہمارے گناہوں کے بدلے میں ہم کو ہلاک نہیں کیا"[2]

---

[1] مسند جلد ا ص ۴۰۶ ..... [2] مسلم جلد اول ص ۳۰۵ باب ترتیل القراۃ واجتناب الہذ،

نمازیں نہایت کثرت سے پڑھتے تھے، فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ سب سے بہتر عملِ خیر کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ نماز کا اپنے وقت پر ادا کرنا، میں نے کہا پھر کیا ہے؟ فرمایا والدین کے ساتھ نیکو کاری" میں نے کہا "پھر؟" حکم ہوا "راہ خدا میں جہاد کرنا،" اس کے بعد خاموش ہوگیا، ہاں اگر میں اپنا سوال آگے بڑھاتا تو آپ اس پر کچھ اور اضافہ فرماتے[۱] غرض اس ارشاد کے مطابق وہ فرائض ٹھیک وقت پر ادا کرتے تھے، ایک مرتبہ ولید بن عقبہ والیِ کوفہ کو پہنچنے میں دیر ہوگئی، حضرت عبداللہؓ نے بغیر توقف وانتظار نماز پڑھادی، ولید نے برہم ہو کر کہلا بھیجا، "آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کیا امیر المومنین کا کوئی حکم ہے یا اپنی ایجاد؟" انھوں نے جواب دیا کہ نہ تو امیر المومنین کا حکم ہے اور نہ اپنی ایجاد، البتہ خدا کو یہ ناپسند ہے کہ تم اپنے مشاغل میں مصروف رہو اور لوگ نماز میں تمھارے منتظر ہیں[۲]

رمضان کے علاوہ ہفتہ میں دو دن دوشنبہ اور جمعرات عموماً روزوں کے لئے مخصوص تھے، عاشورے کا روزہ بھی پابندی کے ساتھ رکھتے تھے، باوجود اس کے عبدالرحمن ابن یزید کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کے سوا اور کسی فقیہ کو اس قدر کم روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا، چنانچہ ایک دفعہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ روزے کیوں نہیں رکھتے؟ بولے "میں روزہ پر نماز کو ترجیح دیتا ہوں، اگر روزے رکھوں گا تو ضعف کے باعث نماز نہ ہو سکے گی[۳]"

خشیتِ الٰہی اور خوفِ قیامت سے حضرت عبداللہؓ کا دل ہمیشہ مضطرب رہتا تھا، وہ فرمایا کرتے تھے "کاش! میں مرنے کے بعد اٹھایا نہ جاتا[۴]"

---

[۱] بخاری جلد ۱ ص ۷۰ [۲] مسند احمد جلد ۱ ص ۴۵۰ [۳] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۰۹

[۴] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۱۰

خانگی زندگی

بیوی بچون سے محبت رکھتے تھے، گھر مین داخل ہوتے تو باہر ہی سے کھکھارتے اور بلند آواز سے کچھ بولتے، تاکہ گھر کے لوگ باخبر ہوجائین، ان کی اہلیہ محترمہ حضرت زینبؓ فرماتی ہین کہ ایک روز عبداللہؓ کھکھارتے ہوئے اندر آئے، اس وقت ایک بڈھی عورت مجھے تعویذ پہنا رہی تھی، مین نے ان کے ڈر سے اس کو پلنگ کے نیچے چھپادیا، عبداللہؓ آکر میرے پاس بیٹھ گئے، اور گلے کی طرف دیکھ کر پوچھا "یہ دھاگا کیسا ہے؟" مین نے کہا "تعویذ ہے" انھون نے اس کو توڑ کر پھینک دیا اور کہا "عبداللہ کا خاندان شرک سے بری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مین نے سنا ہے کہ تعویذ اور گنڈے شرک مین داخل ہین" مین نے کہا "آپ یہ کیا فرماتے ہین؟ میری آنکھین جوش کر آتی تھین تو مین فلان یہودی سے تعویذ لینے جایا کرتی تھی اور اس کے تعویذ سے سکون ہوجاتا تھا، بولے یہ سب عمل شیطانی ہے، تمھارے لئے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا کافی ہے[۱]،

اذھب الباس رب الناس اشف وانت	خوف دور کر اے پروردگار شفا دے تو ہی شفا دینے
الشافی لا شفاء الا شفاءک شفاء لا	والا ہے، تیرے سوا کوئی شفا نہین، وہ شفا بسی ہے
یغادر سقما	جو کسی بیماری کو نہین چھوڑتی،

پوشاک نہایت سادہ پہنتے تھے، ہاتھ مین ایک آہنی انگوٹھی رہتی تھی[۲] جو غالباً مہر وغیرہ کے کام آتی ہوگی، غذا بھی پرتکلف نہ تھی، کھانے کے بعد عموماً نبیذ (چھوہارون کا شربت) استعمال فرماتے تھے، ایک مرتبہ علقمہ نے ان سے کہا "خدا آپ پر رحم کرے، آپ تمام امت کے مقتدا و پیشوا ہوکر نبیذ پیتے ہین، بولے "مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبیذ پیتے ہوئے دیکھا تھا، اگر مین آپ کو نہ دیکھتا تو استعمال نہ کرتا[۳]"

[۱] مسند احمد جلد ۱ ص ۳۸۱ و ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۸۶ [۲] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۱۲ [۳] مسند اعظم ص ۲۰۱،

وظیفہ | حضرت عبد اللہؓ کے لئے بیت المال سے پانچہزار درہم کا سالانہ وظیفہ مقرر تھا جو ان کی وفات سے دو برس پہلے خلیفۂ ثالث کے حکم سے بند کر دیا گیا تھا، لیکن حضرت زبیرؓ نے سفارش کر کے ان کی اولاد کے لئے واگذار کرا دیا، اس طرح ان کے پسماندون کو یکمشت دس یا پندرہ ہزار درہم مل گئے، اس کے علاوہ انھون نے تقریباً ۹۰ ہزار درہم نقد چھوڑے،[1]

حلیہ | حلیہ یہ تھا، جسم لاغر، قد کوتاہ، رنگ گندم گون، اور سر پر کانون تک نہایت نرم و خوبصورت زلف، حضرت عبد اللہؓ اس کو اس طرح سنوارتے تھے کہ ایک بال بھی بکھرنے نہین پاتا تھا،

ٹانگین نہایت پتلی تھین، حضرت عبد اللہؓ ہمیشہ ان کو چھپائے رکھتے تھے، ایک مرتبہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مسواک توڑنے کے خیال سے پیلو کے درخت پر چڑھے تو ان کی پتلی پتلی ٹانگین دیکھکر لوگون کو بے اختیار ہنسی آگئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم انکی پتلی ٹانگون پر ہنستے ہو حالانکہ یہ قیامت کے روز میزانِ عدل مین کوہِ احد سے بھی زیادہ بھاری ہون گی"[2]

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ

نام، نسب، خاندان | عبد اللہ نام، ابو موسیٰ کنیت، والد کا نام قیس اور والدہ کا نام طیبہ تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے:- عبد اللہ بن قیس بن سلیم بن حضار بن حرب بن عامر بن عنز ابن بکر بن عامر بن عذر بن وائل بن ناجیہ بن الجماہر بن الاشعر بن ادد بن زید بن یشجب،

حضرت ابو موسیٰؓ یمن کے رہنے والے تھے، ان کا خاندان قبیلۂ اشعرین سے تعلق

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۱۳ [2] ایضاً ص ۱۱۰،

رکھتا تھا، اسی کے انتساب سے وہ اشعری مشہور ہوئے، اور ان کی والدہ طیبہ بنت وہب قبیلہ عک سے تعلق رکھتی تھین، وہ اپنے صاجزادہ کی ہدایت سے ایمان لائین، اور مدینہ پہنچکر وفات پائی،[۱]

اسلام | ساقیِ توحید کے صلاے عام پر نزدیک والون نے اپنے کان بند کر لئے تھے، لیکن تشنہ کامانِ حق دور دراز ممالک سے دشوار گذار منزلین طے کر کے آتے تھے، اور اپنی پیاس بجھاتے تھے، حضرت ابوموسیٰؓ یمن سے چل کر مکہ آئے اور بادۂ اسلام کے ایک ہی جام مین سرشار ہوگئے، وہ مکہ مین قبیلۂ عبد شمس سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے پھر مراجعت فرماے وطن ہوئے[۲] کہ اپنے اعزہ اور احباب کو بھی یہ مژدۂ جانفزا سنائین،

ہجرت | حضرت ابوموسیٰؓ اشعری خاندان کے ایک ذی اثر رئیس تھے، اس لئے ان کی دعوتِ حق نے بہت جلد قبولیت عام حاصل کرلی اور وہ تقریباً پچاس حلقہ بگوشانِ اسلام کی ایک جماعت لیکر بحری راستہ سے بارگاہِ نبوت کی طرف چل کھڑے ہوئے لیکن طوفان وباد مخالف نے اس کشتی کو حجاز کے بجائے حبش پہنچادیا، حضرت جعفرؓ اور دوسرے ستم زدگانِ اسلام جو یہان ہجرت کرکے آئے تھے اور اب تک موجود تھے، مدینہ منورہ کے قصد سے روانہ ہوئے تو حضرت ابوموسیٰؓ بھی اس قافلہ مین شریک ہوگئے، اور عین اس وقت مدینہ پہنچے جب کہ مجاہدینِ اسلام خیبر فتح کرکے واپس آرہے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰؓ اور ان کی تمام جماعت کو بھی خیبر کے مالِ غنیمت مین حصہ مرحمت فرمایا،[۳]

غزوات | حضرت ابوموسیٰؓ فتحِ مکہ اور غزوۂ حنین مین شریک تھے، بنو ہوازن رزمگاہ حنین سے بھاگ کر وادیِ اوطاس مین پھر مجتمع ہونے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعامرؓ کو ایک جمعیت کے ساتھ ان کے استیصالِ کامل پر مامور فرمایا، انھون نے اوطاس پہنچکر بنو ہوازن

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۴۵، [۲] ایضاً، [۳] بخاری جلد ۲ ص ۶۰۸،

کے سردار درید بن الصمہ کو قتل کیا اور خدا نے اس کے ساتھیون کو شکست فاش دی، لیکن اتفاقاً جشمی نام ایک مشرک کے تیر نے ان کو بھی زخمی کر دیا، حضرت ابو موسیٰ رض اس جم مین شریک تھے، فرماتے ہین کہ مین نے بڑھ کر ان سے پوچھا دیا عم! کس نے آپ کو زخمی کیا؟ انھون نے اشارہ سے بتایا تو مین اس پر جھپٹ پڑا، وہ مجھکو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا لیکن مین تعاقب کرتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا، کیا تجھے شرم نہین آتی؟ کیا تو ثابت قدم نہ رہے گا؟ غرض وہ ان غیرت انگیز جملون سے جوش مین آکر) پلٹ پڑا اور تلوار کے دو دو ہاتھ چلنے لگے، یہان تک کہ مین نے اس کو قتل کیا، اور ابو عامر کو آکر بشارت دی کہ خدا نے آپکے دشمن کو مار ڈالا،

حضرت ابو عامر رض کا زخم نہایت مہلک تھا، انھون نے حالتِ نزع مین حضرت ابو موسیٰ اشعری رض کو اپنا جانشین بنایا اور کہا، "جانِ برادر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین سلام عرض کرنا اور کہنا کہ میرے لئے دعاے مغفرت فرمائین"، اس وصیت کے تھوڑی دیر بعد روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، حضرت ابو موسیٰ رض نے ان کو سپردِ خاک کر کے فوج کو مراجعت کا حکم دیا اور بارگاہِ نبوت مین حاضر ہو کر میدانِ جنگ کی کیفیت اور حضرت ابو عامر رض کی وصیت بیان کی، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت پانی مانگ کر وضو فرمایا، پھر دونون ہاتھ اٹھاکر دعا کی اے خدا! ابو عامر کو بخشدے، اے خدا تو اس کو قیامت کے روز اپنی بہت سی مخلوق پر تفوق عطا فرما، حضرت ابو موسیٰ رض نے عرض کی، یا رسول اللہ! میرے لئے بھی، فرمایا، "خدایا عبداللہ ابن قیس کی خطائین بخشدے اور قیامت کے دن اس کا باعزت داخلہ فرما"[1]

۹ھ مین غزوہ تبوک کا اہتمام شروع ہوا تو حضرت ابو موسیٰ رض کو ان کے ساتھیون نے بھیجا کہ دربارِ نبوت سے ان کے لئے سواریون کا انتظام کرین، اتفاق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] بخاری جلد ۲ ص ۶۹۹،

اس وقت حالتِ غیظ میں تھے لیکن حضرت ابو موسیٰؓ اس کا اندازہ نہ کر سکے، اور عرض کی "یا رسول اللہ میرے ساتھیوں نے مجھکو بھیجا ہے کہ حضور ان کو سواریاں مرحمت فرمائیں"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غصہ میں بیٹھے ہی تھے برہم ہو کر فرمایا "واللہ! تمھیں کوئی سواری نہ دونگا"، حضرت ابو موسیٰؓ کچھ اپنی محرومی اور کچھ اس خوف سے کہ شاید رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض ہیں، نہایت غمزدہ واپس آکر اپنے ساتھیوں کو اس کی اطلاع دی لیکن وہ ابھی اچھی طرح کھڑے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ حضرت بلالؓ پکارتے ہوئے آئے "عبد اللہ بن قیس! کہاں ہو؟ چلو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرماتے ہیں"، وہ ان کے ساتھ پھر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دو ساتھ بندھے ہوئے اونٹوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان کو اپنے ساتھیوں کے پاس لیجاؤ، حضرت ابو موسیٰؓ ان کو لئے ہوئے اپنی قوم میں آئے اور کہا کہ "رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دو اونٹ تمھاری سواری کے لئے مرحمت فرمائے ہیں، لیکن خدا کی قسم! چند آدمیوں کو میرے ساتھ کسی ایسے شخص کے پاس چلنا ہوگا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سنی تھی، تاکہ یہ خیال کرو کہ میں نے پہلے جو کچھ کہا تھا وہ دل سے گڑھ کر کہا تھا"، لوگوں نے کہا "خدا کی قسم ہم آپ کو سچا سمجھتے ہیں، آیندہ جو آپ کی خوشی ہو"، غرض انھوں نے چند آدمیوں کو ساتھ لیجا کر لوگوں سے تمام واقعہ کی تصدیق کرادی۔[۱]

ولایت میں | تبوک سے واپس آنے کے بعد ایک روز دو اشعری بزرگ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنے ساتھ لیکر دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی عہدہ کی خواہش کی، آپ مسواک فرما رہے تھے اس سوال پر دفعتہً مسواک رک گئی، اور حضرت ابو موسیٰؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا "ابو موسیٰ! ابو موسیٰ!!" انھوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے

---

[۱] بخاری جلد ۲ ص ۶۳۳

آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ میں ان کے دل کے حال سے آگاہ نہ تھا ورنہ یہ جانتا تھا کہ وہ کسی عہدہ کی خواہش کریں گے" ارشاد ہوا کہ جو کوئی خود سے کسی عہدہ کی خواہش کرے گا اس کو ہرگز اس پر مامور نہ کروں گا، لیکن ابوموسیٰ تم یمن جاؤ میں نے تم کو وہاں کا عامل مقرر کیا،[۱]

یمن دو حصوں پر منقسم تھا، ایک اقصائے یمن جس میں جند اور عدن وغیرہ دور کے اضلاع شامل تھے، اور دوسرا یمن ادنیٰ یا زیرین یمن، اول الذکر پر حضرت معاذ بن جبلؓ کا تقرر ہوا، اور دوسرے پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ مامور ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو رخصت کرتے وقت حسب ذیل نصیحت فرمائی،

یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا	یعنی ملک والوں سے نرمی کے ساتھ پیش آنا سختی نہ کرنا، لوگوں کو خوش رکھنا، متنفر نہ کر دینا اور باہم میل جول سے رہنا،

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے ملک میں جو سے ایک قسم کی شراب بنائی جاتی ہے، اس کو "مزر" کہتے ہیں نیز شہد سے ایک طرح کی شراب ہوتی ہے جو "تبع" کے نام سے مشہور ہے، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ "ہر وہ چیز جو نشہ لائے حرام ہے"،[۲]

حضرت ابوموسیٰؓ چونکہ اپنے وطن میں گورنر ہو کر آئے تھے جہاں پہلے سے ان کا اثر موجود تھا، اس لئے قدرۃً انھوں نے اپنے خدمات نہایت کامیابی کے ساتھ انجام دیئے حضرت معاذؓ ابن جبل سے دوستانہ تعلقات و مراسم کا سلسلہ بھی قائم تھا، بسا اوقات یہ دونوں بزرگ سرحد پر آکر فروکش ہوتے اور باہم ملاقات کر کے تبادلۂ خیالات فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرت معاذؓ

---

[۱] بخاری جلد ۲ ص ۱۰۲۳ [۲] بخاری کتاب المغازی،

ابن جبلؓ حضرت ابوموسیٰؓ کی ملاقات کے لئے تشریف لائے تو دیکھا کہ ان کے پاس لوگون کا ہجوم ہے اور ایک شخص کے دونون ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہین، انھون نے تعجب سے پوچھا کہ "عبداللہ بن قیس! یہ کون ہے؟" بولے "یہ مرتد ہوگیا ہے" انھون نے اس کے قتل کا مشورہ دیا، حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا کہ "یہ اسی لئے گرفتار ہوکر آیا ہے" آپ گھوڑے سے اتر آئے، بولے "جب تک وہ قتل نہ ہوگا، مین نہ اترون گا" حضرت ابوموسیٰؓ نے اس کے قتل کا حکم دیا تو وہ اتر کر اندر آئے اور دیر تک دوستانہ صحبت قائم رہی، حضرت معاذؓ نے پوچھا کہ "آپ قرآن کس طرح پڑھتے ہین؟" بولے کہ "رات، دن مین جب موقع مل جاتا ہے تھوڑا تھوڑا کرکے پڑھ لیتا ہون" پھر پوچھا کہ "آپ کس طرح تلاوت کرتے ہین؟" بولے کہ "مین رات کو ایک نیند سو کر اٹھ بیٹھتا ہون اور اس وقت خدا کو جس قدر منظور ہوتا ہے پڑھ لیتا ہون"[1]

حجۃ الوداع مین شرکت

۱۰ھ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج فرمایا، حضرت ابوموسیٰؓ یمن سے شرکت کے لئے آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "عبداللہ بن قیس! کیا تم حج کے ارادے سے آئے ہو؟" عرض کی "ہان! یا رسول اللہ!" فرمایا "نیت کیا تھی؟" بولے "مین نے کہا تھا، کہ جو رسول اللہ کی نیت ہے وہی میری نیت ہے" ارشاد ہوا کہ "قربانی اپنے ساتھ لائے ہو؟" عرض کی "نہین" حکم ہوا کہ "تم طواف اور سعی کرکے احرام کھول دو" یہ اس وجہ سے کہ حج قران کی صورت مین قربانی لانا ضروری تھا،[2]

یمن مین فتنہ وفساد

حضرت ابوموسیٰؓ حج سے فارغ ہوکر پھر یمن واپس آئے، لیکن یہان اسود عنسی کے ادعائے نبوت نے بہت جلد تمام ملک مین شورش وبغاوت پھیلادی، یہان تک کہ حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے مرکز حکومت "مارب" چلے آنے پر مجبور ہوئے، لیکن

---

[1] بخاری باب بعث ابی موسیٰ ومعاذ الی الیمن [2] بخاری جلد ۲ ص ۶۲۳ [3] ایضاً ص ۶۲۴،

یہ بھی زیادہ دنوں تک محفوظ نہ رہ سکا اور بالآخر ان دونوں کو حضر موت میں پناہ لینی پڑی۔[۱]

گو ابن مکشوح مرادی کی تلوار نے بہت جلد اسود عنسی کا قصہ تمام کردیا، تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دفعۃً پھر ارتداد و سرکشی کی آگ بھڑک اٹھی، لیکن خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے ایک زبردست مہم بھیجکر ازسرنو تسلط قائم کردیا، اور اس طرح یمن کے امرا اور حکام پھر اپنے عہدوں پر واپس آگئے، حضرت ابوموسیٰ رضؓ بھی حضرموت سے اپنے دارالحکومت "مارب" واپس آئے اور خلیفۂ دوم کی ابتداے خلافت تک نہایت تدبر و جانفشانی کے ساتھ گورنری کے فرائض انجام دیتے رہے،

فتح نصیبین حضرت عمر رضؓ کے عہد خلافت میں جب بیرونی فتوحات کا زیادہ وسیع پیمانہ پر انتظام کیا گیا، اور حضرت سعد وقاص رضؓ کی زیر قیادت رزمگاہ عراق کی طرف ایک بہت بڑی مہم روانہ ہوئی تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ بھی شوق جہاد میں عہدۂ امارت سے مستعفی ہوکر اس فوج کشی میں شریک ہوئے،

عراق کا اکثر حصہ فتح کرلینے کے بعد حضرت سعد وقاص رضؓ نے ۱۷ھ میں دریاے دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقہ یعنی الجزیرہ پر ایک عام فوج کشی کا اہتمام کیا، اور حضرت ابوموسیٰ رضؓ کو نصیبین کی فتح پر مامور کیا، انھوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ یہ مہم سرانجام دی،[۲]

ولایت بصرہ اسی سال دربار خلافت نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضؓ کو معزول کرکے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ کو بصرہ کا والی مقرر کیا، اس موقع پر اہل بصرہ کے نام جو فرمان آیا تھا اس کے الفاظ یہ تھے،

اما بعد فانی قد بعثت اباموسیٰ امیرا علیکم لیاخذ لضعیفکم من قویکم ولیقاتل	میں نے ابوموسیٰ کو تم پر امیر بنا کر بھیجا ہے تاکہ قوی سے کمزور کا حق دلائیں، تمھارے دشمنوں سے لڑیں

[۱] تاریخ طبری ص ۱۸۵۴ [۲] ایضاً ص ۲۵۰۶،

بکم عدو کم و لیدفع عن ذمتکم جزیتکم لیحمیکم فیئکم ثم لیقسمہ بینکم و لینقی لکم طرقکم[1]،

ذمیون کی حفاظت کرین، تمھاری آمدنی کا تم کو حساب دین، پھر اس کو تم مین تقسیم کرین اور تمھارے راستون کو تمھارے لئے صاف رکھین،

فتح خوزستان بصرہ کی سرحد خوزستان سے ملی ہوئی تھی اور وہ اب تک ایرانیون کے قبضہ مین تھا، سنہ ۱۶ھ مین حضرت مغیرہ بن شعبہ رضؓ نے اس کو فتح کرنے کے خیال سے اہواز پر فوج کشی کی تو یہان کے رئیس نے ایک قلیل سی رقم دے کر صلح کرلی، اور حضرت مغیرہ رضؓ وہین رک گئے سنہ ۱۷ھ مین ان کی جگہ پر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ آئے اس انقلاب مین اہواز کے رئیس نے سالانہ رقم بند کردی، اور علانیہ بغاوت کا اظہار کیا، مجبوراً انھون نے لشکر کشی کی اور اہواز کو فتح کرکے مناذر کا رخ کیا، یہ ایک نہایت مستحکم مقام تھا، حضرت مہاجر بن زیاد رضؓ جو ایک معزز افسر تھے، یہان ایک معرکہ مین شہید ہوئے، اور قلعہ والون نے ان کا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکادیا، حضرت ابو موسیٰ حضرت مہاجر رضؓ کے بھائی ربیع کو اس کے محاصرہ پر چھوڑ کر سوس کی طرف بڑھے ربیع نے مناذر کو سر کرلیا، اور حضرت ابو موسیٰ رضؓ نے سوس کا محاصرہ کرکے ہر طرف سے رسد بند کردی، قلعہ مین کھانے پینے کا سامان ختم ہوچکا تھا، مجبوراً رئیس شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اس کے خاندان کے سو آدمی زندہ چھوڑ دیئے جائین، حضرت ابو موسیٰ رضؓ نے منظور کیا، رئیس نے ایک ایک کرکے سو آدمیون کو پیش کیا، اور وہ سب چھوڑ دیئے گئے، لیکن بدقسمتی سے اس نے شمار مین خود اپنا نام نہین لیا، چنانچہ جب سو آدمیون کی تعداد پوری ہوگئی، تو انھون نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کرادیا،

سوس کے بعد رامہرمز کا محاصرہ ہوا، اور آٹھ لاکھ درہم سالانہ پر صلح ہوگئی، یزدگرد

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۵۳۲،

نوجوان شہنشاہِ ایران اس وقت قم میں مقیم تھا، اس کو حضرت ابوموسیٰؓ کی فتوحات کی خبریں پہنچیں تو اس نے اپنے ماموں ہرمزان کو خوزستان کی حفاظت کے لئے بھیجا، ہرمزان نے شوستر پہنچکر اس کو مستحکم کیا اور تمام ملک میں جوش پیدا کر کے اپنے گرد ایک بہت بڑی فوج جمع کر لی، حضرت ابوموسیٰؓ نے ان حالات سے دربارِ خلافت کو مطلع کیا، اور مدد کی درخواست کی، وہاں سے حضرت عمار بن یاسرؓ کے نام جو کوفہ کے گورنر تھے، حکم آیا کہ نعمان بن مقرن کو ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ مدد کو بھیجیں، لیکن غنیم کی کثرت اور سروسامان کے مقابلہ میں یہ جمعیت بیکار تھی، حضرت ابوموسیٰؓ نے دوبارہ لکھا جس کے جواب میں حضرت عمار بن یاسرؓ کوفہ سے ایک بڑی فوج لیکر آئے اور دوسری طرف جریر بجلی ایک جرار لشکر لیکر جلولا پر حملہ آور ہوئے، غرض حضرت ابوموسیٰؓ نے اس سروسامان سے شوستر کا رخ کیا اور شہر کے قریب پہنچکر ڈیرے ڈالے، ہرمزان نے خود قلعہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا اور شکست کھا کر پھر قلعہ بند ہو گیا،

شوستر نہایت مستحکم مقام تھا، اس کی تسخیر کے متعلق حضرت ابوموسیٰؓ کی تمام کوششیں بے نتیجہ رہیں لیکن خدا نے غیب سے سامان پیدا کر دیا، ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ان کے پاس آیا اور کہا کہ اگر میری جان و مال کو امن دیا جائے تو میں شہر پر قبضہ کرا دوں، حضرت ابوموسیٰؓ نے منظور کیا، اس نے ایک عرب کو جس کا نام اشرس تھا، ساتھ لیا، اور نہر وجیل سے گذر کر ایک تہ خانہ کی راہ خاص شہر میں داخل ہوا، اشرس کے منہ پر چادر ڈال دی، اور کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے چلے آؤ، چنانچہ شہر کے گلی کوچوں سے گذرتا ہوا خاص ہرمزان کے محل میں آیا، شہری نے ان کو تمام عمارات کی سیر کرائی اور موقع کے نشیب و فراز دکھا کر حضرت ابوموسیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اشرس نے تفصیل کے ساتھ تمام کیفیت بیان کی، اور کہا کہ دو سو جانباز میرے ساتھ ہوں تو شہر فوراً فتح ہو جائے، حضرت ابوموسیٰؓ نے فوج کی طرف دیکھا، دو سو

بہادروں نے بڑھ کر کہا خدا کی راہ مین ہماری جان حاضر ہے، اشرس ان کو لے کر اسی تہ خانہ کی راہ شہر مین داخل ہوئے اور پہرہ والون کو تہ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھولدیئے،

ادھر حضرت ابو موسیٰؓ تمام فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے، دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر مین ہلچل پڑ گئی، ہرمزان نے بھاگ کر قلعہ مین پناہ لی، مسلمان قلعہ کے نیچے پہنچے تو اس نے برج پر چڑھ کر کہا کہ میرے ترکش مین اب بھی سو تیر ہین، اور جب تک اتنی ہی لاشین یہان نہ ڈھیر ہو جائین مین گرفتار نہین ہوسکتا تاہم مین اس شرط پر اتر آتا ہون کہ تم مجھ کو مدینہ پہنچادو اور جو کچھ فیصلہ ہو عمرؓ کے ہاتھ سے ہو، حضرت ابو موسیٰؓ نے منظور کیا اور اس کو حضرت انسؓ کے ساتھ مدینہ بھیجدیا[1]

شوستر کے بعد جندی سابور پر حملہ ہوا، اس کا کئی دن تک محاصرہ رہا، ایک دن شہر والون نے خود شہر کے دروازے کھولدیئے، اور نہایت اطمینان کے ساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار مین مصروف ہوئے، مسلمانون کو ان کے اطمینان پر تعجب ہوا، سبب دریافت کیا تو انھون نے کہا کہ تم ہم کو جزیہ کی شرط پر امن دے چکے، اب کیا جھگڑا رہا، سب کو حیرت ہوئی کہ امن کس نے دیا؟ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگون سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھدیا ہے، حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا کہ ایک غلام کی خود رائی حجت نہین ہوسکتی، شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہین جانتے، بالآخر دربار خلافت سے استصواب کیا گیا تو حکم ہوا کہ مسلمانون کا غلام بھی مسلمان ہے، اور جس کو اس نے امان دیدی تمام مسلمان امان دے چکے[2] اس شہر کی فتح نے تمام خوزستان مین اسلام کا سکہ بٹھادیا اور اس طرح نہ صرف فتوحات کی فہرست مین ایک نئے ملک کا اضافہ ہوا، بلکہ بصرہ جہان حضرت ابو موسیٰؓ عہدۂ

[1] طبری ص ۲۵۵۵ [2] ایضاً ص ۲۵۶۸،

امارت پر سرفراز تھے) دشمنون سے بالکل محفوظ ہوگیا،

معرکۂ نہاوند | خوزستان کی شکست سے متاثر ہو کر ۲۱ھ مین ایرانیون نے نہاوند مین ایک آخری اور فیصلہ کن جنگ کی تیاریان کین، حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے روانہ فرمایا اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ بصرہ سے ان کو مدد پہنچائین، چنانچہ وہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ خود کمک لے کر گئے اور نہاوند فتح کر کے واپس آئے[1]،

تبادلہ | بصرہ کی کثرتِ آبادی کے لحاظ سے اس صوبہ کا رقبہ نہایت مختصر تھا، اس بنا پر اہلِ بصرہ نے حضرت ابوموسیٰؓ کی وساطت سے دربارِ خلافت مین یہ درخواست پیش کی کہ خوزستان کے مفتوحہ علاقہ مین سے رامہرمز، ایذج اور ماہ یا ماسپندان کے اضلاع بصرہ سے ملحق کر دیئے جائین، لیکن اہلِ کوفہ اس علاقہ کی فتح مین برابر کے شریک تھے، انھون نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی اور حضرت عمار بن یاسرؓ والیِ کوفہ سے درخواست کی کہ وہ اس علاقہ کو کوفہ مین شامل کرنے کی کوشش کرین، لیکن حضرت عمارؓ نے اس معاملہ مین بالکل غیر جانب داری اختیار کر لی، اور فرمایا کہ "مجھے ان جھگڑون مین پڑنے کی کیا ضرورت ہے"،

غرض حضرت ابوموسیٰؓ کی تحریک پر یہ اضلاع بصرہ سے ملحق کر دیئے گئے، اور اہلِ کوفہ نے حضرت عمار بن یاسرؓ سے ناخوش ہو کر مسلسل شکایتون کے بعد ان کو معزول کرا دیا، حضرت عمرؓ نے کوفہ والون سے پوچھا کہ تم کس کو اپنا والی بنانا چاہتے ہو؟ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جس خوش اسلوبی کے ساتھ بصرہ والون کی حمایت کی تھی، اس کے لحاظ سے انھون نے حضرت ابوموسیٰؓ کا نام لیا، چنانچہ وہ ان کی درخواست پر ۲۲ھ مین بصرہ سے کوفہ تبدیل کر دیئے گئے،

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۶۰۱،

لیکن ایک ہی سال کے بعد یعنی ۲۳ھ مین پھر بصرہ منتقل کیے گئے،[1]

الزام اسی سال ضبہ نام ایک شخص نے حضرت ابو موسیٰؓ کے خلاف دربارِ خلافت مین حسب ذیل شکایتین پیش کین،

(۱) ابو موسیٰ نے اسیرانِ جنگ مین سے ساٹھ رئیس زادے چھانٹ کر اپنے لئے رکھے ہین،

(۲) انھون نے عنانِ حکومت زیاد بن سمیہ کو سپرد کر دی ہے، اور وہی سیاہ و سپید کا مالک ہے،

(۳) انھون نے حطیہ شاعر کو ایک ہزار انعام دیا ہے،

(۴) عقیلہ نام ان کی ایک لونڈی ہے جس کو دونون وقت نہایت عمدہ غذائین بہم پہنچائی جاتی ہین، حالانکہ اس قسم کی غذا عام مسلمانون کو میسر نہین،

حضرت عمرؓ نے ان تمام شکایتون کو اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا، اور حضرت ابو موسیٰؓ کو دار الخلافہ طلب کر کے باضابطہ تحقیقات کی، چنانچہ پہلا الزام غلط ثابت ہوا، دوسرے الزام کا انھون نے یہ جواب دیا کہ زیاد صاحبِ تدبیر و سیاست ہے، اس لئے مین نے اس کو اپنا مشیر کار بنایا ہے، حضرت عمرؓ نے زیاد کو بلا کر کے امتحان لیا تو حقیقت مین قابل آدمی تھا، اس لئے انھون نے خود حکامِ بصرہ کو ہدایت کی کہ زیاد کو مشیرِ کار بنائین، تیسرے الزام کے جواب مین حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا کہ حطیہ کو مین نے اپنے جیب خاص سے انعام دیا ہے کہ وہ میری ہجو نہ کہے، لیکن چوتھے الزام کا وہ کوئی جواب نہ دے سکے، حضرت عمرؓ نے معمولی فہمائش کے بعد ان کو رخصت کر دیا،[2]

فتحِ اصفہان حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اسی سال یعنی ۲۳ھ مین اصفہان پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر کے اسلامی ممالکِ محروسہ مین داخل کر دیا،[3]

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۶۷۰، [2] ایضاً ص ۲۷۱۱، [3] ایضاً ص ۲۷۱۳،

اصفہان فتح کرکے واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو اسی سال بصرہ سے کوفہ کی گورنری پر منتقل کردیا، لیکن کچھ دنوں کے بعد ہی وہ پھر بصرہ تبدیل ہوکر آگئے،

تعمیر نہر ابی موسیٰ

بصرہ میں لوگوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی، دربار خلافت میں اس کی شکایت پہنچی تو حکم آیا کہ دریائے دجلہ سے نہر کاٹ کر لائی جائے، وہ شہر سے تقریباً دس میل دور تھا، لیکن اس کی ایک شاخ صرف چھ میل پر واقع تھی، حضرت ابوموسیٰؓ نے خود مستعد ہوکر اس شاخ سے شہر بصرہ تک ایک نہر کھدوائی جو اب تک "نہر ابی موسیٰ" کے نام سے مشہور ہے،

اخیر ذی الحجہ ۲۳ھ میں خلیفہ دوم نے شہادت پائی اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھا، اس انقلاب میں عہد فاروقی کے اکثر عمال وحکام ایک ہی سال کے بعد سبکدوش ہوگئے، لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ۲۹ھ تک بصرہ میں عہدۂ امارت کے فرائض انجام دیتے رہے، بیان کیا جاتا ہے کہ خود حضرت عمرؓ نے ان کو چار سال تک برقرار رکھنے کی وصیت فرمائی تھی،[1]

معزولی

۲۹ھ میں کردوں نے بغاوت کردی، حضرت ابوموسیٰؓ نے مسجد میں ان کے خلاف جہاد کا وعظ کہا، اور راہ خدا میں پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کئے، اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے مجاہدین جن کے پاس گھوڑے موجود تھے وہ بھی پیادہ پا چلنے پر تیار ہوگئے، لیکن حضرت ابوموسیٰؓ کے چند مخالفین نے کہا کہ ہم کو جلدی نہ کرنا چاہئے، دیکھیں ہمارا والی کس شان سے چلتا ہے، غرض صبح کے وقت دارالامارت کے قریب مجاہدین کا مجمع ہوا، حضرت ابوموسیٰؓ گھوڑے پر سوار ہوکر برآمد ہوئے، لوگوں نے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور اس پر اعتراض کیا،

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۶۳،

ظاہر ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رض کا مقصد یہ نہ تھا کہ جن کے پاس گھوڑے موجود ہوں وہ راہ خدا میں ان سے کام نہ لیں لیکن درحقیقت خلیفہ سوم رض کے عہد خلافت کا نصف اخیر فتنہ اور سازش کا دور تھا، مفسدہ پردازوں نے اسی وقت دار الخلافہ کی راہ لی اور دربار خلافت سے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا، چنانچہ حضرت عثمان رض نے ان کو معزول کر کے ایک کمسن نوجوان عبداللہ بن عامر کو اس منصب پر مامور فرمایا،[1]

امارت کوفہ ۳۴ھ میں اہل کوفہ کی درخواست پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رض پھر سعید بن العاص رض کی جگہ کوفہ کے والی مقرر کئے گئے، لیکن یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام دنیائے اسلام پر آشوب تھی، اور ملک میں ہر طرف سازش وفتنہ پردازی کا بازار گرم تھا، چونکہ حضرت ابوموسیٰ رض کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی یاد تھی، اس لئے ان کو یقین تھا کہ عنقریب ہولناک خانہ جنگیوں کا سلسلہ شروع ہوگا، وہ عموماً اپنے وعظ میں اہل کوفہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی سناتے اور اس آنے والے دور فتنہ سے کنارہ کش رہنے کی ہدایت فرماتے تھے، چنانچہ ۳۵ھ میں حضرت عثمان رض کی شہادت اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مسند نشینی کے بعد وہ خطرہ بالکل سر پر آگیا،

خانہ جنگی سے اجتناب حضرت عائشہ رض، حضرت طلحہ رض اور حضرت زبیر رض نے خلیفۂ ثالث رض کے قصاص اور مطالبۂ اصلاح کا علم بلند کر کے بصرہ کا رخ کیا، حضرت علی رض ان کے مقابلہ کے لئے مدینہ سے چلکر مقام ذی قار میں آئے اور حضرت امام حسن رض کو حضرت عمار بن یاسر رض کے ساتھ کوفہ بھیجا کہ وہاں لوگوں کو خلافت کی اعانت پر آمادہ کریں، حضرت امام حسن رض کوفہ پہنچے تو اس وقت حضرت ابوموسیٰ اشعری رض مسجد میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے تقریر کر رہے تھے کہ "سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

[1] تاریخ طبری ص ۲۸۲۸،

نے جس فتنہ کا خوف دلایا تھا وہ اب سر پر ہے، اس لئے اسلحہ بیکار کردو اور عزلت نشین ہوکر بیٹھ جاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فتنہ وفساد کے زمانہ میں سونے والا بیٹھنے والے سے، اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے[1]، اسی اثنا میں حضرت امام حسن رضی داخل مسجد ہوئے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی سے مخاطب ہوکر کہا، "آپ ابھی ہماری مسجد سے نکل جائیے،" وہ نہایت سکون و خاموشی کے ساتھ منبر سے اتر آئے، اور ملک شام کے ایک غیر معروف گاؤں میں جاکر گوشہ نشین ہوگئے،

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی نے اہل کوفہ کو بارہا جس خطرہ سے آگاہ کیا تھا، اس کو انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، جنگِ جمل میں عرب کے ہزاروں گھر بے چراغ ہوگئے، اور میدانِ صفین میں حضرت علی رضی اور امیر معاویہ رضی کی باہمی آویزش نے بیشمار مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہادیا،

حکم مقرر ہونا | معرکۂ صفین میں جب امیر معاویہ رضی کے حامیوں نے حریف کا پلہ بھاری دیکھا، تو اپنے نیزوں پر دمشق کا مصحفِ اعظم بلند کرکے عجیب وغریب طریقہ پر مصالحت کی دعوت دی، گو جناب امیر رضی اس پر راضی نہ تھے تاہم قرآن کی دعوت کا رد کرنا آسان نہ تھا، خود آپ کی فوج میں پھوٹ پڑ گئی، انجام کار تمام ما بہ النزاع امور کا فیصلہ طرفین کے دو ثالث پر محول ہوا، امیر معاویہ رضی نے اپنی طرف سے حضرت عمرو بن العاص رضی کو حکم مانا اور حضرت علی رضی کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی کا انتخاب ہوا، دومۃ الجندل مقام اجلاس قرار پایا، اور دونوں حکم ایک مقررہ تاریخ پر مجتمع ہوئے، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی ایک نہایت نکتہ رس اور معاملہ فہم بزرگ تھے انھوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اور عمرو بن العاص رضی سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کرکے ان کی رائے کا اندازہ کیا، تو ان کو یقین ہوگیا کہ یہ دونوں کسی امر پر متفق نہیں ہو سکتے، کیونکہ اگر ایک طرف کمال

[1] بخاری کتاب الفتن،

غیرجانبداری وبے لوثی ہے تو دوسری طرف شدید خود غرضی ویاسداری،

غرض دونون حکم باہم مشورہ کے لئے گوشۂ خلوت مین مجتمع ہوئے، حضرت ابوموسیٰ رضؓ نے محض بے لوثی کے ساتھ صرف مسلمانون کی فلاح وبہبود کے خیال سے اس عہدہ کو قبول کیا تھا، ان کی رائے تھی کہ عنانِ خلافت کسی غیرجانبدار کے ہاتھ مین دیدی جائے تو اس خانہ جنگی کا دروازہ خود بخود بند ہوجائے گا، چنانچہ دونون مین حسب ذیل گفتگو ہوئی،

ابوموسیٰ رضؓ :۔ عمرو! تم ایک ایسی رائے کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو جس سے خدا کی خوشنودی اور قوم کی بہبودی دونون میسر آئے؟

عمرو بن العاص رضؓ :۔ وہ کیا ہے؟

ابوموسیٰ رضؓ :۔ عبداللہ بن عمر کو منصبِ خلافت پر متمکن کرنا چاہیئے، کیونکہ انھون نے ان خانہ جنگیون مین کسی طرح حصہ نہین لیا ہے،

عمرو بن العاص رضؓ :۔ معاویہ مین کیا خرابی ہے؟ آپ جانتے ہین کہ عثمان رضؓ مظلوم شہید ہوئے، معاویہ ان کے قصاص کے دعویدار ہین، ام المومنین ام حبیبہ رضؓ ان کی بہن ہین، اور خود ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا شرف حاصل ہے،

ابوموسیٰ رضؓ :۔ معاویہ کے جن فضائل کا تم نے تذکرہ کیا وہ استحقاقِ خلافت کے لئے کافی نہین، اگر فضل وشرف ہی پر معیار ہو تو علی رضؓ سے بڑھ کر کون ہے، رہا قصاص کا دعویٰ تو اس کے لئے معاویہ کو خلافت کے معاملہ مین مہاجرین اولین پر ترجیح نہین دیجا سکتی، ہان اگر تم مجھ سے اتفاق کرو، تو فاروقِ اعظم رضؓ کا عہد لوٹ آئے، اور فاضل وعالم عبداللہ اپنے باپ کی یاد پھر تازہ کردے،

عمرو بن العاص رضؓ :۔ میرے لڑکے عبداللہ پر آپ کی نظرِ انتخاب کیون نہین پڑتی؟

فضل ومنقبت مین تو وہ بھی کچھ کم نہیں،،

ابوموسیٰؓ:۔ "بیشک وہ صاحبِ فضل ومنقبت ہین، لیکن ان خانہ جنگیون مین شریک کر کے تم نے ان کے دامن کو بھی داغدار کر دیا ہے، برخلاف اس کے طیب بن الطیب عمرؓ کے بیٹے عبداللہؓ کا لباسِ تقویٰ تمام دھبون سے محفوظ ہے،

عمرو بن العاصؓ:۔ "ابوموسیٰ! اس منصب کی صلاحیت صرف اسی مین ہو سکتی ہے جس کے دو داڑھ ہون، ایک سے کھائے اور دوسرے سے کھلائے،

ابوموسیٰؓ:۔ "عمرو! تمھارا برا ہو، شدید کشت وخون کے بعد مسلمانون نے ہمارا دامن پکڑا ہے، اب ہم ان کو پھر فتنہ وفساد مین مبتلا نہین کرین گے"،

عمرو بن العاصؓ:۔ "پھر آپ کی کیا رائے ہے؟

ابوموسیٰؓ:۔ "ہمارا خیال ہے کہ علی اور معاویہ دونون برطرف کئے جائین، اور مسلمانون کی مجلسِ شوریٰ کو پھر نئے سرے سے اختیار دیا جائے کہ وہ جس کو چاہے منتخب کرے

عمرو بن العاصؓ:۔ "مجھے بھی اس سے اتفاق ہے،

اس قرارداد کے بعد دونون ایک دوسرے سے جدا ہوئے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس آکر کہا "خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ عمرو نے آپ کو دھوکا دیا ہوگا، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان مین سبقت نہ کیجئے گا، کیا عجب ہے کہ وہ آپ کی مخالفت کر بیٹھین، حضرت ابوموسیٰؓ نہایت نیک طینت بزرگ تھے، انھین دنیا کی فریب کاریون کی کیا خبر تھی، بولے "ہم دونون ایک ایسی رائے پر متفق ہوئے ہین کہ اس مین اختلاف کی گنجائش ہی نہین"، غرض دوسرے روز مسجد مین مسلمانون کا مجمع ہوا، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے عمرو بن العاصؓ سے فرمایا کہ "منبر پر چڑھ کر فیصلہ سنا دو"، بولے "مین آپ پر سبقت

نہیں کرسکتا، آپ فضل ومنقبت اور سن وسال میں مجھ سے افضل اور بڑے ہیں"۔ حضرت ابوموسیٰؓ پر ان کا یہ افسون چل گیا، وہ بغیر سوچے سمجھے کھڑے ہوگئے اور حمد وثنا کے بعد فرمایا "صاحبو! ہم نے علی اور معاویہ دونوں کو معزول کیا اور پھر نئے سرے سے مجلسِ شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا، وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے"۔ ابوموسیٰؓ اپنا فیصلہ سنا کر اتر آئے تو عمرو بن العاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا، "صاحبو! علی کو ابوموسیٰ کی طرح میں بھی معزول کرتا ہوں، لیکن معاویہ کو اس منصب پر برقرار رکھتا ہوں، کیونکہ وہ امیر المومنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں"۔

حضرت ابوموسیٰؓ نہایت متقی، پرہیزگار اور نیک نفس بزرگ تھے، اس خلاف بیانی سے ششدر رہ گئے، چلا کر کہنے لگے، "یہ کیا غداری ہے؟ یہ کیا بے ایمانی ہے؟ سچ یہ ہے کہ تمہاری حالت بالکل اس کتے کی طرح ہے جس پر بوجھ لادو جب بھی ہانپتا ہے اور چھوڑ دو جب بھی ہانپتا ہے (انما مثلک کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث الآیہ)۔ عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا، اور آپ پر چار پائے بر وکتابے چند کی مثل صادق آتی ہے، (مثلک کمثل الحمار یحمل اسفارا)

وفات حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو اپنے فریب کھا جانے پر اس قدر ندامت ہوئی کہ وہ اسی وقت مکہ معظمہ روانہ ہوگئے اور پھر کسی چیز میں حصہ نہ لیا، وفات کے سنہ اور مقام میں مختلف روایتیں ہیں، بعض لوگ ان کی وفات کا مقام مکہ بتاتے ہیں، اور بعض کوفہ، لیکن مرجح مکہ کی روایت ہے، بہرحال باختلافِ روایت سنہ ۴۲ھ، ۴۴ھ، ۴۹ھ، ۵۰ھ، ۵۲ھ، ۵۳ھ میں بیمار پڑے، اور بروایت صحیحہ ذی الحجہ سنہ ۴۴ھ میں وفات پائی،[۱] آخر وقت تک احکام نبوی کا لحاظ رہا، جب حالت زیادہ

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۲۱،

نازک ہوئی اور غشی طاری ہوگئی، تو جس عورت کی گود میں سر تھا اس نے گریہ وزاری شروع کردی، اس وقت بولنے کی طاقت نہ تھی، ہوش آیا تو کہا جس چیز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برات کی ہے، اس سے میں بھی بری ہوں، جیب وگریبان پھاڑنے والی، نوحہ وبکا کرنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورتوں سے آپ نے برات ظاہر کی ہے،[۱]

اس کے بعد کفن ودفن وغیرہ کے متعلق ضروری وصیتیں کیں کہ جنازہ تیز چال سے لے چلنا جنازہ کے ساتھ انگیٹھی نہ لے چلنا، لحد اور میری میت کے درمیان کوئی مٹی روکنے والی چیز نہ رکھنا، قبر پر کوئی عمارت نہ بنانا، اور میں نوحہ وبین کرنے والی، جیب وگریبان چاک کرنے والی اور سر نوچنے والی عورتوں سے بری ہوں،[۲] وصیت سے فراغت ہوئی کہ طائر روح قفسِ عنصری سے پرواز کرکے اپنے اصلی نشیمن میں پہنچ گیا، وفات کے وقت ۶۱ سال کی عمر تھی،

حلیہ پستہ قد اور لاغر اندام تھے،

اولاد وفات کے بعد متعدد نسلی یادگاریں چھوڑیں، نام یہ ہیں، ابراہیم، ابوبکر، ابوبردہ، موسیٰ،[۳]

ذریعۂ معاش ابتدا میں تنگدستی کی زندگی تھی، لیکن پھر فارغ البالی کا دور آیا، متعدد مہیں ان کی افسری میں سر ہوئیں، مدتوں تک مختلف ممالک کے گورنر رہے، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں دوسرے مہاجرین کے ساتھ ان کا وظیفہ بھی مقرر کیا، غرض اطمینان اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے تھے،

---

[۱] مسلم کتاب الایمان باب تحریم ضرب الخدود وشق الجیوب [۲] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ص ۳۹۶ [۳] تہذیب التہذیب جلد ۵ص ۳۶۳،

فضل و کمال

حضرت ابوموسیٰ رض ان مخصوص صحابہ رض مین تھے جن کو بارگاہِ رسالت مین خاص تقرب اور شرفِ پذیرائی حاصل تھا، اس لئے وہ نبوت کے چشمۂ فیض سے پوری طرح سیراب تھے، وہ ان چھ آدمیون مین سے ایک تھے، جن کو خود عہد رسالت مین مسائل کے جواب اور فتویٰ دینے کی اجازت تھی،[1]

اسود تابعی کا بیان ہے کہ مین نے کوفہ مین حضرت علی رض اور حضرت ابوموسیٰ رض سے زیادہ کسی کو صاحبِ علم نہین دیکھا، حضرت علی رض فرماتے تھے کہ "ابوموسیٰ سرتا پا علم کے رنگ مین رنگے ہوئے ہین"[2]

اہلِ علم سے اکثر ان کی علمی صحبتین اور علمی بحثین رہتی تھین جس نے ان کے علم کو اور چمکا دیا تھا، یون تو ان کے علمی احباب کا حلقہ بہت وسیع تھا، مگر ان مین حضرت عبداللہ بن مسعود رض اور معاذ بن جبل رض سے خاص طور سے وہ علمی گفتگو کرتے تھے، اور کبھی کبھی یہ گفتگو نیک نیتی کے ساتھ بحث ومناظرہ تک پہنچ جاتی، اور جب تک مسئلہ کی پوری تنقیح نہ ہو جاتی برابر جاری رہتی،

ایک مجلس مین تیمم کا مسئلہ چھڑا، حضرت ابوموسیٰ رض نے عبداللہ بن مسعود رض سے پوچھا اگر کسی کو نہانے کی ضرورت پیش آجائے، اور اس کو ایک مہینہ تک پانی نہ ملے، تو کیا تیمم کر کے نماز پڑھ لے؟ حضرت عبداللہ رض نے کہا نہین، خواہ ایک مہینہ تک پانی نہ ملے جب بھی تیمم نہ کرے، حضرت ابوموسیٰ رض نے کہا تو پھر سورۂ مائدہ کی اس آیت کے متعلق کیا کہتے ہو؟

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۲۱ [2] ایضاً ص ۲۰،

فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیدا طیبا — پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو،

حضرت عبداللہؓ نے کہا، اگر لوگوں کو تیمم کی اجازت دیدی جائے تو سردیون کے موسم مین جب پانی ٹھنڈا لگتا ہے لوگ تیمم ہی پر اکتفا کرنے لگین گے" اس پر شقیق (راوی) بولے وہ کیا صرف اس خطرہ سے آپ تیمم کو برا سمجھتے ہین حضرت عبداللہؓ نے کہا ہان حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا، تم نے عمار کا وہ واقعہ جس کو انھون نے حضرت عمرؓ سے بیان کیا تھا نہین سنا، کہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے لئے بھیجا تھا، اتفاق سے ان کو راہ مین غسل کی ضرورت پیش آگئی، اور پانی نہ ملا تو انھون نے جانور کی طرح زمین پر لوٹ کر تیمم کیا، اور واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا، آپنے ان کو تیمم کا طریقہ بتا کر فرمایا کہ اس قدر کافی تھا، اس پر عبداللہؓ نے کہا مگر شاید آپ کو یہ نہین معلوم کہ حضرت عمرؓ نے اس واقعہ کو کافی نہ سمجھا"[1]

ایک مرتبہ دونون مین حدیث کا مذاکرہ ہو رہا تھا، حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے قریب علم اٹھ جائے گا، جہالت کا دور دورہ ہوگا، اور قتل وغارت کی گرم بازاری ہوگی"[2]

اشاعتِ علم — علم کی اشاعت اور اس سے دوسرون کو فائدہ پہنچانے کی وہ پوری کوشش کرتے تھے، ان کا اصول یہ تھا کہ جو کچھ کسی کو معلوم ہو اس سے دوسرون کو فائدہ پہنچانا اس کا فرض ہے، ایک مرتبہ خطبہ مین لوگون سے خطاب کر کے کہا کہ "جس شخص کو خدا علم دے، اس کو چاہئے کہ اپنے دوسرے بھائیون کو بھی اس کی تعلیم دے، اسی کے ساتھ جو اس کو معلوم نہ ہو، اس کے متعلق ہرگز ایک لفظ بھی وہ اپنی زبان سے نہ نکالے"[3]

ان کے درس کے طریقے مختلف تھے، مستقل حلقۂ درس کے علاوہ کبھی کبھی وہ لوگون

[1] بخاری کتاب التیمم باب التیمم ضربۃ [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۲ [3] ابن سعد جزو ۴ قسم اول ص ۱۰۸

کو جمع کرکے خطبہ دیتے، ایک مرتبہ خطبہ دیا،

"لوگو! شرک سے بچنے کی کوشش کرو کہ یہ چیونٹی کی چال سے زیادہ غیر محسوس ہے[1]"

جہان کہین چند آدمی ایک جگہ ان کو اکٹھا مل جاتے، ان کے کانون تک وہ کوئی نہ کوئی حدیث ضرور پہنچا دیتے، ایک دفعہ بنو ثعلبہ کے چند آدمی کہین جا رہے تھے، ان کو راہ مین ایک حدیث سنادی،[2]

اصفہان کی مہم سے واپس ہوتے وقت ایک جگہ پڑاؤ کیا، کافی مجمع تھا، کہا مین تم لوگون کو ایک حدیث سنانا چاہتا ہون جو ہم لوگون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنائی تھی، لوگون نے کہا خدا آپ پر رحم کرے ضرور سنایئے، بولے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے قرب مین "ہرج" زیادہ ہوگا، لوگون نے پوچھا، "ہرج" کیا؟ کہا قتل اور جھوٹ، لوگون نے کہا کیا اس سے بھی زیادہ قتل ہوگا، جتنا ہم لوگ کرتے ہین؟ فرمایا اس سے مقصد کفار کا قتل نہین ہے، بلکہ باہمی خونریزی ہے، حتی کہ پڑوسی پڑوسی کو، بھائی بھائی کو، بھتیجا چچا کو، اور چچا بھتیجے کو قتل کرے گا، لوگون نے کہا سبحان اللہ عقل و ہوش رکھتے ہوئے؟ کہا عقل و ہوش کہان عقل و ہوش تو اس زمانہ مین باقی نہ رہے گا، حتی کہ آدمی خیال کرے گا کہ وہ کسی (حق) بات پر ہے، لیکن درحقیقت وہ کسی (حق) بات پر نہ ہوگا، یہ حدیث سنا کر بولے کہ ہم مین تم مین سے کوئی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی سے نہ نکل سکے گا، اس سے نکلنے کی صرف یہ صورت ہے کہ ہم بلا کچھ کئے ہوئے اس طریقہ سے پاک و صاف نکل جائین جس طرح اس مین شریک ہوئے تھے،[3]

حضرت ابو موسی کے تعلیم دینے کا طریقہ نہایت نرم تھا، اگر کبھی کوئی شخص نادانی سے بھی کوئی اعتراض کرتا، تو خفا ہونے کے بجائے نہایت نرمی سے اس کو سمجھا دیتے، عبداللہ الرقاشی

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۰۳، [2] ایضاً ص ۴۰۱، [3] ایضاً ص ۴۰۶،

روایت کرتے ہین کہ "مین ایک مرتبہ ابوموسیٰؓ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، وہ قعدہ مین تھے کہ کسی نے زور سے ایک ایسا فقرہ کہا جو مسنون دعاؤن مین سے نہ تھا، ابوموسیٰؓ نماز ختم کر چکے، تو پوچھا یہ کس نے کہا تھا، لوگ خاموش رہے، پھر پوچھا فلان بات کس نے کہی تھی، لوگ پھر چپ رہے تو بولے حطان شاید تم نے کہا ہوگا، انھون نے کہا مین نے نہین کہا، مجھ کو پہلے ہی خطرہ تھا کہ آپ مجھ ہی پر ڈانٹ ڈپٹ کرین گے، اتنے مین ایک شخص نے اقرار کیا کہ مین نے کہا اور اس سے میرا مقصد بدنیتی نہ تھی، بلکہ بھلائی تھی، ابوموسیٰؓ نے کسی قسم کی ترش روئی کے بغیر مسنون نماز کا پورا طریقہ بتادیا،[۱]

قرآن پاک قرآن پاک اسلام کے تمام علوم و معارف کا سرچشمہ ہے، اس کے ساتھ حضرت ابوموسیٰؓ کو غیر معمولی شغف و انہماک تھا، فرصت کا سارا وقت قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیم مین صرف ہوتا، یمن کی گورنری کے زمانہ مین معاذ بن جبلؓ اکثر ان سے ملنے آتے، اور دیر تک علمی صحبت رہتی، ایک مرتبہ انھون نے پوچھا، آپ قرآن کس طرح تلاوت کرتے ہین، بولے رات دن مین جب موقع مل جاتا ہے تھوڑا تھوڑا کرکے پڑھ لیتا ہون،[۲]

قرآن نہایت خوش الحانی سے پڑھتے تھے، یہ اس قدر خوش گلو اور شیرین آواز تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ "ان کو لحن داؤدی سے حصہ ملا ہے"[۳] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا قرآن پڑھنا بہت پسند تھا، جہان ان کو قرأت کرتے ہوئے سنتے کھڑے ہو جاتے، ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ کہین تشریف لئے جا رہے تھے، ابوموسیٰؓ کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا، وہین کھڑے ہو گئے اور سنکر آگے بڑھے، صبح کو جب ابوموسیٰؓ حاضر ہوئے، تو فرمایا کہ ابوموسیٰ کل تم قرآن پڑھ رہے تھے، ہم نے تمھاری قرأت سنی تھی، عرض کیا اے

---

[۱] مسلم کتاب الصلوٰۃ باب التشہد فی الصلوٰۃ [۲] بخاری [۳] ابن سعد جز ۴ قسم اول ص ۸۰،

خدا کے رسول اگر مجھکو حضور کی موجودگی کا علم ہوتا، تو مین آواز مین اور دلکشی پیدا کرتا،[1]

ایک مرتبہ مسجد نبوی مین بلند آواز سے عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے، آواز سنکر ازواج مطہرات رضؓ اپنے اپنے حجرون مین پردون کے پاس آکر کھڑی ہو کر سننے لگین، صبح کو جب ان کو اطلاع ہوئی تو کہا اگر اس وقت مجھکو معلوم ہو جاتا تو مین ان کو قرآن کا اس سے بھی زیادہ مشتاق بنا دیتا،[2]

ابو عثمان نہدی بیان کرتے تھے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے، ان کی آواز اتنی سریلی اور دلکش ہوتی تھی کہ چنگ و بربط مین بھی وہ دلکشی نہین،[3]

کبھی کبھی حضرت عمرؓ فرمایش کرتے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ خدا کی یاد دلاؤ، یہ قرآن پڑھ کر سناتے، ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے انس بن مالکؓ کو حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا، انھون نے پوچھا، ابو موسیٰ کا کیا حال ہے، کہا لوگون کو قرآن پڑھاتے ہین، فرمایا وہ بلند مرتبہ آدمی ہین، مگر اس کو ان کے سامنے نہ کہنا،[4]

ان کی غیر معمولی قرأت دانی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور عالم قرآن حضرت معاذ بن جبلؓ کے ساتھ ان کو بھی نو مسلمون کی تعلیم قرآن کیلئے یمن بھیجا تھا،[5]

حدیث — قرآن کے ساتھ ان کو حدیث کے علم سے بھی وافر حصہ ملا تھا، حفظ حدیث کے اعتبار سے وہ اپنے معاصرون مین امتیازی پایہ رکھتے تھے، کوفہ مین مستقل حلقۂ درس تھا جس سے بڑے بڑے ارباب کمال پیدا ہوئے، ان کے نام آیندہ آئین گے، ان کی مرویات کی تعداد ۳۶۰ تک پہنچتی ہے، ان مین ۵۰ متفق علیہ ہین، ان کے علاوہ ۴ بخاری اور ۲۵ مسلم مین ہین،[6]

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۶۶ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ۴ ص ۸۰، [3] ایضاً، [4] ایضاً، [5] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۷، [6] تہذیب الکمال،

ان میں سے اکثر روایات خود صاحب حدیثؐ کی زبان سے سنی ہوئی ہیں، ان کے بعد پھر حضرت ابوبکر، عمر، علی، ابن عباس، ابی بن کعب، عمار بن یاسر، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے روایتیں کی ہیں، تلامذہ کی تعداد بھی کافی ہے، مختصر فہرست یہ ہے،

ابراہیم، ابوبکر، ابوبردہ، موسیٰ، انس بن مالکؓ، ابوسعید خدریؓ، طارق بن شہاب، ابو عبدالرحمن سلمی، زر بن جبیش، زید بن وہب، عبید بن عمیر، ابوالاحوص، عوف بن مالک، ابو الاسود دیلی، سعید بن مسیب، ابوعثمان نہدی، قیس بن ابی حازم، ابورافع صائغ، ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود، مسروق بن اوس حنظلی، ہزیل بن شرجیل، مرہ بن شرجیل، اسود بن یزید، عبدالرحمن بن یزید، حطان بن عبداللہ رقاشی، ربعی بن خراش، زہدم بن مضرب، ابووائل شقیق ابن سلمہ، صفوان بن محرز وغیرہم،[1]

اس فضل وکمال کے باوجود ان کو اپنی غلطی اور دوسروں کے کمال کے اعتراف میں بخل نہ تھا، ایک مرتبہ کسی نے لڑکی پوتی اور بہن کی وراثت کے متعلق فتویٰ پوچھا، انھوں نے جواب دیا لڑکی اور بہن کو نصف نصف ملے گا، مستفتی نے جاکر یہ جواب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو سنایا اور ان سے بھی فتویٰ دریافت کیا، انھوں نے کہا، اگر میں اس کی تائید کروں تو گمراہ ہوں، میں اس مسئلہ میں وہی فیصلہ کروں گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے، لڑکی کو آدھا ملے گا، پوتی کو دوتہائی پورا کرنے کے لئے چھٹا حصہ ملے گا، باقی جو بچے گا وہ بہن کا حصہ ہے، مستفتی نے یہ جواب جاکر ابوموسیٰؓ کو سنایا، انھوں نے کہا جب تک یہ عالم تم میں موجود ہے اس وقت تک مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں،[2]

[1] تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۶۳،

[2] بخاری کتاب الفرائض باب میراث ابنہ ابن مع ابنۃ،

اخلاق وعادات

خشیتِ الٰہی اور رقتِ قلب مذہب کی روح ہے، حضرت ابوموسیٰؓ مین یہ دونون وصف موجود تھے، خود بھی روتے اور دوسرون کو بھی رُلاتے، بصرہ کے قیام کے زمانہ مین ایک مرتبہ خطبہ دیا، کہ "لوگو! خوب روؤ اگر نہ رو سکتے ہو تو کم از کم رونی صورت بناؤ کیونکہ دوزخی (جنھون نے دنیا ہنس کر گذاری) اس قدر روئین گے کہ آنسو خشک ہو جائین گے، پھر خون کے آنسو روئین گے، آنسوون کی فراوانی کا یہ حال ہوگا کہ اگر اس مین کشتیان چلائی جائین تو بہ نکلین"[1]۔

اتباع سنت | ابوموسیٰؓ کی پوری زندگی حیات نبوی کا آئینہ تھی، وہ کوشش کرتے تھے کہ ان کی نقل وحرکت، قول وفعل بلکہ ہر ہر ادا اداتِ نبویؐ کا نمونہ بن جائے، ایک موقعہ پر انھون نے اپنی حرص کا ان الفاظ مین ذکر کیا ہے،

ابومجلز راوی ہین کہ ایک مرتبہ ابوموسیٰؓ مکہ سے مدینہ آرہے تھے، راستہ مین عشاء کی نماز کا وقت آیا تو دو رکعت نماز پڑھی، پھر کھڑے ہو کر سورۂ نساء کی ۱۰۰ آیتین ایک رکعت مین پڑھین، لوگون نے اس پر اعتراض کیا، انھون نے کہا میری ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ جہان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم رکھا ہے وہین مین بھی قدم رکھون، اور جو کام آپ نے کیا ہے وہی مین بھی کرون[2]۔

رمضان کے روزون کے علاوہ نوافل کے روزے محض اس لئے رکھتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکھا کرتے تھے، عاشورہ کا روزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر رکھا کرتے تھے، یہ لوگون کو

---

[1] ابن سعد قسم اول جزو ۴ ص ۸۱ [2] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۴۱۹،

ہدایت کرتے کہ عاشورہ کا روزہ رکھو،

سنت سے لے کر مستحبات تک کی خود پابندی کرتے اور اپنے اہل وعیال سے پابندی کراتے

قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا مسنون ہے، حضرت ابوموسیٰؓ لڑکیون تک کو حکم دیتے تھے کہ وہ اپنے ہاتھ سے ذبح کرین[۱]

احکام نبوی کا لحاظ ہر آن وہر لمحہ رہتا تھا، کسی موقع پر فروگذاشت نہ ہونے پاتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا کہ جب کوئی شخص کسی کے یہان جائے تو اجازت لے کر گھر مین داخل ہو، اگر تین مرتبہ اجازت مانگنے پر بھی اجازت نہ دے، تو لوٹ جائے، حضرت ابوموسیٰؓ اس فرمان نبوی پر اس سختی سے عامل تھے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی، آپ غالباً کسی کام مین مشغول تھے، اس لئے کوئی توجہ نہ کی، انھون نے ۳ مرتبہ اجازت مانگی، پھر لوٹ آئے، دوسرے وقت حضرت عمرؓ نے کہا تم کیون واپس ہوگئے تھے، کہا مین نے تین مرتبہ اجازت مانگی، جب نہ ملی، تو لوٹ گیا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم کو ۳ مرتبہ اجازت مانگنے کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو لوٹ جانا چاہئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا، شاہد لاؤ تمھارے علاوہ کسی دوسرے نے بھی اس حکم کو سنا ہے، یہ گھبرائے ہوئے انصاری اصحاب کی مجلس مین آئے، ابی بن کعبؓ کو یہ حکم معلوم تھا انھون نے جاکر شہادت دی[۲]

یہی پاس ولحاظ زندگی کے آخر لمحہ تک رہا،

مرض الموت مین اپنے گھر کی کسی عورت کی گود مین سر رکھے ہوئے تھے، اسی حالت مین غشی طاری ہوگئی، عورت نے گریہ وزاری شروع کر دی، اس وقت تو بولنے کی طاقت نہ تھی، ہوش آیا تو کہا جس چیز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برائت ظاہر کی ہے، اس سے

۱؎ بخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح ذبیحۃ ۲؎ بخاری کتاب الاستیذان باب التسلیم والاستیذان ثلثاً،

ہین بھی بری ہون، جیب و گریبان پھاڑنے والی، نوحہ و بکا کرنے والی، سر نوچنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورتون سے آپنے برأت کی ہے،[1]

موت سے پہلے کفن و دفن وغیرہ کی وصیتون کے ساتھ ساتھ یہ بھی وصیت کی کہ کوئی میری موت پر نوحہ اور بین نہ کرے، جیب اور گریبان نہ چاک کرے، سر کو نہ نوچے، ان سب سے مین بری ہون،[2]

تقویٰ | ابو موسیٰ رض کا دامنِ عفاف کبھی معصیت کی آلودگیون سے داغدار نہ ہوا، وہ اس درجہ محتاط تھے کہ غیر عورتون کی ہوا تک لگنا گوارا نہ کرتے تھے، کہا کرتے تھے کہ عورتون کی لپٹ سے مجھکو سڑے ہوئے مردار کی عفونت زیادہ خوش آیند ہے،[3]

طہارت اور صفائی کے خیال سے ہمیشہ بشیشی مین پیشاب کرتے تھے کہ کوئی چھینٹ نہ پڑنے پائے، دوسرے صحابہؓ اس غیر ضروری شدت کو محسوس کرتے اور اس کا اظہار بھی کر دیتے تھے، حذیفہ نے لوگون سے کہا کہ کاش تمھارے ساتھی اتنا تشدد نہ کرتے،[4]

توکل | خدا کی ذات پر پورا اعتماد اور قضا و قدر پر پورا یقین تھا، چنانچہ وبائی مقامات سے الگ نہ ہوتے تھے، ایک مرتبہ طاعون کی وبا پھیلی، ابو بردہؓ نے کہا یہان سے ہٹ کر وابق چلے چلئے، کہا مین خدا کے پاس جاؤن گا، وابق نہ جاؤن گا،[5]

خدمتِ رسول | خطرناک سے خطرناک موقعون پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور آپ کی حفاظت کی سعادت حاصل کرتے تھے، کسی غزوہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، راستہ مین رات گذارنے کے لئے مجاہدین نے قیام کیا، جنگ کا زمانہ تھا، دشمن ہر وقت تاک مین

[1] مسلم کتاب الایمان باب تحریم ضرب الخدود و شق الجیوب [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۷، [3] ابن سعد جزو ۴ قسم اول ص ۸۳ [4] مسلم کتاب الطہارت باب المسح علی الخفین، [5] ابن سعد قسم اول جزو ۴ ص ۸۲،

رہتے تھے، اس خطرہ سے یہ رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے پاس پہنچے، اتفاق سے آپ موجود نہ تھے، یہ تلاش مین نکلے، راستہ مین ایک اور صحابی جو اسی نیت سے نکلے تھے، مل گئے، دونون آگے بڑھے، اتنے مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آتے ہوئے دکھائی دیئے، ان دونون نے عرض کیا کہ اس وقت آپ دشمن کی زمین مین ہین، آپکے متعلق ہر وقت خطرہ ہے، اس لئے جب آپ کو کوئی ضرورت پیش آیا کرے تو کسی کو حکم دیدیا کیجئے وہ ساتھ ہو جایا کرے[۱]،،

شرم وحیا الحیاء شعبة من الایمان، حضرت ابوموسیٰ رض مین ایمان کا یہ عنصر بہت غالب تھا، رات کو سوتے وقت خاص قسم کا کپڑا پہن لیتے تھے کہ نیند کی غفلت مین ستر نہ کھل جائے، ایک مرتبہ کچھ اشخاص کو دیکھا وہ پانی کے اندر ننگے نہا رہے ہین، تو بولے مجھکو بار بار مر کر زندہ ہونا پسند ہے مگر یہ فعل پسند نہین ہے[۲]،

سادگی حضرت ابوموسیٰ اشعری رض کی زندگی کے مختلف دور تھے، ابتدائی دور نہایت عسرت کا تھا، مگر جیسے جیسے اسلام کو فروغ ہوتا گیا، ان کی عسرت مین کمی آتی گئی، متعدد مہمین ان کی ماتحتی مین سر ہوئین، برسون تک مختلف صوبون کے حاکم رہے، لیکن ان دونون حالتون مین ان کی ظاہری زندگی مین کوئی فرق نہ آیا، نہ مال و دولت جمع کیا، نہ نخوت و رعونت پیدا ہوئی، گورنری کے بعد ایک مرتبہ مشہور صحابی حضرت ابوذر غفاری رض سے ملاقات ہوئی، ابوذر رض فقیر منش آدمی تھے، دنیا سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا، حضرت ابوموسیٰ رض بھائی بھائی کہتے ہوئے دوڑ کر لپٹ گئے، لیکن ابوذر رض بار بار یہ کہکر ہٹاتے تھے اب تم میرے بھائی نہین ہو اس منصب سے پہلے بھائی تھے، دوبارہ جب پھر ملاقات ہوئی تو پہلے کی طرح لپکے، انھون نے کہا ابھی ہٹے رہو، پہلے میرے سوالات کے جوابات دیدو، پھر پوچھا تم نے لوگون پر حکومت کی ہے؟ ابوموسیٰ رض نے کہا

---

[۱] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۱۵، [۲] ابن سعد قسم اول جزو ۴ ص ۸۲،

ہان، کہا عمارتین تو نہین بنوائین، زراعت تو نہین کی، جانور تو نہین پالے؟ انھون نے سب کی نفی کی تو پھر ان سے دل کھول کر ملے[1]

اسی خاکساری اور تواضع کی وجہ سے وہ اپنی مذہبی خدمات کا اظہار برا سمجھتے تھے، ابوبردہؓ روایت کرتے ہین کہ ابوموسیٰؓ کہتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم ۶ آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ مین نکلے، ان چھ مین صرف ایک اونٹ تھا، اسی پر سب باری باری سوار ہوتے تھے، پیادہ پا چلنے کی مشقت سے ہمارے پاؤن پھٹ پھٹ گئے اور ناخن گر گر گئے، تو ہم لوگون نے چیتھڑے لپیٹ لئے، اسی لئے اس غزوہ کو ذات الرقاع (چیتھڑے والا) کہتے ہین، راوی کا بیان ہے کہ ابوموسیٰ اشعریؓ اس واقعہ کو بیان تو کر گئے مگر بعد مین اتنے واقعہ کا اظہار بھی برا سمجھا،[2]

امت مسلمہ کی خیر خواہی امت مسلمہ کی خیر خواہی اور اس کا مفاد ہر وقت پیش نظر رہتا تھا، اس کے مقابلہ مین وہ بڑی سے بڑی منفعت کو ٹھکرا دیتے تھے، جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان کشمکش شروع ہوئی تو امیر معاویہؓ نے ان کے پاس لکھ بھیجا کہ عمرو بن العاص نے میری بیعت کر لی ہے، اگر تم بھی بیعت کر لو، تو مین حلفیہ وعدہ کرتا ہون کہ تمھارے ایک لڑکے کو بصرہ اور دوسرے کو کوفہ کی امارت پر سرفراز کر دون گا، اور تمھاری ضروریات کے لئے میرا دروازہ ہر وقت کھلا رہے گا، مین اپنے خاص قلم سے یہ خط لکھ رہا ہون، امید ہے کہ تم بھی اپنے دست و قلم سے اس کا جواب دوگے، اس خط کو پڑھکر انھون نے یہ جواب لکھا "تم نے امت محمدی کے بہت اہم اور نازک معاملہ کی بابت لکھا ہے، جو چیز تم نے میرے سامنے پیش کی ہے اس کی مجھ کو حاجت نہین ہے"[3]

---

[1] ابن سعد قسم اول جزو ۴ ص ۱۰۹، [2] مسلم کتاب الجہاد والسیر باب غزوہ ذات الرقاع [3] ابن سعد قسم اول جزو ۴ ص ۸۳،

جنگِ جمل اور جنگ صفین دونون مین غیر جانبدار رہے، اور دوسرون کو بھی اس کی شرکت سے روکتے تھے، جب حضرت علیؓ نے عمار بن یاسرؓ کو کوفہ بھیجا کہ وہ کوفہ والون کو حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ کی شرکت پر آمادہ کرین، تو ابو موسیٰؓ اور ابو مسعودؓ نے ان سے جا کر کہا کہ "جب سے تم اسلام لائے ہو آج تک ہمارے نزدیک اس جنگ کی شرکت سے زیادہ تم نے کوئی ناپسندیدہ کام نہین کیا"[۱]

ان کے بھائی ابورہم بہت ہنگامہ پسند تھے، اور شور شون اور ہنگامون مین نہایت ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے، اور ابو موسیٰؓ فتنہ و فساد سے سخت متنفر تھے، وہ ان کو برابر سمجھاتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب دو مسلمان ایک دوسرے کے خلاف تلوار اٹھائین گے اور ایک دوسرے کو قتل کرین گے تو دونون جہنم مین جائین گے،[۲]

ان کی اس بے لوثی اور غیر جانبداری کی بنا پر جنگِ صفین مین حضرت علیؓ نے ان کو ثالث مقرر کیا، اس وقت رفع فساد کے خیال سے ان کو مجبوراً گوشۂ عزلت سے نکلنا پڑا اور نہایت نیک نیتی سے مصالحِ امت کا خیال رکھتے ہوئے حضرت علیؓ اور معاویہؓ دونون کو معزول کر کے کسی تیسرے کو خلیفہ منتخب کرنے کا مشورہ دیا، مگر افسوس ہے کہ عمرو بن العاص کی چالاکی نے نیک نیتی کے مشورہ کو بیکار کر دیا۔

امت کے اس تفرقہ کے خیال سے بسا اوقات وہ اپنا فتویٰ مسترد کر دیتے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج مین شریک ہو چکے تھے، آپ نے بیت اللہ کے طواف اور صفا اور مروہ کی سعی کے بعد احرام کھلوا دیا تھا، آپ کے بعد بھی اسی پر عمل رہا، ابو موسیٰؓ بھی یہی فتویٰ دیتے تھے، حضرت عمرؓ اپنے زمانہ مین حج تمام ہونے کے بعد احرام کھلوانے لگے، ایک مرتبہ

[۱] بخاری کتاب الفتن باب الفتنۃ التی تموج کموج البحر [۲] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۰۱

حج کے موقع پر لوگون نے ابوموسیٰؓ سے کہا کہ آپ فتویٰ دینے مین اتنی عجلت نہ کیجئے، امیر المومنین نے اس مین ترمیم کردی ہے، اگرچہ ابوموسیٰؓ اس فتویٰ مین حق بجانب تھے، مگر اختلاف کے خیال سے فوراً اعلان کردیا، لوگو جس جس کو مین نے فتویٰ دیا ہو اس کو ابھی ٹھہر جانا چاہیے، امیر المومنین آتے ہین انکی اقتدا کرنی چاہیے،[1]

مخصوص فضائل | ان مذکورہ فضائل کے علاوہ بعض مخصوص فضائل ایسے تھے جو ان کے لئے طغرائے امتیاز ہین، ایک بدوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آکر عرض کی کہ محمدؐ جو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا، اس کو پورا کرو، آپ نے فرمایا، بشریٰ یعنی بشارت ہو، اس نے کہا، بشارت ہو چکی" کچھ دلواؤ، اس جاہلانہ جواب سے چہرۂ مبارک پر برہمی کے آثار نمایان ہو گئے، پھر حضرت بلالؓ اور ابوموسیٰؓ سے کہا کہ اس نے بشارت سے انکار کردیا تم دونون قبول کرو، عرض کیا زہے نصیب، پھر ایک برتن مین پانی منگا کر اس مین ہاتھ منھ دھویا اور کلی کر کے ان دونون کی طرف بڑھایا کہ اس کو پیو، اور سینہ اور چہرہ پر ملو، انھون نے اس آب حیات کو پیا اور سینہ اور چہرہ پر ملا، حضرت ام سلمہؓ پردہ کی آڑ سے دیکھ رہی تھین، آواز دی تھوڑا میرے لیے بھی، چنانچہ اس شراب طہور کے چند جرعے انکو بھی ملے،[2] بظاہر یہ واقعہ نہایت معمولی ہے، مگر یہ بشارت کیا تھی؟ اور اس شراب طہور مین کیا نشہ تھا؟ اس کا جواب عشق و محبت کی زبان سے سننا چاہیے،

غزوۂ حنین کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعامر کو ایک دستہ کے ساتھ اوطاس روانہ کیا، ابوموسیٰؓ کو بھی ان کی شمولیت کا حکم ملا، اوطاس مین مشرکین کا مقابلہ ہوا، ابوعامر سخت زخمی ہوئے، ابوموسیٰؓ نے قاتل کا تعاقب کر کے اس کو قتل کیا، پھر لوٹ کر ابوعامر کے

[1] مسلم کتاب الحج باب فی نسخ التحلل من الاحرام والامر بالتمام

[2] مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب من فضائل ابی موسیٰؓ،

گھٹنے سے تیر نکالا، زخم سے خون جاری ہوگیا، زخم کاری تھا بچنے کی امید نہ تھی، ابو موسیٰؓ سے کہا میری طرف سے حضور انورؐ کی خدمت مین سلام کے بعد دعائے مغفرت کی درخواست کرنا، یہ کہکر ابو عامر واصل بحق ہوگئے، حضرت ابو موسیٰؓ نے لوٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین ان کا پیام پہنچا دیا، آپنے وضو کر کے ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی، حضرت ابو موسیٰؓ نے عرض کی، حضور میرے لئے بھی دعا فرمائین، آپنے دعا فرمائی، خدایا عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ) کے گناہون کو بخشدے اور قیامت کے دن ان کا معزز اور شریفانہ داخلہ فرما۔[1]

حضرت عمار بن یاسرؓ

نام، نسب، خاندان

عمار نام، ابو الیقظان کنیت، والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سمیہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، عمار بن یاسر بن عامر بن مالک بن کنانہ بن قیس بن الحصین بن الودیم بن ثعلبہ بن عوف بن حارثہ بن عامر الاکبر بن یام بن عنس بن مالک العنسی القحطانی،[2]

حضرت عمارؓ کے والد حضرت یاسرؓ قحطانی النسل تھے، یمن ان کا اصلی وطن تھا، اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش مین دوسرے دو بھائی حارث اور مالک کے ساتھ مکہ پہنچے، وہ دونون واپس لوٹ گئے، لیکن انھون نے یہین طرح اقامت ڈالدی، اور بنو مخزوم سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے ابو حذیفہ بن المغیرہ مخزومی کی ایک لونڈی سمیہ نام سے شادی کرلی جس سے حضرت عمارؓ پیدا ہوئے، ابو حذیفہ نے حضرت عمارؓ کو ان کے بچپن ہی مین آزاد کر کے تاحیات دونون باپ بیٹے کو لطف و محبت سے اپنے ساتھ رکھا۔[3]

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ اوطاس۔ [2] اسد الغابہ تذکرۂ عمار بن یاسرؓ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۷۷،

اسلام

ابو حذیفہؓ کی وفات کے بعد ہی اسلام کا غلغلہ بلند ہوا، حضرت عمارؓ اور حضرت صہیب ابن سنانؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے صہیب کو ارقم بن ابی ارقمؓ کے دروازہ پر دیکھ کر پوچھا "تم کس ارادہ سے آئے ہو؟" بولے "پہلے تم اپنا ارادہ بیان کرو" میں نے کہا "محمدؐ سے مل کر ان کی کچھ باتیں سننا چاہتا ہوں" بولے "میرا بھی مقصد یہی ہے" غرض دونوں ایک ساتھ داخل ہوئے، اور ساقیٔ اسلامؐ کے ایک ہی جام نے دونوں کو نشۂ توحید سے مخمور کر دیا، حضرت عمارؓ کے ساتھ یا کچھ آگے پیچھے ان کے والدین بھی مشرف بہ اسلام ہوئے،[1]

صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمارؓ جس وقت ایمان لائے، تو انھوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے علاوہ صرف پانچ غلام اور دو عورتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا،[2] یہ وہ حضرات تھے جنھوں نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا تھا، ورنہ صحیح روایت کی بنا پر اس وقت تک تیس اصحاب سے زیادہ اس دائرہ میں داخل ہو چکے تھے جنھوں نے مشرکین کے خوف سے اعلان نہیں کیا تھا،[3]

حضرت عمارؓ گو ایک بے یار و مددگار غریب الوطن تھے، دنیاوی وجاہت و طاقت بھی حاصل نہ تھی، اور سب سے زیادہ یہ کہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت سمیہؓ اس وقت تک بنی مخزوم کی غلامی سے آزاد نہیں ہوئی تھیں، تاہم جوشِ ایمان نے ایک دن سے زیادہ مخفی ہو کر رہنے نہ دیا، مشرکین نے ان کو اور ان کے خاندان کو لاچار و مجبور دیکھ کر سب سے زیادہ مشقِ ستم بنا لیا، طرح طرح کی اذیتیں دیں، ٹھیک دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریگ میں لٹایا، دہکتے ہوئے انگاروں سے جلایا، اور گھنٹوں پانی میں غوطے دیئے لیکن جلوۂ توحید نے کچھ ایسا وارفتہ کر دیا

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۷۷، [2] بخاری باب فضائل الصدیقؓ، [3] فتح الباری جلد ۷ ص ۷۰، و اسد الغابہ جلد ۴ ص ۴۴

تھا کہ ان تمام سختیوں کے باوجود وہ ان کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے۔[1]

حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ کو ابو جہل نے نہایت وحشیانہ طریقے پر اپنے نیزہ سے شہید کیا، چنانچہ تاریخ اسلام کی یہ پہلی عبرتناک شہادت تھی، جو استقلال و استقامت کے ساتھ راہِ خدا میں واقع ہوئی، ان کے والد حضرت یاسرؓ اور بھائی حضرت عبد اللہؓ بھی اسی گرداب اذیت میں جان بحق ہوئے۔[2]

ایک دفعہ مشرکین نے حضرت عمارؓ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سے گذرے تو ان کے سر پر دستِ مبارک پھیر کر فرمایا "اے آگ! تو ابراہیمؑ کی طرح عمارؓ پر ٹھنڈی ہو جا، اسی طرح جب ان کے گھر کی طرف سے گذرتے اور خاندانِ یاسرؓ کو مبتلائے مصیبت دیکھتے تو فرماتے "اے آلِ عمارؓ تمہیں بشارت ہو جنت تمہاری منتظر ہے"[3]

ایک دفعہ حضرت یاسرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گردشِ زمانہ کی شکایت کی، ارشاد ہوا، "صبر کرو! صبر کرو!! پھر دعا فرمائی "اے خدا! آلِ یاسر کو بخشدے"[4]

ایک روز مشرکین نے ان کو پانی میں اس قدر غوطے دیئے کہ بالکل بدحواس ہو گئے، یہاں تک کہ اسی حالت میں ان جفاکاروں نے جو کچھ چاہا ان کی زبان سے اقرار کرا لیا، اس کے بعد گو اس مصیبت سے گلو خلاصی ہو گئی، تاہم غیرت ملی نے عرق عرق کر دیا، دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، "عمار! کیا خبر ہے؟" عرض کی، "یا رسول اللہ! نہایت ہی بری خبر ہے" آج مجھے اس وقت تک مخلصی نہ ملی جب تک میں نے آپ کی شان میں برے الفاظ اور ان کے معبودوں کے حق

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۷۷، [2] اصابہ تذکرہ سمیہؓ ام عمار [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۸۸، [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۷۷،

مین کلماتِ خیر استعمال نہ کئے" ارشاد ہوا "تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟" عرض کی "میرا دل ایمان سے مطمئن ہے" سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کی آنکھون سے آنسو کے قطرے پونچھے، فرمایا "کچھ مضائقہ نہین اگر یہ پھر ہو تو پھر ایسا ہی کرو" اس کے بعد ہی قرآن پاک مین یہ آیت نازل ہوئی[1]

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ	جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے مگر وہ
وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ	جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے
(نحل - ۱۴)	(اس سے کوئی مواخذہ نہین)

ایک مرتبہ حضرت سعید بن جبیرؓ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ "کیا قریش مسلمانون کو اس قدر اذیت پہنچاتے تھے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دینے پر مجبور ہو جائین؟" بولے "خدا کی قسم ہان! وہ ان کو مارتے تھے، بھوکا اور پیاسا رکھتے تھے، یہان تک کہ ضعف اور کمزوری سے وہ اٹھنے بیٹھنے سے بھی مجبور ہو جاتے تھے، اسی حالت مین وہ جو کچھ چاہتے تھے ضمیر کے خلاف ان سے اقرار کرا لیتے تھے"[2] غرض حضرت عمارؓ بھی انھین گرفتارانِ مصائب مین تھے جنھون نے راہِ خدا مین صبر و استقامت کے ساتھ گوناگون مصائب اور مظالم برداشت کئے؛ لیکن آئینۂ دل سے توحید کا عکس زائل نہ ہوا، ضعیفی کے عالم مین جن لوگون نے ان کی پیٹھ ننگی دیکھی تھی وہ بیان کرتے ہین کہ اس وقت تک کثرت کے ساتھ سیاہ لکیرین، تپتی ہوئی ریگ اور دہکتے ہوئے انگارون کے داغ ان کی پیٹھ مین موجود تھے[3]،

ہجرت ان کے حبشہ کی ہجرت کے متعلق اربابِ سیر مین اختلاف ہے، بعضون کا خیال ہے کہ

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث صفحہ ۱۷۸ [2] اسد الغابہ تذکرۂ عمارؓ [3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث صفحہ ۱۷۷،

وہ دوسری ہجرت میں شریک تھے، مدینہ کی ہجرت کا عام حکم ہوا تو حضرت عمارؓ نے بھی اس سرزمین امن کی راہ لی، اور حضرت مبشر بن عبد المنذرؓ کے مہمان ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں حضرت حذیفہؓ بن الیمان انصاری سے بھائی چارہ کرادیا، اور مستقل سکونت کے لئے ایک قطعۂ زمین مرحمت فرمایا[1]،

تعمیر مسجد | مدینہ کی ہجرت کے چھ سات مہینوں کے بعد مسجد نبویؐ کی بنا ڈالی گئی، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو جوش دلانے کیلئے خود کام میں حصہ لیا، حضرت عمارؓ اینٹ گارا لالاکر دیتے تھے اور زبان پر رجز جاری تھا،

نحن المسلمون نبتنی المساجد[2]   ہم مسلمان ہیں، ہم مسجد بناتے ہیں،

حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے، اور عمار دو دو اینٹ اٹھاتے تھے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گذرے تو آپ نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کے سر سے غبار صاف کر کے فرمایا، افسوس عمار! تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا، تم اسے خدا کی طرف دعوت دوگے اور وہ تمہیں جہنم کی طرف بلائے گا[3]،

ایک دفعہ کسی نے ان کے سر پر اس قدر بوجھ لاد دیا کہ لوگ چلا اٹھے "آج عمار مرجائیں گے آج عمار مرجائیں گے" وہ اس سے پہلے بھی تکلیف مالایطاق کی شکایت کرچکے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو کچھ اینٹیں اتار کر پھینکدیں اور فرمایا وہ افسوس! ابن سمیہ تمہیں گروہ باغی قتل کرے گا[5]،

غزوات | غزوۂ بدر سے غزوۂ تبوک تک جس قدر اہم معرکے پیش آئے سب میں وہ جانبازی

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۹ [2] ایضاً [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۸۷ [4] بخاری جلد ۱

[5] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۱،

وشجاعت کیساتھ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے، عہدِ صدیقی کی اکثر خون ریز جنگون مین بھی خوب دادِ شجاعت دی، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہین کہ یمامہ کی جنگ مین ان کا ایک کان شہید ہو گیا جو سامنے ہی زمین پر پھڑک رہا تھا لیکن وہ بے پرواہی کے ساتھ حملے پر حملے کر رہے تھے اور جس طرف رخ کرتے تھے صفین کی صفین تہ و بالا کر دیتے تھے، ایک دفعہ مسلمانون کے پاؤن پیچھے پڑنے لگے، انھون نے ایک بلند چٹان پر کھڑے ہو کر للکارا "اے گروہ مسلمانان! کیا جنت سے بھاگ رہے ہو؟ مین عمار بن یاسر ہون، آؤ میرے پاس آؤ"[1] اس صدا نے سحر کا کام کیا اور جنت کے شیدائی یکایک سنبھل کو ٹوٹ پڑے،

کوفہ کی حکومت | خلیفۂ دومؓ نے ۲۱ھ مین ان کو کوفہ کا والی بنایا، اور اہلِ کوفہ کے نام حسب ذیل فرمان جاری فرمایا،

اما بعد فانی بعثت الیکم عمار بن	اما بعد، مین عمار بن یاسر کو امیر اور ابن مسعود کو
یاسر امیرا وابن مسعود معلما ووزیرا،	معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہون، خزانہ کا اہتمام
وقد جعلت ابن مسعود علی بیت	و انصرام بھی ابن مسعود کے متعلق کیا ہے، یہ دونون
مالکم وانہما لمن النجباء من اصحاب	(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ان شریف اصحاب
محمد من اہل بدر فاسمعوا لہما	مین سے ہین جو غزوۂ بدر مین شریک تھے، اس لئے
واطیعوا واقتدوا بہما وقد اثرتکم	ان دونون کی فرمان برداری اطاعت اور
بابن ام عبد علی نفسی وبعثت عثمان	پیروی کرو، مین نے ام عبد کے بیٹے (عبداللہ بن
بن حنیف علی السواد ورزقتہم کل	مسعودؓ) کو اپنے سے الگ کر کے تمھارے پاس
یوم شاۃ فاجعل شطرہا وبطنہا	بھیجکر تم کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے، عثمان بن

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۸۱،

لعمار والشطر الباقی بین ھولاء الثلاثة[1]

حنیف کو عراق (کی پیمایش) پر مامور کرکے بھیجا ہون اور ان کے رسد کے لیئے روزانہ ایک بکری مقرر کرتا ہون جس کا ایک حصہ اور شکم عمار کے لیئے مخصوص رہیگا، اور باقی حصے ان تینون مین منقسم ہونگے،

حضرت عمارؓ نے ایک سال ۹ ماہ تک نہایت خوش اسلوبی اور بیدار مغزی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی انجام دیئے، لیکن اسی اثنا مین اہل بصرہ اور اہل کوفہ کی باہمی منافست اور حضرت عمارؓ کی غیر جانبداری نے کوفہ کے رئیسون کو ان سے ناراض کردیا، واقعہ کی تفصیلی کیفیت یہ ہے،

بصرہ کی کثرت آبادی کے لحاظ سے اس صوبہ کا رقبہ نہایت مختصر تھا، اس بنا پر عمرو بن سراقہ نے بصرہ والون کی طرف سے دربار خلافت مین درخواست کی کہ کوفہ کے وسیع علاقہ سے ماہ یا ماہ سندان کا پرگنہ بصرہ مین شامل کردیا جائے، کوفہ والون کو خبر ہوئی تو وہ حضرت عمار بن یاسرؓ والی کوفہ سے خواستگار ہوئے کہ وہ اس کی مخالفت کرین اور رامہرمز اور ایذج کے اضلاع پر بھی اپنا دعویٰ پیش کرین، کیونکہ ان دونون کو اہل بصرہ کی اعانت و امداد کے بغیر ہم لوگون نے فتح کیا تھا، لیکن حضرت عمارؓ نے سرد مہری کے ساتھ اس کو ٹالدیا، اور فرمایا "مجھے ان جھگڑون کی کیا ضرورت ہے" اس پر ایک کوفی رئیس عطارد نے غضبناک ہوکر کہا "او کن کٹے! پھر تو ہم سے خراج کس بنا پر طلب کرتا ہے؟" حضرت عمارؓ صرف یہ کہکر خاموش ہو رہے "افسوس! تم نے میرے سب سے زیادہ بہتر اور محبوب کان کو گالی دی[2]"

غرض حضرت عمارؓ نے اس معاملہ مین بالکل غیر جانبداری اختیار کرلی، اور کوفہ والون کے

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۲، [2] تاریخ طبری ص ۲۶۷۶،

احتجاج کے باوجود رامہرمز، ایذج اور ماہ کا علاقہ بصرہ مین شامل کردیا گیا، یہ نقصان ایسا نہ تھا جو والی کی طرف سے اہل کوفہ کے دلون مین ناراضی کی گرہ نہ ڈالتا، اس کے بعد ہی شکوہ شکایت اور سازش کا سلسلہ شروع ہوا اور امیرالمومنین کو باور کرایا گیا کہ وہ اس منصب کی اہلیت نہین رکھتے، انجام کار دارالخلافہ بلاکر اس عہدہ سے معزول کئے گئے،[1] حضرت عمرؓ نے معزولی کے بعد دوسرے روز بلاکر پوچھا کہ "تم میرے اس طریق عمل سے کچھ ناراض تو نہ ہوئے؟" بولے "جب آپ پوچھتے ہین تو حقیقت یہ ہے کہ مین نہ تو پہلے اپنی تقرری سے خوش ہوا تھا اور نہ اب اپنی معزولی سے ناراض ہون"[2]

تحقیقات پر مامور ہونا

خلیفۂ ثالثؓ کے عہدِ حکومت مین تمام ملک شورش و فتنہ پردازی کا آماجگاہ ہوگیا، ۳۵ھ مین خلیفۂ وقت نے اس شورش کے اصلی اسباب کی تحقیق و تفتیش کے لئے ایک تحقیقاتی کمیشن مرتب کیا، حضرت عمار بن یاسرؓ بھی اس کے ایک رکن قرار پائے اور فتنہ پردازی کے اصلی مرکز صوبۂ مصر کی طرف روانہ کئے گئے،

خلیفۂ ثالثؓ سے اختلاف

تحقیقاتی کمیشن کے تمام ارکان نے بہت جلد اپنے متعلقہ مقامات سے واپس آکر قابلِ اطمینان رپورٹ پیش کردی، لیکن حضرت عمارؓ کی واپسی مین غیر معمولی تاخیر ہوگئی، اور دارالخلافہ مین ان کی نسبت طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے یہان تک کہ عبداللہ بن ابی سرح والیِ مصر کے ایک خط نے توقف کی اصلی وجہ ظاہر کردی، اس خط کے فقرے یہ ہین:

ان عمارا قد استمالہ قوم بمصر وقد انقطعوا الیہ منہم عبداللہ بن السوداء وخالد بن ملجم وسودان بن حمران وکنانہ بن بشر	عمار کو مصر کی ایک قوم نے اپنا طرفدار بنالیا ہے، اور ان مین سے عبداللہ بن السوداء، خالد بن ملجم، سودان بن حمران اور کنانہ بن بشر ان کی طرف

[1] تاریخ طبری ص ۲۷۷۰، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۳،

جانتے ہین"

غرض وہ مصر سے واپس آئے تو انقلاب پسند جماعت کا اثر ان کے خیالات مین نمایان تھا، عام مجمعون مین علانیہ حضرت عثمانؓ کے طرز حکومت اور عمال کی بے اعتدالیون پر نکتہ چینی کرتے تھے، یہان تک کہ اسی حالت مین کبھی کبھی طرف داران خلافت سے جھڑپ بھی ہو گئی، ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کے غلامون نے ان کو اس قدر مارا کہ تمام جسم ورم کر گیا، شکم مین خراش آگئی، اور پسلی کی ایک ہڈی کو سخت صدمہ پہنچا، بنی مخزوم نے جن سے جاہلیت مین حلف وموالات کا تعلق تھا یہ سنکر کاشانۂ خلافت کو گھیر لیا اور دھمکی دی کہ اگر عمار بن یاسر اس صدمہ سے جانبر نہ ہون گے تو ہم ضرور انتقام لین گے،[۱]

اس قسم کے واقعات سے اختلاف کی خلیج روز بروز زیادہ وسیع ہوتی گئی، یہان تک کہ جب مصری مفسدین مدینہ پہنچے اور حضرت عثمانؓ نے حضرت سعد بن وقاصؓ کی معرفت کہلا بھیجا کہ وہ اپنے اثر سے ان کو واپس کر دین تو انھون نے صاف انکار کر دیا،[۲] بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ محاصرہ کی کارروائی مین شریک تھے،

سفارتِ کوفہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد خلافت کا بار گران حضرت علیؓ کے سر ڈالا گیا، حضرت عمارؓ کو ان سے جو خاص انس وخلوص تھا اس کے لحاظ سے تمام مہمات امور مین وہ ان کے دست وبازو ثابت ہوئے، حضرت عائشہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ وغیرہ نے جب شہید خلیفہ کے قصاص کا مطالبہ کر کے جنگی تیاریون کے لیے بصرہ کا رخ کیا تو خلیفہ چہارمؓ کے حکم سے وہ حضرت امام حسنؓ کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے کہ اہل کوفہ کو خلافت کے تحفظ وحمایت پر آمادہ کرین،

---

[۱] تاریخ طبری ص ۲۹۴۳ [۲] استیعاب جلد ۲ ص ۴۴۳ [۳] طبری

حضرت عمارؓ کوفہ پہونچے تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جامع مسجد میں ایک مجمع کے سامنے غیر جانبداری کا وعظ بیان کر رہے تھے، حضرت امام حسنؓ نے ان سے فرمایا "تم ابھی ہماری مسجد سے نکل جاؤ" اور منبر پر کھڑے ہوکر ایک نہایت پرجوش تقریر کی،[۱] حضرت عمارؓ بھی ان کے ساتھ منبر پر چڑھ گئے اور تقریر کرتے ہوئے فرمایا "صاحبو! بیشک میں جانتا ہوں کہ عائشہؓ دنیا اور آخرت میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم ہیں، لیکن اس وقت خدا تمہاری آزمایش کر رہا ہے کہ تم اس کی فرمان برداری کرتے ہو یا عائشہؓ کا ساتھ دیتے ہو"[۲] حجر بن عدی نے حضرت عمارؓ کی تائید کی، اور دوسرے روز صبح کے وقت تقریباً ساڑھے نو ہزار جانباز سپاہیوں کی ایک فوج گران حضرت عمارؓ کے ساتھ ہوگئی،[۳]

جنگ جمل | ماہ جمادی الاخری ۳۶ھ میں دونوں طرف کی فوجیں مقام ذی قار میں مجتمع ہوئیں، حضرت زبیرؓ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت عمارؓ بھی حضرت علیؓ کے ساتھ ہیں تو انھیں نظر آنے لگا کہ وہ غلطی پر ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ حق عمار کے ساتھ ہے اور باغی گروہ ان کو قتل کرے گا، اس کے ساتھ ہی حضرت علیؓ نے ایک ایسی بات یاد دلائی کہ وہ اسی وقت اس خانہ جنگی سے کنارہ کش ہوگئے،

جمعرات کے روز جنگ شروع ہوئی حضرت عمارؓ میسرہ پر متعین تھے، چونکہ انھیں یقین تھا کہ وہ حق کا ساتھ دے رہے ہیں، اس لئے غیر معمولی جوش سے لڑے، یہاں تک کہ حامیانِ خلافت کی فتح پر اس افسوسناک جنگ کا خاتمہ ہوا،[۴]

جنگ صفین | جنگِ جمل کے بعد امیر معاویہؓ سے صفین کا معرکہ پیش آیا، حضرت عمارؓ اس جنگ میں بھی حضرت علیؓ کی طرف تھے، اس وقت ۹۱ برس کا ان کا سن تھا، لیکن حمایتِ حق کے

[۱] اخبار الطوال ص ۱۴۶، [۲] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۵ [۳] اخبار الطوال ص ۱۴۷، [۴] ایضاً ص ۱۵۸،

جوش نے اکانوے برس کے بڈھے کو شجاعت وجانبازی کا مجسم تپلا بنا دیا تھا، رعد کی طرح گرجتے ہوئے جس طرف گھس جاتے تھے صفین کی صفین درہم برہم کر دیتے تھے، ایک دفعہ اثنائے جنگ مین حضرت امیر معاویہؓ کے علم بردار حضرت عمرو بن العاصؓ پر نظر پڑی تو بولے، "مین اسی علمبردار سے تین دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت مین لڑ چکا ہون، اب یہ چوتھی مرتبہ ہے، خدا کی قسم اگر وہ ہم کو شکست دیتے ہوئے مقام ہجر تک بھی پسپا کر دین جب بھی مین یہی سمجھونگا کہ ہم لوگ حق پر ہین، اور وہ غلطی پر۔"[1]

شہادت ایک روز شام کے وقت جب آفتاب غروب ہو رہا تھا اور جنگ پورے زور کے ساتھ جاری تھی، حضرت عمارؓ دودھ کے چند گھونٹ حلق سے فرو کر کے بولے "رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ہے کہ دودھ کا یہ گھونٹ تیرے لیئے دنیا کا آخری توشہ ہے"، اور کہتے ہوئے غنیم کی صف مین گھس گئے کہ "آج مین اپنے دوستون سے ملونگا، آج مین محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے گروہ سے ملونگا،"[2] کچھ ایسے عزم واستقلال سے حملہ آور ہوئے تھے کہ جس طرف نکل گئے پرے کا پرا صاف ہو گیا، اور جس پر وار کیا ڈھیر ہو کر رہ گیا، واقف کار مسلمان ان پر ہاتھ اٹھانے سے پہلو بچاتے تھے، لیکن اسی حالت مین ابن الغاویہ کے نیزہ نے ان کو مجروح کر کے زمین پر گرا دیا، اور ایک دوسرے شامی نے بڑھ کر سر تن سے جدا کر دیا، یہ دونون قاتل جھگڑتے ہوئے امیر معاویہؓ کے دربار مین پہنچے، کیونکہ ان مین کا ہر ایک اس کارنامہ کو اپنی طرف منسوب کرتا تھا، حضرت عمرو بن العاصؓ حاضر دربار تھے، انھون نے کہا "خدا کی قسم یہ دونون جہنم کے لیئے جھگڑ رہے ہین"، امیر معاویہؓ نے برہم ہو کر کہا "عمرو! تمھاری یہ کیا حالت ہے! جو لوگ ہمارے لیئے اپنی جانین قربان کر رہے ہین ان کو ایسا کہتے ہو" بولے خدا کی قسم ایسا ہی ہے

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۵ [2] ایضاً ص ۱۸۴

کاش آج سے بیس برس پہلے مجھے موت آگئی ہوتی،[1]

حضرت عمرو بن العاص رضؓ کو حضرت عمار بن یاسرؓ کی شہادت سے سخت پریشانی لاحق ہوئی اور اس جنگ سے کنارہ کش ہونے کے لئے تیار ہو گئے، لیکن حضرت امیر معاویہؓ نے یہ کہکر تسلی دی کہ عمارؓ کے قاتل ہم نہیں ہیں بلکہ وہ جماعت ہے جو ان کو میدانِ جنگ میں لائی،[2]

حضرت عمارؓ کی شہادت سے درحقیقت حق وناحق کا فیصلہ ہوگیا، حضرت خزیمہ بن ثابتؓ جنگِ جمل اور معرکہ صفین میں شریک تھے، لیکن اس وقت تک کسی طرف سے اپنی تلوار بے نیام نہیں کی تھی، حضرت عمارؓ کی شہادت نے ثابت کر دیا کہ انھیں حیدر کرار کا ساتھ دینا چاہیئے، چنانچہ اس کے بعد تلوار کھینچکر شامی فوج پر ٹوٹ پڑے اور شدید کشت وخون کے بعد شہادت حاصل کی،[3] اسی طرح تمام دوسرے محتاط صحابہؓ بھی جو پس وپیش کر رہے تھے، اس صریح فیصلہ کے بعد حضرت علیؓ کے طرفدار ہو گئے،

| تجہیز وتکفین | حضرت علیؓ نے اپنے مونس وجان نثار کی شہادت کی خبر سنی تو آہ سرد کھینچکر فرمایا، خدا

نے عمارؓ پر رحم کیا جس دن اسلام لائے، خدا نے رحم کیا، جس دن شہید ہوئے، اور خدا ان پر رحم کرے گا، جس دن زندہ اٹھائے جائیں گے، میں نے ان کو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا تھا جب کہ صرف چار یا پانچ صحابہؓ کو اعلانِ ایمان کی توفیق عطا ہوئی تھی، قدیم صحابہؓ میں سے کوئی بھی ان کی مغفرت میں شک نہیں کر سکتا، عمارؓ اور حق لازم وملزوم تھے، اس لئے ان کا قاتل یقیناً جہنمی ہوگا،" اس کے بعد تجہیز وتکفین کا حکم دیا، خود جنازہ کی نماز پڑھائی، اور خون آلود پیراہن کے ساتھ ۹۱ برس کی عمر میں اس حامیِ حق کو زیرِ زمین نہاں کر دیا،[4] انا للہ وانا

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۸۵ [2] ایضاً ص ۱۸۰ و مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۸۷ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۸۷، [4] ایضاً ص ۱۸۷،

الیہ راجعون، کوفہ کی زمین کو صحابیِ رسول کو اپنے دامن میں لینے کا یہ پہلا موقع تھا،[۱]

اخلاق | حضرت عمارؓ کا معدنِ اخلاق گرانمایہ جواہر سے لبریز تھا، جفاکشی، استقامت، استقلال اور جفاشعاری کے واقعات پہلے گذر چکے ہیں، ورع و تقویٰ کے باعث سکوت و کم سخنی ان کا خاص شعار تھا، فتنہ و فساد سے ہمیشہ پناہ مانگا کرتے تھے، لیکن خدا نے سب سے بڑے فتنہ میں ان کا امتحان لیا اور کامیابی کے ساتھ حق کا طرفدار بنا دیا،[۲]

سادگی، تواضع اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ فرشِ خاک ان کے لئے سب سے زیادہ راحت بخش بستر تھا، غزوۂ ذات العشیرہ کے موقع میں بنی مدلج کے چند آدمی ایک نخلستان سے نہر نکال رہے تھے، حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا، "ابوالیقظان چلو دیکھیں یہ لوگ کیا کر رہے ہیں"، غرض وہاں پہنچکر گھنٹوں تماشا دیکھتے رہے، یہاں تک کہ نیند کا غلبہ ہوا، اور دونوں اسی جگہ ایک درخت کے نیچے فرشِ خاک پر بے تکلفی کے ساتھ سو رہے،[۳]

عہدِ فاروقی میں کوفہ کے والی تھے، لیکن ایک گورنر کی سادگی و بے تکلفی یہ تھی کہ خود بازار جا کر سودا سلف خریدتے، اور اپنی پیٹھ پر لاد کر لے آتے تھے، اسی طرح اپنا تمام کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے، حضرت مطرفؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کوفہ میں میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا، اثنائے گفتگو میں حضرت علیؓ کی بعض بے اعتدالیوں کا تذکرہ آیا تو ایک شخص نے جو وہاں بیٹھا ہوا اپنے چرمی پیراہن میں پیوند ٹانک رہا تھا برہم ہو کر کہا "اے فاسق کیا تو امیر المومنین کی مذمت کر رہا ہے؟" میرے دوست نے عفو خواہی کر کے کہا "ابوالیقظان! جانے دو یہ میرے مہمان ہیں" اس وقت میں نے پہچانا کہ عمار بن یاسر یہی ہیں،[۴]

---

[۱] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۸۲، [۲] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۸۳ و [۳] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۳، [۴] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۸۲،

حضرت عمارؓ کا ہر ایک قدم صرف خدا ے پاک کی خوشنودی و رضامندی کی راہ مین اٹھتا تھا، جنگ جمل اور غزوۂ صفین مین بھی درحقیقت اسی مطمح نظر نے حضرت علیؓ کے زیر علم لاکر کھڑا کیا، صفین کی فوجکشی مین ساحل فرات کی راہ سے میدان جنگ کی طرف بڑھ رہے تھے اور بار بار کہتے جاتے تھے "اے خدا! اگر مین جانتا کہ پہاڑ سے کود کر آگ مین جلکر یا پانی مین ڈوب کر جان دینا تیری خوشنودی کا باعث ہوگا تو ضرور تجھے خوش کرتا، مین لڑنے جاتا ہون لیکن اس مین بھی تیری رضاجوئی مقصود ہے، امید ہے کہ تو مجھے اس مقصد مین ناکام نہ رکھے گا"[۱] آپ کی اخلاقی عظمت اور قوت ایمانی کا ضامن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ "عمار کے رگ و پے مین ایمان سرایت کئے ہوے ہے" اور شیطان سے مامون رہنے کی دعا ہے[۲]،

مذہبی زندگی حضرت عمارؓ کو خداے واحد کی عبادت و پرستش مین خاص لطف حاصل ہوتا تھا، رات رات بھر نماز اور وظائف مین مشغول رہتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہین کہ یہ آیت

امن ھو قانت اناء اللیل ساجدا وقائما یحذر الاخرۃ ویرجو رحمۃ ربہ (زمر)

(کیا وہ شخص جو رات کو بندگی کرتا ہے سجدہ کرکے اور کھڑا ہو کر آخرت سے خوف کھاتا ہے اور اپنے خدا کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے دکہین نافرمان بندون کے برابر ہو سکتا ہے)

حضرت عمارؓ ہی کی نسبت نازل ہوئی ہے[۳] خشوع وخضوع اور توجہ الی اللہ کو نماز کی اصل روح سمجھتے تھے، ایک دفعہ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو جلدی جلدی دوگانہ ادا کرکے بیٹھ رہے، لوگون نے پوچھا کہ آپنے اس قدر عجلت کیون کی؟ بولے اس وقت مجھے شیطان

[۱] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۴ [۲] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۳ [۳] ایضاً جلد ۳ ص ۸،

سے مسابقت کرنا پڑی[1]، معذوری کی حالت میں بھی نماز قضا نہیں ہوتی تھی، ایک مرتبہ سفر کے موقع پر غسل کی حاجت پیش آئی اور باوجود سعی و کوشش پانی دستیاب نہ ہوا، چونکہ جانتے تھے کہ مٹی پانی کا نعم البدل ہے، اس لئے تمام جسم پر خاک مل کر نماز پڑھ لی، جب سفر سے واپس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو ارشاد ہوا "ایسی حالت میں بھی صرف تیمم کافی ہے[2]"

جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے منبر پر بیٹھ کر عموماً سورۂ یٰسین تلاوت فرماتے تھے[3]، خطبہ نہایت فصیح و بلیغ ہوتا تھا اور اس میں ایجاز و اختصار خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے، ایک دفعہ کسی نے اس اختصار پر اعتراض کیا تو بولے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ نماز کو طول دینا اور خطبہ مختصر کرنا انسان کی سمجھ کی علامت ہے[4]"

حلیہ حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، نرگسی آنکھیں، سینہ چوڑا اور بدن خوب بھرا ہوا، شہادت کے وقت گو ان کی عمر نوے اکانوے برس کی تھی تاہم بظاہر پیری کے آثار بہت کم طاری ہوئے تھے[5]

حضرت عبداللہ رضؓ بن عمرو بن العاصؓ

نام و نسب عبداللہ نام، ابو محمد اور ابو عبدالرحمن کنیت، والد کا نام عمرو بن العاصؓ اور والدہ کا نام ریطہ بنت منبہ تھا، شجرۂ نسب یہ ہے:- عبداللہ بن عمرو بن العاص بن وائل بن ہاشم بن سعد بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی القرشی،

اسلام حضرت عبداللہ اپنے والد حضرت عمرو بن العاصؓ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے[6]،

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۰۳، [2] ایضاً [3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۱۸۲ [4] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۳، [5] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۱۸۹ [6] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۳

مصاحبتِ رسول | وہ دربارِ نبوت میں اکثر حاضر رہتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے جو کچھ سنتے اس کو لکھ لیتے تھے، ایک مرتبہ قریش کے چند بزرگوں نے ان کو اس سے منع کیا اور کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ غیظ و انبساط میں خدا جانے کیا کچھ فرماتے ہیں، آپ سب کو قلمبند نہ کیا کیجئے" حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو ارشاد ہوا کہ "تم لکھا کرو، قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میری زبان سے صرف حق ہی نکل سکتا ہے۔"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت سے جو وقت بچتا تھا وہ تمام تر یادِ حق میں صرف ہوتا تھا، دن عموماً روزوں میں بسر ہوتا، اور رات عبادت میں گذر جاتی تھی، رفتہ رفتہ یہ شغلہ اس قدر بڑھا کہ اہل و عیال اور تمام دنیاوی تعلقات سے کنارہ کش ہو گئے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے دربارِ نبوت میں ان کی اس راہبانہ زندگی کی شکایت کی تو آپ نے ان کو بلا کر اپنے والد کی اطاعت کی تاکید کی اور فرمایا، "عبداللہ! روزے رکھو اور افطار کرو، نمازیں پڑھو اور آرام کرو، نیز بیوی بچوں کا حق ادا کرو، یہی میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے سے اعراض کرے گا وہ میری امت سے نہیں ہے۔"[2]

غزوات | عہدِ نبوت کے بعض غزوات میں شریک تھے، جہاد و فوج کشی کے موقع پر عموماً سواری و بار برداری کا اہتمام ان کے سپرد ہوتا تھا، ایک مرتبہ عمرو بن حریش نے ان سے پوچھا: "ابو محمد! ہم لوگ ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں درہم و دینار کا چلن نہیں، مویشی اور جانور ہمارے مال و اسباب ہیں، ہم آپس میں بکریوں کے عوض اونٹ، گائے کے بدلے گھوڑے اور گھوڑوں کے عوض اونٹ ادھار خرید و فروخت کرتے ہیں، اس میں کوئی مضائقہ تو نہیں؟" فرمایا تم

---

[1] مسند احمد جلد ۲ ص ۱۹۲ [2] ایضاً ص ۱۵۸،

ایک واقف کار شخص کے پاس آئے، ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو شتر سواروں کی ایک فوج مرتب کرنے کا حکم دیا، چنانچہ میرے اہتمام میں جس قدر اونٹ تھے ایک ایک کرکے سب پر لوگوں کو میں نے سوار کرایا، تاہم کچھ لوگ ایسے رہ گئے جن کے پاس کوئی سواری نہ تھی، میں نے بارگاہ نبوت میں عرض کی، "یا رسول اللہ! تمام سواریاں تقسیم ہوگئیں لیکن پھر بھی ایک جماعت ایسی رہ گئی جس کو کوئی سواری نہ مل سکی،" ارشاد ہوا کہ "ایک اونٹ کے عوض صدقہ کے دو دو، تین تین اونٹوں کا وعدہ کرکے کچھ اونٹ خرید لو" چنانچہ اس طرح میں نے حسب ضرورت اونٹ فراہم کرلیے[1]

جنگ یرموک | یرموک کی عظیم الشان جنگ میں نہایت جانبازی کے ساتھ سرگرم پیکار تھے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس جنگ میں اپنا علم قیادت ان کے ہاتھ میں دیدیا تھا[2]

واقعۂ صفین | حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت امیر معاویہؓ کے طرفدار تھے، اس لیے جب واقعۂ صفین پیش آیا تو انھوں نے حضرت عبداللہؓ کو امیر معاویہؓ کی فوج میں شریک ہونے پر مجبور کیا، لیکن درحقیقت وہ اس خانہ جنگی سے سخت متنفر تھے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے جنگ میں عملاً کوئی حصہ نہیں لیا اور بار بار اپنے والد کو اس سے کنارہ کش ہونے کا مشورہ دیا[3]

حضرت عمار بن یاسرؓ حضرت علیؓ کی طرف سے سرگرم پیکار تھے، وہ شہید ہوئے تو حضرت عبداللہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی یاد آگئی اور اپنے والد سے مخاطب ہوکر کہا "کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ افسوس! ابن سمیہ کو گروہ باغی قتل کرے گا" حضرت عمرو بن العاصؓ نے امیر معاویہؓ کی طرف دیکھ کر کہا، "آپ نہیں سنتے عبداللہ کیا کہہ رہے ہیں،" امیر معاویہؓ نے تاویل کرتے ہوئے کہا، "یہ ہمیشہ ایک نیا طرفہ لے کر آتے ہیں، کیا عمار

---

[1] دارقطنی، [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۴ [3] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶،

کو ہم نے قتل کیا ہے؟ درحقیقت ان کے قتل کی ذمہ داری اس پر ہے جو ان کو اپنے ساتھ لایا[۱] حضرت عمار بن یاسرؓ پر دو آدمیوں نے ایک ساتھ حملہ کیا تھا، وہ دونوں جھگڑتے ہوئے امیر معاویہؓ کے دربار میں آئے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اس کارنامہ کو تنہا اپنی طرف منسوب کرتا تھا، حضرت عبداللہ بن عمروؓ حاضر دربار تھے، انھوں نے کہا، تم میں سے کسی کو بخوشی اپنے فریق کا دعویٰ تسلیم کر لینا چاہئے، کیونکہ میں نے رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ عمار کو گروہ باغی قتل کرے گا، امیر معاویہؓ نے برہم ہو کر ان کے والد سے کہا، عمرو! تم اپنے اس مجنون کو مجھ سے الگ نہیں کر دگے؟ اور خود ان سے کہا، اگر ایسا ہے تو تم کیوں میرے ساتھ ہو؟ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے جواب دیا، میں صرف اس لئے آپ کے ساتھ ہوں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہدایت فرمائی تھی کہ جب تک زندہ رہنا اپنے باپ کے مطیع و فرمان بردار رہنا،[۲]

گو اس خانہ جنگی میں حضرت عبداللہؓ کا دامن قتل و خونریزی سے ملوث نہیں ہوا تاہم وہ اس نام نہاد شرکت پر بھی سخت نادم و پشیمان تھے، نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے "میں اور صفین میں، اور مسلمانوں کی خونریزی، کاش! اس سے بیس سال پہلے میں دنیا سے اٹھ گیا ہوتا،"[۳]

اعتذار حضرت رجاءؓ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی میں ایک مرتبہ میں ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، عبداللہ بن عمروؓ اور ابو سعید خدریؓ بھی موجود تھے، عبداللہ بن عمروؓ نے حضرت امام حسین بن علیؓ کو آتے ہوئے دیکھ کر کہا، کیا تمھیں اس شخص سے آگاہ نہ کروں جو آسمان والوں کے نزدیک دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے؟ لوگوں نے کہا "کیوں نہیں؟" فرمایا "وہ یہ ہے

۱؎ مسند احمد جلد ۲ ص ۱۶۱ ۲؎ ایضاً ص ۲۰۶ ۳؎ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۴۳

جو تمھارے سامنے پیش رہا ہے، واقعۂ صفین کے بعد سے اس سے مجھ سے کوئی گفتگو نہیں ہوئی، حالانکہ اس کی خوشنودی میرے نزدیک تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہے، ابو سعید خدری رضی نے کہا، کیا آپ ان سے مل کر عذر خواہی نہ کرینگے؟ بولے کیوں نہیں؟ دوسرے روز ابو سعید خدری رضی کو ساتھ لیکر عذر خواہی کے لئے تشریف لے گئے، حضرت امام حسین رضی کو ان سے ملنے میں پس وپیش تھا، لیکن حضرت عبداللہ بن عمرو رضی نے اصرار کرکے اندر آنے کی اجازت حاصل کی اور واقعۂ صفین میں اپنی شرکت کی عذر خواہی کرتے ہوئے کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق میں اپنے والد کی اطاعت پر مجبور تھا، لیکن خدا کی قسم! میں نے اس جنگ میں نہ تو اپنی تلوار برہنہ کی، نہ نیزہ سے کسی کو زخمی کیا اور نہ کوئی تیر چلایا۔[1]

وفات | سنہ ۶۵ھ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی نے فسطاط میں وفات پائی، لوگوں نے ان کو گھر ہی میں دفن کردیا، کیونکہ اس زمانہ میں مروان بن الحکم اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی کی فوجوں میں نہایت شدید جنگ ہو رہی تھی اور جنازہ کا عام قبرستان تک پہنچانا سخت دشوار تھا،[2]

حلیہ | یہ تھا قد بلند بالا، پیٹ بھاری، رنگ سرخ، اخیر عمر میں سر اور داڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے،

علم وفضل | حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اپنے علم وفضل کے لحاظ سے طبقۂ صحابہ رضی میں خاص امتیاز رکھتے تھے، انھوں نے اپنی مادری زبان کے علاوہ عبرانی میں بھی مخصوص دستگاہ حاصل کی تھی، اور توریت وانجیل کا نہایت غور سے مطالعہ کیا تھا، احادیث نبوی کا جس قدر کثیر ذخیرہ ان کے پاس تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی تک کو اعتراف تھا کہ عبداللہ ابن عمرو رضی کو مجھ سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۴ [2] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶،

لکھ لیتے تھے اور مین لکھتا نہ تھا۔[1]

مجموعۂ حدیث کے پہلے مدون — انھون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و ملفوظات کا ایک مجموعہ جمع کیا تھا جس کا نام صادقہ رکھا تھا چنانچہ جب ان سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا جس کے متعلق انھین زبانی کچھ یاد نہ ہوتا تو وہ اس مین دیکھکر جواب دیتے تھے، ابوقبیل فرماتے ہین کہ ایک مرتبہ مین نے پوچھا کہ "قسطنطنیہ پہلے فتح کیا جائے گا یا رومیہ؟" ان کو زبانی یاد نہ تھا، انھون نے صندوق منگا کر ایک کتاب نکالی اور اس کو ایک نظر دیکھ کر فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے لکھ رہے تھے کہ کسی نے یہی سوال کیا، ارشاد ہوا کہ "ہرقل کا شہر (یعنی قسطنطنیہ) پہلے فتح کیا جائے گا"۔[2]

حضرت عبد اللہؓ اس مجموعہ کو نہایت عزیز رکھتے تھے، مجاہد بیان کرتے ہین کہ ایک مرتبہ مین ان کی خدمت مین حاضر ہوا اور بستر کے نیچے سے ایک کتاب نکال کر دیکھنے لگا، انھون نے منع کیا، مین نے کہا "آپ تو مجھ کو کسی چیز سے منع نہ فرماتے تھے، یہ کیا ہے؟" فرمایا "یہ وہ صحیفۂ حق ہے جس کو مین نے تنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنکر جمع کیا تھا، پھر فرمایا، اگر یہ صحیفہ اور قرآن اور وہط کی جاگیر مجھکو دیدی جائے تو پھر مجھکو دنیا کی کچھ پروا نہ ہو"۔[3]

مرویات کی تعداد — حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی مرویات کی تعداد سات سو (۷۰۰) ہے جس مین ۱۷ بخاری اور مسلم دونون مین ہین، ان متفق علیہ حدیثون کے علاوہ ۸ بخاری مین ہین اور ۲۰ مسلم مین ہین۔[4]

حلقۂ درس — حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا، لوگ دور دراز ممالک سے سفر کرکے تحصیلِ حدیث کے لئے ان کی خدمت مین حاضر ہوتے تھے، اور وہ جہان پہنچ جاتے

[1] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶ [2] مسند احمد جلد ۲ ص ۱۷۶، [3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۴ [4] تہذیب ص ۳۰۸،

تھے شائقینِ علم کا ایک مجمع ان کے گرد وپیش ہو جاتا تھا، ایک نخعی شیخ کا بیان ہے کہ "ایک مرتبہ میں ایلیا، کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص میرے پہلو میں آکر کھڑا ہوا، نماز کے بعد لوگ ہر طرف سے اس کے پاس سمٹ آئے، دریافت سے معلوم ہوا کہ عبداللہ ابن عمرو بن العاصؓ یہی ہیں"[1]

وہ اپنے تلامذہ کے ساتھ نہایت محبت کے ساتھ پیش آتے تھے، ایک دفعہ ان کے گرد بہت بڑا مجمع تھا، ایک شخص اس کو چیرتا ہوا آگے بڑھا، لوگوں نے روکا تو فرمایا، "اس کو آنے دو" غرض وہ ان کے پاس آکر بیٹھا اور بولا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فرمان یاد ہو تو بیان کیجئے، فرمایا، "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مسلم وہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ رہیں، اور مہاجر وہ ہے جو خدا کی منع کی ہوئی باتوں کو چھوڑ دے"[2]

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے خرمنِ علم سے اہل بصرہ نے زیادہ خوشہ چینی کی کیونکہ ان کے حلقہ درس میں نسبتہً بصرہ والوں کا زیادہ ہجوم رہتا تھا[3]

اربابِ علم کی قدر شناسی وہ اپنے ذی علم معاصرین کی نہایت عزت کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کے سامنے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تذکرہ کیا گیا تو بولے "تم لوگوں نے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا جس کو میں اس دن سے بہت دوست رکھتا ہوں جس دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو اور سب سے پہلے عبداللہ بن مسعودؓ کا نام لیا،[4]

اخلاق حضرت عبداللہ بن عمروؓ اپنے زہد و تقویٰ اور کثرتِ عبادت کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتے تھے طبیعت فطرۃً رہبانیت کی طرف مائل تھی، دن عموماً روزوں میں بسر ہوتا اور رات عبادت میں گذر جاتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے بلا کر فرمایا، "عبداللہ!

---

[1] مسند احمد جلد ۲ ص ۱۹۰ [2] ایضاً ص ۱۹۲ [3] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶ [4] مسلم باب مناقب عبداللہ بن مسعودؓ،

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے عہد کیا ہے کہ تمام عمر دن کو روزے رکھو گے اور رات عبادت مین بسر کروگے،، بولے "ہان! یارسول اللہ (بابی انت وامی) فرمایا کہ "تم اس کی طاقت نہین رکھتے" روزہ رکھو اور افطار کرو، نمازین پڑھو اور آرام کرو، مہینہ مین صرف تین روزے رکھا کرو کیونکہ ہر نیکی کا معاوضہ دس گنا ہوتا ہے، لیکن اس کا ثواب تمام عمر روزہ رکھنے کے برابر ہے،، عرض کی "یارسول اللہ! مین اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہون" ارشاد ہوا کہ "ایک دن روزہ رکھو اور دو دن افطار کرو،، بولے "مین اس سے بھی زیادہ رہ سکتا ہون،، حکم ہوا کہ "ایک دن روزہ اور ایک دن افطار، داؤد (علیہ السلام) کا یہی طریقہ تھا اور یہ روزون کی بہترین صورت ہے،، عرض کی "مین اس سے بھی بہتر روزے رکھ سکتا ہون،، ارشاد ہوا کہ "اس سے بہتر کوئی روزہ نہین[1]"

اسلام کا مطمح نظر رہبانیت نہین، بلکہ انسان کے تمام فطری تعلقات کو خوشگوار بنانا ہے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی عبد اللہ بن عمرو بن العاص رض کے پاس تشریف لیجاتے اور ان کو تاکید فرماتے کہ شوقِ عبادت مین حقوقِ عباد کو بھول نہ جائین، فرماتے ہین کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر پر تشریف لاکر فرمایا کہ "روزے رکھو اور افطار کرو، نمازین پڑھو اور آرام کرو، کیونکہ تمھارے جسم کا، تمھاری آنکھون کا، تمھارے اہل وعیال کا اور تمھارے دوستون کا تم پر حق ہے" مین نے عرض کی "داؤد (علیہ السلام) کا روزہ کیا ہے؟،، ارشاد ہوا کہ "نصف عمر[2]"

غرض انھون نے تمام عمر روزون مین حضرت داؤد علیہ السلام کی پیروی کی، اور رات کا اکثر حصہ عبادت مین بسر کیا، تلاوت کا اس قدر شوق تھا کہ ہر تیسرے روز قرآن ختم کرلیتے

[1] بخاری باب صوم الدہر [2] ایضاً باب حق الجسم فی الصوم،

تھے، لیکن اخیر عمر مین جب کہ قوی مضمحل ہوگئے تو اس قدر سخت ریاضت دشوار گذرنے لگی، فرمایا کرتے تھے کاش! مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت قبول کر لیتا۔[1]

ذریعۂ معاش حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو اپنے والد سے وراثت مین بہت بڑی دولت اور بہت سے خدم و حشم ملے تھے، طائف مین وہط کے نام سے ان کی ایک جاگیر تھی جس کی قیمت کا سرسری تخمینہ دس لاکھ درہم تھا،[2] حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی طرف سے یہان زراعت ہوتی تھی۔[3] ایک مرتبہ عنبسہ بن ابی سفیان سے اس کے متعلق کچھ جھگڑا پیدا ہوگیا تھا، یہان تک کہ دونون طرف سے کشت و خون کی تیاریان ہوگئی تھین، خالد بن العاصؓ حضرت عبداللہؓ کو سمجھانے کے لئے آئے تو انھون نے جواب دیا، کیا تمھین معلوم نہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو اپنے مال کی حفاظت مین قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔[4]

حضرت صہیب بن سنانؓ

نام، نسب صہیب نام، ابو یحییٰ کنیت، والد کا نام سنان اور والدہ کا نام سلمیٰ بنت قعید تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، صہیب بن سنان بن مالک بن عبد عمرو بن عقیل بن عامر بن جندلہ بن جذیمہ بن کعب بن سعد بن اسلم بن اوس مناۃ بن النمر بن قاسط بن ہنب بن افصیٰ بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار الربعی النمری۔[5]

ابتدائی حالات حضرت صہیبؓ کا اصلی وطن ایک قریہ تھا جو باختلاف روایات موصل کے قریب لب دجلہ یا الجزیرہ مین واقع تھا، ان کے والد اور چچا کسریٰ کی طرف سے ابلہ کے عامل تھے۔

[1] بخاری باب حق الجسم فی الصوم [2] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶ [3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۴ [4] مسند احمد جلد ۲ ص ۲۰۶ [5] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۰

انھون نے ابھی دنیا کی صرف چند بہارین دیکھی تھین کہ رومی فوجون نے ابلہ پر چڑھائی کی، اور دوسرے مال و اسباب کے ساتھ اس نونہال کو بھی ساتھ لے گئے، سنان کے چمن زار پر اس گلِ سرسبد کے فقدان سے خزان آگئی، ان کی بہن امیمہ اور چچا لبید نے ان کی تلاش و جستجو مین دنیا کی خاک چھان ڈالی، تمام مجامع، میلون اور موسمی بازارون کا جائزہ لیا لیکن اس یوسف گم گشتہ کا کہین سراغ نہ لگا،[1]

وہ رومیون ہی مین پرورش پاکر جوان ہوئے، بنی کلب نے ان کو خرید کر مکہ پہنچایا اور ان سے عبد اللہ بن جدعان نے لے کر آزاد کردیا[2] لیکن ایک دوسری روایت ہے کہ وہ خود بھاگ کر آئے تھے، اور عبد اللہ سے صرف حلیفانہ تعلق تھا، غرض وہ مکہ مین اس کی زندگی تک اس کے ساتھ رہے،[3]

اسلام | مکہ مین اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو تفتیش و تحقیق کے خیال سے آستانۂ نبوت پر حاضر ہوئے، اتفاق سے حضرت عمارؓ بھی اسی خیال سے آرہے تھے، انھون نے ان کو دیکھ کر پوچھا "تم کس ارادہ سے آئے ہو؟" بولے "پہلے تم اپنا مقصد ظاہر کرو،" انھون نے کہا "مین محمدؐ سے مل کر ان کی گفتگو سننا چاہتا ہون،" بولے "میرا بھی یہی مقصد ہے" غرض دونون ایک ساتھ حاضر خدمت ہوکر مشرف باسلام ہوئے،[4] حضرت صہیبؓ پہلے رومی تھے جنھون نے صداے توحید کو لبیک کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ صہیب روم کا پہلا پھل ہے، آپ اس وقت ارقم بن ابی ارقم کے مکان مین پناہ گزین تھے، اور تیس سے زیادہ صحابۂ کرامؓ اس دائرہ مین داخل ہوچکے تھے جنمین اکثرون نے مشرکین کے خوف سے اس کو ظاہر نہین کیا تھا،[5]

---

[1] اصابہ جلد ۳ تذکرہ صہیب بن سنانؓ، [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۷، [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۱

[4] اسد الغابہ جلد ۴ تذکرہ عمار بن یاسرؓ [5] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۲،

ابتلاؤ استقامت حضرت صہیبؓ گو غریب الوطن تھے اور اس سرزمینِ کفر مین ان کا کوئی حامی و معاون نہ تھا، تاہم غیرتِ ایمان نے چھپ کر رہنا پسند نہ کیا، انھون نے ابتدا ہی مین اپنے تبدیلِ مذہب کا حال ظاہر کر دیا اور راہِ خدا مین گوناگون مصائب و مظالم برداشت کئے لیکن استقامت صبر اور تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا،[1]

ہجرت حضرت صہیبؓ سب سے آخری مہاجر تھے،[2] انھون نے رختِ سفر درست کر کے ہجرت کا قصد فرمایا، تو مشرکینِ قریش نہایت سختی کے ساتھ سدِ راہ ہوئے اور بولے "تم ہمارے یہان مفلس و محتاج آئے تھے، مکہ مین رہ کر دولت و ثروت جمع کی، اور اب یہ تمام سرمایہ اپنے ساتھ لئے جاتے ہو، خدا کی قسم ایسا نہ ہوگا" حضرت صہیبؓ نے اپنا ترکش دکھا کر کہا "اے گروہِ قریش! تم جانتے ہو کہ مین تم لوگون مین سب سے زیادہ صحیح نشانہ باز ہون، خدا کی قسم جب تک اس مین ایک تیر بھی ہے تم میرے قریب نہین آسکتے، اس کے بعد پھر اپنی تلوار سے مقابلہ کرون گا، ہان اگر مال و دولت چاہتے ہو تو کیا اس کو لے کر میرا راستہ چھوڑ دوگے؟" مشرکین نے اس پر رضامندی ظاہر کی، اور حضرت صہیبؓ اپنے مال و منال کے عوض متاعِ ایمان کا سودا خرید کر مدینہ پہنچے، حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم قبا مین حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مہمان تھے، حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بھی حاضرِ دربار تھے، کھجورون کا نقل ہو رہا تھا کہ حضرت صہیبؓ پہنچے، اور بھوک کی شدت سے بیتاب ہو کر اس پر ٹوٹ پڑے، چونکہ سفر مین ان کی ایک آنکھ آشوب کر آئی تھی، اس لئے حضرت عمرؓ نے تعجب سے کہا "یا رسول اللہ! آپ صہیب کو ملاحظہ نہین فرماتے کہ آشوبِ چشم کے باوجود کھجورین کھا رہے ہین،" آپ نے فرمایا "صہیب! تمھاری آنکھ تو آشوب کر آئی ہے اور تم کھجورین کھاتے ہو؟" مزاج نہایت بذلہ سنج تھا، بولے "مین صرف اپنی ایک تندرست

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۲ [2] ایضاً ص ۱۶۳

آنکھ سے کھاتا ہون" اس حاضر جوابی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے اختیار ہنس پڑے[1]،

جب بھوک کی شدت کسی قدر رفع ہوئی تو شکوہ وشکایت کا دفتر کھلا، حضرت ابو بکرؓ سے کہنے لگے کہ آپنے باوجود وعدہ مجھے شریکِ سفر نہ فرمایا، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ! آپنے بھی خیال نہ فرمایا، قریش نے مجھے تنہا دیکھ کر روک رکھا، بالآخر تمام دولت وثروت کے عوض اپنی جان خرید کر حاضر ہوا[2]، ارشاد ہوا "ابو یحیٰ! تمھاری تجارت پُرمنفعت رہی" اس کے بعد ہی قرآن پاک نے اس عظیم الشان قربانی کی ان الفاظ مین داد دی،[3]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ، (بقرہ) — لوگون مین کچھ ایسے لوگ بھی ہین جو خدا کی رضا جوئی کیلئے اپنی جانین بیچدیتے ہین،

حضرت صہیبؓ مدینہ مین حضرت سعد بن خثیمہؓ کے مہمان ہوئے اور حضرت حارث بن الصمہ انصاریؓ سے مواخات ہوئی[4]،

غزوات تیر اندازی مین کمال رکھتے تھے، غزوۂ بدر، احد، خندق اور تمام دوسرے معرکون مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے، عالم پیری مین وہ لوگون کو جمع کرکے نہایت لطف کے ساتھ اپنے جنگی کارنامون کی دلچسپ داستان سنایا کرتے تھے،

سہ روزہ خلافت حضرت عمرؓ ان سے نہایت حسن ظن رکھتے تھے اور خاص لطف ومحبت کے ساتھ پیش آتے تھے، انھون نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ حضرت صہیبؓ ہی ان کے جنازہ کی نماز پڑھائین اور اہل شوریٰ جب تک مسئلۂ خلافت کا فیصلہ نہ کرین، وہ امامت کا فرض انجام دین، چنانچہ انھون نے تین دن تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اس فرض کو

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۹ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ۳ ص ۱۶۳ [3] ایضاً مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۸ [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۳،

انجام دیا،[1]

وفات سنہ ۳۸ھ مین پیمانۂ حیات لبریز ہوگیا، ۷۰ برس کی عمر مین وفات پائی اور بقیع کے گورِ غریبان مین مدفون ہوئے،[2]

اخلاق حضرت صہیب سرچشمۂ اخلاق سے بہت زیادہ مستفیض ہوئے تھے، فرماتے ہین کہ نزولِ وحی سے پہلے ہی مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا فخر حاصل تھا،[3] اس بناپر ان مین تمام اوصاف حسنہ مجتمع ہوگئے تھے، حسن خلق، فضل وکمال کے ساتھ حاضر جوابی، بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی نے ان کی صحبت کو نہایت پُرلطف بنادیا تھا،[4]

مہمان نوازی، سخاوت وغربا پروری مین نہایت کشادہ دست تھے، یہان تک کہ لوگون کو اسراف کا دھوکا ہوتا تھا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا، صہیب! تمھاری باتین مجھے ناپسند ہین، اوّل یہ کہ تم نے ابو یحییٰ اپنی کنیت قرار دی، جو ایک پیغمبر کا نام ہے اور اس نام کی تمھاری کوئی اولاد نہین، دوسرے اسراف کرتے ہو اور تیسرے یہ کہ اپنے کو عرب کہتے ہو، بولے وہ یہ کنیت میری نہین بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز کردہ ہے، رہا اسراف تو اس مین میرا اساس عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے خیارکم من اطعم الطعام ورد السلام (یعنی تم لوگون مین سب سے بہتر وہ ہے جو لوگون کو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے) امر سوم کا جواب یہ ہے کہ مین درحقیقت عرب ہون چونکہ رومیون نے بچپن ہی مین مجھے غلام بناکر اہل وعیال سے جدا کردیا اس لئے مین اپنے خاندان اور قوم کو بھول گیا،[5]

حلیہ حضرت صہیبؓ کا حلیہ یہ تھا، قد میانہ بلکہ ایک حد تک کوتاہ، چہرہ نہایت سرخ، سر کے

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۳ [2] ایضاً [3] استیعاب تذکرہ صہیبؓ [4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۲، [5] مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۶،

بال گھنے، زمانہ پیری مین مہندی کا خضاب کرتے تھے،[1] زبان مین لکنت تھی، ایک دفعہ وہ اپنے ایک باغ مین یحنس غلام کو نیاس، نیاس کہہ کر پکار رہے تھے، حضرت عمرؓ نے سنا تعجب سے پوچھا کہ ان کو کیا ہو گیا ہے جو لوگون کو پکار رہے ہین، حضرت ام سلمہؓ نے عرض کی وہ لوگون کو نہین پکارتے بلکہ اپنے غلام یحنس کو پکار رہے ہین، لیکن لکنت کی وجہ سے اس نام کو ادا نہین کر سکتے،[2]

حضرت مصعب بن عمیرؓ

نام و نسب مصعب نام، ابو محمد کنیت، والد کا نام عمیر اور والدہ کا نام خناس بنت مالک تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے: مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی القرشی،[3]

ابتدائی حالات حضرت مصعبؓ مکہ کے ایک نہایت حسین و خوشرو نوجوان تھے، ان کے والدین ان سے نہایت شدید محبت رکھتے تھے، خصوصاً ان کی والدہ خناس بنت مالک نے مالدار ہونے کی وجہ سے اپنے لخت جگر کو نہایت ناز و نعم سے پالا تھا، چنانچہ وہ عمدہ سے عمدہ پوشاک اور لطیف سے لطیف خوشبو جو اس زمانہ مین میسر آسکتی تھی استعمال فرماتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ان کا تذکرہ کرتے تو فرماتے، مکہ مین مصعب سے زیادہ کوئی حسین، خوش پوشاک اور پروردۂ نعمت نہین ہے،[4]

اسلام خدائے پاک نے حسن ظاہری، سلامت ذوق اور طبع لطیف کے ساتھ آئینۂ دل کو بھی نہایت شفاف بنایا تھا، صرف ایک عکس کی دیر تھی کہ توحید کے دلربا خط و خال نے مسحور و متنفر کر دیا اور آستانۂ نبوت پر حاضر ہو کر اس کے شیدائیون مین داخل ہو گئے، یہ وہ زمانہ

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۶۱ [2] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۳۲ [3] اسد الغابہ تذکرۂ مصعب بن عمیر،
[4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۸۲،

تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی ارقمؓ کے مکان مین پناہ گزین تھے اور مسلمانون پر مکہ کی سرزمین تنگ ہو رہی تھی، اس بنا پر حضرت مصعبؓ نے ایک عرصہ تک اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا اور چھپ چھپ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوتے رہے، لیکن ایک روز اتفاقاً عثمان بن طلحہ نے نماز پڑھتے دیکھ لیا اور ان کی مان اور خاندان والون کو خبر کر دی، انھون نے سنا تو محبت نفرت سے مبتدل ہو گئی اور مجرم توحید کے لئے شرک کی عدالت نے قیدِ تنہائی کا فیصلہ سنایا،[1]

ہجرت حبشہ حضرت مصعبؓ ایک عرصہ تک قید کے مصائب برداشت کرتے رہے، لیکن زندان خانہ کی تلخ زندگی نے بالآخر ترکِ وطن پر مجبور کر دیا، اور متلاشیانِ امن وسکون کے ساتھ سرزمین حبش کی راہ لی، اس ناز پروردہ نوجوان کو اب نہ تو نرم و نازک کپڑون کی حاجت تھی نہ نشاط افزا عطریات کا شوق اور نہ دنیاوی عیش وتنعم کی فکر تھی، صرف جلوۂ توحید کے ایک نظارہ نے تمام فانی ساز وسامان سے بے نیاز کر دیا، غرض ایک مدت کے بعد حبش سے پھر مکہ واپس آئے ہجرت کے مصائب سے رنگ وروپ باقی نہ رہا تھا، تو خود ان کی مان کو اپنے نورِ نظر کی پریشان حالی پر رحم آگیا اور مظالم کے اعادہ سے باز آگئی،[2]

تعلیم دین واشاعتِ اسلام اس اثنا مین خورشید اسلام کی ضیا پاش شعاعین کوہِ فاران کی چوٹیون سے گذر کر وادیِ یثرب تک پہنچ چکی تھین اور مدینہ منورہ کے ایک معزز طبقہ نے اسلام قبول کر لیا تھا، انھون نے دربار نبوت مین درخواست بھیجی کہ ہماری تعلیم وتلقین پر کسی کو مامور فرمایا جائے، حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ جوہر شناس نے اس خدمت کے لئے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو منتخب کیا اور چند زرین نصائح کے بعد مدینہ منورہ کی طرف روانہ فرمایا،[3]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ مصعب بن عمیرؓ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۲ [3] ایضاً ص ۸۳،

حضرت مصعبؓ مدینہ پہنچکر حضرت اسعد بن زرارہؓ کے مکان پر فروکش ہوئے اور گھر گھر پھر کر تعلیمِ قرآن و اشاعتِ اسلام کی خدمت انجام دینے لگے، اس طرح رفتہ رفتہ جب کلمہ گویون کی ایک جماعت پیدا ہوگئی تو نماز و تلاوتِ قرآن کے لئے کبھی حضرت اسعدؓ کے مکان پر اور کبھی بنی ظفر کے گھر پر سب کو جمع کیا کرتے تھے، ایک روز حضرت مصعبؓ حسب معمول بنی ظفر کے گھر مین چند مسلمانون کو تعلیم دے رہے تھے کہ قبیلۂ عبد الاشہل کے سردار (حضرت) سعد بن معاذؓ نے اپنے رفیق (حضرت) اُسید بن حضیرؓ سے کہا، "اس داعیِ اسلام کو اپنے محلہ سے نکال دو جو یہان آکر ہمارے ضعیف الاعتقاد اشخاص کو گمراہ کرتا ہے، اگر اسعد (میزبانِ حضرت مصعبؓ) سے مجھ کو رشتہ داری کا تعلق نہ ہوتا تو مین تم کو اس کی تکلیف نہ دیتا" یہ سن کر حضرت اسیدؓ نے نیزہ اٹھایا اور حضرت مصعبؓ و اسعدؓ کے پاس آکر خشم آلود لہجہ مین کہا "تمھین یہان کس نے بلایا ہے کہ ضعیف رائے والون کو گمراہ کرو؟ اگر تم کو اپنی جانین عزیز ہین تو بہتر یہ ہے کہ ابھی یہان سے چلے جاؤ" حضرت مصعبؓ نے نرمی سے جواب دیا "بیٹھ کر ہماری باتین سنو، اگر پسند آئے، قبول کرو ورنہ ہم خود چلے جائین گے" حضرت اُسیدؓ نیزہ گاڑ کر بیٹھ گئے اور غور سے سننے لگے، حضرت مصعبؓ نے چند آیاتِ کریمہ تلاوت کرکے اس خوبی کے ساتھ عقائد و محاسنِ اسلام بیان فرمائے کہ تھوڑی ہی دیر مین حضرت اسیدؓ کا دل نورِ ایمان سے چمک اٹھا اور بیتاب ہوکر بولے "کیسا اچھا مذہب ہے! کیسی بہتر ہدایت ہے!! اس مذہب مین داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟" حضرت مصعبؓ نے فرمایا "پہلے نہا دھوکر پاک کپڑے پہنو، پھر صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرو" انھون نے فوراً اس ہدایت کی تعمیل کی اور کلمہ پڑھ کر کہا "میرے بعد ایک اور شخص ہے جس کو ایمان پر لانا ہوگا، اگر وہ اس دائرہ مین داخل ہوگیا تو تمام قبیلۂ عبد الاشہل اسکی پیروی کرے گا، مین ابھی اس کو آپکے پاس بھیجتا ہون"

حضرت اسیدؓ غیظ و غضب کے عوض عشق و محبت کا سودا خرید کر اپنے قبیلہ مین واپس آئے تو حضرت سعد بن معاذؓ نے دور ہی سے دیکھ کر فرمایا "خدا کی قسم اس شخص کی حالت مین ضرور کچھ انقلاب ہو گیا ہے" اور جب قریب آئے تو پوچھا "کہو کیا کر آئے؟" بولے "خدا کی قسم وہ دونون ذرا بھی خوفزدہ نہ ہوئے، مین نے ان کو منع کیا تو وہ بولے کہ ہم وہی کرین گے جو تم پسند کرو گے۔ لیکن مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ بنی حارثہ اس وجہ سے اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے نکلے ہین کہ وہ تمھارا خالہ زاد بھائی ہے تاکہ اس طرح تمھاری تذلیل ہو" چونکہ بنی حارثہ اور عبد الاشہل مین دیرینہ عداوت تھی اس لئے حضرت اسیدؓ کا افسون کارگر ہو گیا، حضرت سعد بن معاذؓ جوش غضب سے اٹھ کھڑے ہوئے اور تخالف مذہبی کے باوجود اسعد کی مدد کے لئے دوڑے، لیکن جب یہان پہنچکر بالکل سکون و اطمینان دیکھا تو سمجھ گئے کہ اسید نے ان دونون سے بالمشافہ گفتگو کرنے کے لئے محض اشتعال دلایا ہے، غرض نسبی ترحم فوراً مذہبی تعصب سے مبدل ہو گیا اور خشمگین لہجہ مین بولے "ابو امامہ خدا کی قسم اگر رشتہ داری کا پاس نہ ہوتا تو مین تمھارے ساتھ نہایت سختی کے ساتھ پیش آتا، تمھین کیونکر ہمارے محلہ مین علانیہ ایسے عقائد پھیلانے کی ہمت ہوئی جس کو ہم سخت ناپسند کرتے ہین، حضرت مصعبؓ نے نرمی سے جواب دیا کہ پہلے ہماری باتین سنو اگر پسند آئین تو قبول کرو ورنہ ہم خود تم سے کنارہ کش ہو جائین گے، حضرت سعدؓ نے اس کو منظور کر لیا، تو انھون نے ان کے سامنے بھی اس خوبی سے اسلام کا نقشہ پیش کیا کہ حضرت سعدؓ کا چہرہ نور ایمان سے چمک اٹھا، اسی وقت مسلمان ہوئے اور جوش مین بھرے ہوئے اپنے قبیلہ والون کے پاس آئے اور ببانگ بلند سوال کیا، "اے بنی اشہل! بتاؤ مین تمھارا کون ہون" انھون نے کہا "تم ہمارے سردار اور ہم سب سے زیادہ عاقل اور عالی نسب ہو" بولے خدا کی قسم تمھارے مردون اور تمھاری عورتون سے گفتگو کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم خدا اور اس کے رسول

پر ایمان نہ لاؤ"، اس طرح عبد الاشہل کا تمام قبیلہ حضرت سعد بن معاذؓ کے اثر سے اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا[1]

حضرت مصعبؓ ایک عرصہ تک حضرت اسعد بن زرارہؓ کے مہمان رہے لیکن جب بنی نجار نے ان پر تشدد شروع کیا تو حضرت سعد بن معاذؓ کے مکان پر اٹھ آئے اور یہیں سے اسلام کی روشنی پھیلاتے رہے، یہاں تک کہ خطمہ، وائل اور واقف کے چند مکانات کے سوا عوالی اور مدینہ کے تمام گھر روشن ہو گئے،[2]

مدینہ میں جمعہ قائم کرنا مدینہ منورہ میں جب کلمہ گویوں کی ایک معتدبہ جماعت پیدا ہو گئی تو حضرت مصعبؓ نے دربارِ نبوت سے اجازت حاصل کر کے حضرت سعد بن خیثمہؓ کے مکان میں جماعت کے ساتھ نمازِ جمعہ کی بنا ڈالی، پہلے کھڑے ہو کر ایک نہایت مؤثر خطبہ دیا، پھر خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھائی اور بعد نماز حاضرین کی ضیافت کے لئے ایک بکری ذبح کی گئی، اس طرح وہ شعار اسلامی جو عبادت الٰہی کے علاوہ ہفتہ میں ایک دفعہ برادرانِ اسلام کو باہم بغلگیر ہونے کا موقع دیتا ہے، خاص حضرت مصعب بن عمیرؓ کی تحریک سے قائم کیا گیا،[3]

بیعت عقبۂ ثانیہ عقبہ کی پہلی بیعت میں صرف بارہ انصار شریک تھے، لیکن حضرت مصعبؓ نے ایک ہی سال میں تمام اہلِ یثرب کو اسلام کا فدائی بنا دیا، چنانچہ دوسرے سال تہتر (۷۳) کا بڑا گروہ کی پُرعظمت جماعت اپنی قوم کی طرف سے تجدید بیعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں مدعو کرنے کے لئے روانہ ہوئی، ان کے معلم دین حضرت مصعب بن عمیرؓ بھی ساتھ تھے انھوں نے مکہ پہنچتے ہی سب سے پہلے آستانۂ نبوت پر حاضر ہو کر اپنی حیرت انگیز کامیابی کی مفصل داستان

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۳۹ و خلاصۃ الوفاء ص ۱۹۰ [2] سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۳۹ و خلاصۃ الوفاء ص ۱۹۱
[3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۸۳،

عرض کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت دلچسپی کے ساتھ تمام واقعات سنے اور ان کی محنت وجانفشانی سے بیحد محظوظ ہوئے۔[1]

حضرت مصعبؓ کی ماں نے بیٹے کے آنے کی خبر سنی تو کہلا بھیجا "اے نافرمان فرزند کیا تو ایسے شہر میں آئے گا جس میں میں موجود ہوں اور تو پہلے مجھ سے ملنے نہ آئے؟" انہوں نے جواب دیا "میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی سے ملنے نہیں جاؤں گا" حضرت مصعبؓ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ملازمت حاصل کر چکے تو اپنی ماں کے پاس آئے، اس نے کہا "میں سمجھتی ہوں کہ تو اب تک ہمارے مذہب سے برگشتہ ہے" بولے "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین برحق اور اس اسلام کا پیرو ہوں جس کو خدا نے خود اپنے لئے اور اپنے رسول کے لئے پسند کیا ہے" ماں نے کہا "کیا تم اس مصیبت کو بھول گئے جو تم کو ایک دفعہ سرزمین حبش میں برداشت کرنا پڑی اور اب یثرب میں سہنا پڑتی ہے؟ افسوس دونوں دفعہ تم نے غمخواری کا کچھ شکریہ ادا نہ کیا" حضرت مصعبؓ سمجھ گئے کہ شاید پھر مجھ کو قید کرنے کی فکر میں ہے، چلا کر بولے "کیا تو جبراً کسی کو اس کے مذہب سے پھیر سکتی ہے؟ اگر تیرا منشاء ہے کہ پھر مجھ کو قید کر دے تو پہلا شخص جو میری طرف بڑھے گا اس کو یقیناً قتل کر ڈالوں گا" ماں نے یہ تیور دیکھے تو کہا "بس تو میرے سامنے سے چلا جا" اور یہ کہہ کر رونے لگی،

حضرت مصعبؓ اس کیفیت سے متاثر ہوئے اور کہنے لگے "اے میری ماں! میں تجھے خیر خواہی ومحبت سے مشورہ دیتا ہوں کہ تو گواہی دے کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول برحق ہیں" اس نے کہا "چمکنے ہوئے تاروں کی قسم! میں اس مذہب میں داخل ہو کر اپنے آپ کو احمق نہ بناؤں گی، جا میں تجھ سے اور تیری باتوں سے ہاتھ دھوتی ہوں اور اپنے مذہب سے وابستہ رہوں گی"[2]

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۸۳ [2] ایضاً

ہجرتِ مدینہ حضرت مصعب رضؓ نے مکہ آنے کے بعد ذی الحجہ، محرم اور صفر کے مہینے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خدمت مین بسر کئے، اور پہلی ربیع الاول کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بارہ دن پہلے مستقل طور پر ہجرت کرکے مدینہ کی راہ لی،[1]

غزوات سنہ ۲ھ سے حق و باطل مین خونریز معرکون کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت مصعب بن عمیرؓ میدانِ فصاحت کی طرح عرصۂ وغا مین بھی نمایان رہے، غزوۂ بدر مین جماعتِ مہاجرین کا سب سے بڑا علم ان کے ہاتھ مین تھا، غزوۂ احد مین بھی علمبرداری کا تمغاے شرف ان ہی کو ملا،

شہادت اس جنگ مین ایک اتفاقی غلطی نے جب فتح و شکست کا پانسہ پلٹ دیا اور فاتح مسلمان ناگہانی طور سے مغلوب ہو کر منتشر ہو گئے تو اس وقت بھی یہ علمبردارِ اسلام یکہ و تنہا مشرکین کے نرغہ مین ثابت قدم رہا، کیونکہ لواے توحید کو پیچھے کی طرف جنبش دینا اس فدائی ملت کے لئے سخت عار تھا، غرض اسی حالت مین مشرکین کے شہسوار ابن قمئہ نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا جس سے داہنا ہاتھ شہید ہو گیا، لیکن بائین ہاتھ نے فوراً علم کو پکڑ لیا، اس وقت ان کی زبان پر یہ آیت جاری تھی،

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ	اور محمد صرف رسول ہین، ان سے پہلے بھی بہت
قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران ع ۱۵)	سے رسول گذر چکے ہین،

ابن قمئہ نے دوسرا وار کیا تو بایان ہاتھ بھی قلم تھا، لیکن اس دفعہ دونون بازؤن نے حلقہ کرکے علم کو سینہ سے چمٹا لیا، اس نے جھنجھلا کر تلوار پھینک دی اور اس زور سے نیزہ تاک کر مارا کہ اس کی انی ٹوٹ کر سینہ مین رہ گئی اور اسلام کا سچا فدائی اسی آیت کا اعادہ کرتے ہوئے فرشِ خاک پر دائمی راحت کی نیند سو رہا تھا، لیکن اسلامی پھریرا سرنگون ہونے کے لئے نہین آیا

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۲،

تھا، ان کے بھائی ابوالروم بن عمیرؓ نے بڑھ کر اس کو سنبھالا اور آخر وقت تک شجاعانہ مدافعت کرتے رہے۔[۱]

تجہیز و تکفین لڑائی کے خاتمہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مصعب بن عمیرؓ کی لاش کے قریب کھڑے ہوئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی،

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ الآيه	مومنین میں سے چند آدمی ایسے ہیں جنھوں نے خدا سے جو کچھ عہد کیا تھا اس کو سچا کر دکھایا،

پھر لاش سے مخاطب ہو کر فرمایا "میں نے تم کو مکہ میں دیکھا تھا جہاں تمھارے جیسا حسین و خوش پوشاک کوئی نہ تھا، لیکن آج دیکھتا ہوں کہ تمھارے بال الجھے ہوئے ہیں اور جسم پر صرف ایک چادر ہے،" پھر ارشاد ہوا "بیشک خدا کا رسول گواہی دیتا ہے کہ تم لوگ قیامت کے دن بارگاہِ خداوندی میں حاضر رہو گے،" اس کے بعد غازیانِ دین کو حکم ہوا کہ کشتگانِ راہِ خدا کی آخری زیارت کر کے سلام بھیجیں اور فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ روزِ قیامت تک جو کوئی ان پر سلام بھیجیگا وہ اس کا جواب دیں گے۔"[۲]

اس زمانہ میں غربت و افلاس کے باعث شہیدانِ ملت کو کفن تک نصیب نہ ہوا، حضرت مصعب بن عمیرؓ کی لاش پر صرف ایک چادر تھی کہ جس سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں برہنہ ہو جاتے، اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا، بالآخر چادر سے چہرہ چھپایا گیا، پاؤں پر اذخر کی گھانس ڈالی گئی،[۳] اور ان کے بھائی حضرت ابوالروم بن عمیرؓ نے حضرت عامر بن ربیعہؓ اور حضرت سویط بن سعدؓ کی مدد سے سپردِ خاک کیا، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔[۴]

---

[۱] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۸۵ [۲] ایضاً [۳] بخاری باب غزوۂ احد ص ۵۷۰ [۴] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۸۶۔

فضل وکمال | حضرت مصعبؓ نہایت ذہین، طباع اور خوش بیان تھے، یثرب میں جس سرعت کے ساتھ اسلام پھیلا اس سے ان کے ان اوصاف کا اندازہ ہو سکتا ہے، قرآن شریف جس قدر نازل ہو چکا تھا اس کے حافظ تھے، مدینہ میں نمازِ جمعہ کی ابتدا، ان ہی کی تحریک سے ہوئی اور یہی سب سے پہلے امام مقرر ہوئے[1]

اخلاق | اخلاقی پایہ نہایت بلند تھا، ظلم کے مکتب نے مزاج میں صرف متانت ہی پیدا نہ کی تھی بلکہ مصائب برداشت کرنے کا خوگر بنا دیا تھا، خصوصاً ملک حبش کی صحرانوردیوں نے جفاکشی، استقلال و استقامت کے نہایت زرین اسباق دیئے تھے اور اچھی طرح سکھا دیا تھا کہ دشمنوں میں رہ کر کس طرح اپنا مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نومسلموں کی تعلیم و تربیت اور اشاعتِ اسلام جیسے اہم خدمات پر ان کو مامور فرمایا تھا،

مزاج قدرۃً نہایت لطافت پسند تھا، اسلام قبول کرنے سے پہلے عمدہ سے عمدہ پوشاک اور بہتر سے بہتر عطریات استعمال فرماتے، حضرمی جوتا جو اس زمانہ میں صرف امراء کے لئے مخصوص تھا وہ ان کے روزمرہ کے کام میں آتا، غرض ان کے وقت کا اکثر حصہ آرائش، زیبائش اور زلفِ مشکین کے سنوارنے میں بسر ہوتا تھا، لیکن جب اسلام لائے تو شراب توحید نے کچھ ایسا مست کر دیا کہ تمام تکلفات بھول گئے، ایک روز دربارِ نبوت میں اس شان سے حاضر ہوئے کہ جسم پر ستر پوشی کے لئے صرف ایک کھال کا ٹکڑا تھا جس میں جابجا سے پیوند لگے ہوئے تھے، صحابۂ کرامؓ نے دیکھا تو سب نے عبرت سے گردنیں جھکا لیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "الحمد للہ اب دنیا اور تمام اہل دنیا کی حالت بدل جانا چاہئے، یہ وہ نوجوان ہے جس سے زیادہ مکہ میں کوئی نازپروردہ نہ تھا لیکن نکوکاری کی رغبت اور خدا اور رسول کی محبت نے اس کو تمام چیزوں سے بے نیاز کر دیا،"[2]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۸۳ [2] ایضاً ص ۸۲،

حلیہ	حلیہ یہ تھا، قدمیانہ، چہرہ حسین نرم و نازک اور زلفین نہایت خوبصورت تھین [۱]
اہل وعیال	حضرت مصعبؓ کی بیوی کا نام حمنہ بنت حجش تھا جس سے زینب نام ایک لڑکی یادگار چھوڑی تھا

حضرت عثمان بن مظعون رض

نام، نسب	عثمان نام، ابو السائب کنیت، والد کا نام مظعون اور والدہ کا نام سخیلہ بنت العنبس تھا

پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:- عثمان بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح بن عمرو بن ہصیص ابن کعب بن لوئی بن غالب القرشی الجمحی۔ [۳]

قبل اسلام	حضرت عثمانؓ فطرۃً سلیم الطبع، نیک نفس و پاکباز تھے، ایام جاہلیت مین عرب کا ہر بچہ

مست خرابات تھا، لیکن ان کی زبان اس وقت بھی بادۂ ارغوانی کے ذائقہ سے ناآشنا تھی، اور فرمایا کرتے تھے کہ ایسی چیز پینے سے کیا فائدہ جس سے انسان کی عقل مین فتور آجائے ذلیل و کم رتبہ آدمی اس کو مضحکہ بنائین اور نشہ کی حالت مین ماں بہن کی تمیز بھی جاتی رہے۔ [۴]

اسلام	اس فطری پاکبازی کے باعث ان کا لوحِ دل بالکل صاف تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی تبلیغ و تلقین نے بہت جلد توحید کا نقش ثبت کر دیا، ارباب سیر کا بیان ہے کہ اس وقت تک صرف تیرہ صحابہؓ ایمان لائے تھے [۵]، ابن سعد کی ایک روایت ہے کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ حضرت عبیدہ بن الحارثؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسدؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارقم بن ابی ارقمؓ کے مکان مین پناہ گزین

---

[۱] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۸۰ [۲] ایضاً ص ۸۱ [۳] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵ [۴] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۲۸۶ [۵] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵،

ہونے سے پہلے ایک ساتھ مشرف باسلام ہوئے تھے[۱]

ہجرت حبشہ ومعاودت — ۵ نبوی مین بلاکشانِ اسلام کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ملک حبش کی راہ لی، حضرت عثمانؓ بن مظعون اسی خانمان گروہ کے امیر تھے[۲] ایک عرصہ تک وہان مقیم رہنے کے بعد اس غلط افواہ کی بنا پر کہ تمام قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے پھر واپس تشریف لائے، لیکن جب مکہ کے قریب پہنچکر خبر بے بنیاد نکلی تو سخت پریشان ہوئے کیونکہ دوبارہ اتنی دور لوٹ جانا بھی دشوار تھا، اور دوسری طرف مکہ مین داخل ہونے سے مشرکین کا خوف دامنگیر ہوتا تھا، غرض اسی حیص بیص مین جہان تک پہنچے تھے وہین رک گئے اور جب ان کے تمام ساتھی ایک ایک کرکے اپنے مشرک اعزہ واحباب کی پناہ مین مکہ پہنچ گئے تو وہ بھی ولید بن مغیرہ کی حمایت حاصل کرکے مکہ مین داخل ہوئے[۳]

ولید بن مغیرہ کے اثر نے گو حضرت عثمانؓ کو اذیتون سے محفوظ کر دیا تھا تاہم وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور دوسرے صحابہ کرامؓ کو مبتلائے مصیبت دیکھ کر اس ذاتی راحت واطمینان کو گوارا نہ کر سکے اور ایک روز خود بخود اپنے نفس کو ان الفاظ مین ملامت فرمائی،" افسوس! میرے احباب اور خاندان والے راہِ خدا مین طرح طرح کے مصائب برداشت کر رہے ہین اور مین ایک مشرک کی حمایت مین اس چین اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہون! خدا کی قسم یہ میرے نفس کی بہت بڑی کمزوری ہے" اس خیال نے بیتاب کر دیا، اسی وقت ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچے اور فرمایا،" اے ابو عبد شمس! تمھاری ذمہ داری پوری ہو چکی، اس وقت تک مین تمھاری پناہ مین تھا لیکن اب خدا اور اس کے رسول کی حمایت مین رہنا پسند کرتا ہون، میرے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کا نمونہ بس ہے" ولید نے کہا " شاید تمھین کسی نے اذیت

[۱] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸۶، [۲] سیرت ابن ہشام جلد ۱ باب الہجرۃ الی الحبشۃ [۳] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵،

پہنچائی؟ بولے "نہین اصل یہ ہے کہ اب مجھے خدا کے سوا اور کسی کی حمایت درکار نہین، تم ابھی میرے ساتھ خانۂ کعبہ چلو اور جس طرح تم نے میری حمایت کا اعلان کیا تھا اسی طرح اس کو واپس لینے کا اعلان کردو،" غرض ولید نے اصرار سے مجبور ہو کر ان کی خواہش کو مجمع عام مین بیان کیا، حضرت عثمان بن مظعونؓ نے کھڑے ہو کر اس کی تصدیق کی، اور فرمایا "صاحبو! مین نے ولید کو نہایت ہی باوفا اور مہربان پایا، لیکن چونکہ اب مجھے خدا کے سوا اور کسی کی حمایت پسند نہین ہے، اس لئے مین خود ہی اس بارِ احسان سے سبکدوش ہوتا ہون،"

حضرت عثمان بن مظعونؓ اس اعلان کے بعد لبید بن ربیعہ کے ساتھ قریش کی ایک مجلس مین تشریف لائے، لبید چونکہ اس زمانہ کا مشہور شاعر تھا، اس لئے اس کے پہنچتے ہی شعر و شاعری شروع ہو گئی، اس نے جب اپنا قصیدہ سناتے ہوئے یہ مصرعہ پڑھا "الا کل شیء ما خلی اللہ باطل" (یعنی خدا کے سوا تمام چیزین باطل ہین) تو حضرت عثمانؓ نے بے اختیار داد دی کہ "تم نے سچ کہا،" لیکن جب اس نے دوسرا مصرعہ پڑھا "و کل نعیم لا محالۃ زائل" (یعنی تمام نعمتین یقیناً زائل ہو جائین گی،" تو بول اٹھے "جھوٹ کہتے ہو،" اس پر ایک دفعہ تمام مجمع نے ان کی طرف نگاہ غضب آلود ڈال کر لبید سے اس شعر کو مکرر پڑھنے کی فرمایش کی، اُس نے اعادہ کیا، تو حضرت عثمانؓ نے پھر پہلے مصرعہ کی تصدیق اور دوسرے کی تکذیب کر کے فرمایا "تم جھوٹ کہتے ہو جنت کی نعمتین کبھی زائل نہ ہون گی،" لبید نے خفیف ہو کر کہا "گروہ قریش! خدا کی قسم تمھاری مجلسون کا یہ حال نہ تھا،" اس اشتعال انگیز جملہ سے تمام مجمع مین برہمی پھیل گئی، اور ایک بدکردار نے حضرت عثمانؓ کی طرف بڑھ کر اس زور سے طمانچہ مارا کہ ایک آنکھ زرد پڑ گئی، لوگون نے کہا "عثمان! خدا کی قسم تم ولید کی حمایت مین نہایت معزز تھے اور تمھاری آنکھ اس صدمہ سے محفوظ تھی،" بولے "خدا کی حمایت سب سے زیادہ پاامن و ذی عزت ہے اور جو میری آنکھ صحیح و تندرست ہے وہ بھی اپنے رفیق کے صدمہ مین شریک

ہونے کی متمنی ہے"، ولید نے کہا "کیا اب بھی تم میری پناہ مین آنا قبول کرتے ہو؟" فرمایا میرے لئے حضرت خدا کی پناہ بس ہے۔[1]

ہجرتِ مدینہ حضرت عثمانؓ ایک عرصہ تک مکہ مین صبر وسکون کے ساتھ مظالم برداشت کرتے رہے، یہان تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عموماً تمام صحابۂ کرامؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو وہ اپنے خاندان کے ساتھ جس مین ان کے دونون بھائی حضرت قدامہ بن مظعونؓ، حضرت عبداللہ ابن مظعونؓ اور ان کے صاحبزادہ حضرت سائب بن عثمانؓ شامل تھے، اس سرزمینِ امن مین پہنچکر حضرت عبداللہ بن سلمہ عجلانیؓ کے مکان پر فروکش ہوئے، حضرت عثمانؓ نے اپنے اعزہ سے اس طرح مکہ کو خالی کردیا تھا کہ ان کے خاندان کا ایک ممبر بھی وہان رہنے نہ پایا اور تمام مکانات بند کردیئے گئے،[2]

مواخات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچکر حضرت عثمانؓ اور ان کے بھائیون کو مستقل سکونت کے لئے وسیع قطعاتِ زمین مرحمت فرمائے اور حضرت ابوالہیثم بن التیہانؓ سے بھائی چارہ کرادیا،[3]

غزوۂ بدر اور وفات حق وباطل کی اوّل کشمکش یعنی معرکۂ بدر مین شریک تھے، میدانِ جنگ سے واپس آکر اسی سال بیمار ہوئے، انصاری بھائی اور ان کی بیوی بچون نے دلسوزی کے ساتھ تیمار داری کی لیکن موت کا ازالہ ممکن نہ تھا، ہجرت کے ۳۰ ماہ بعد یعنی سنہ ۲ھ کے اخیر مین وفات پائی،[4]

حضرت ام العلاء انصاریہؓ جن کے گھر مین انھون نے وفات پائی، فرماتی ہین کہ جب تجہیز وتکفین کے بعد جنازہ تیار ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، مین نے کہا "ابو السائب! تم پر خدا کی رحمت ہو مین گواہی دیتی ہون کہ خدا نے تم کو معزز کیا"، ارشاد ہوا "تمھین کس طرح معلوم ہوا کہ خدا

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵ و ۳۸۶ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۲۸۸ [3] ایضاً ص ۲۸۸

[4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۲۸۸،

خدا نے معزز کیا؟ میں نے عرض کی میرا باپ آپ پر فدا ہو یا رسول اللہ پھر خدا کس کو معزز کرے گا؟" فرمایا "عثمان کو درجۂ یقین حاصل تھا اور میں اس کے لئے بہتری کی امید رکھتا ہوں، لیکن خدا کی قسم میں رسولِ خدا ہو کر بھی نہیں جانتا کہ میرا کیا انجام ہوگا"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حزن وملال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان بن مظعونؓ کی مفارقت کا شدید غم تھا، آپ نے تین دفعہ جھک کر ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اس قدر چشم پر نم ہوئے کہ اشک مبارک سے حضرت عثمانؓ کے رخسارے تر ہوگئے،[2] پھر سر مبارک اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا "ابو السائب! میں تم سے جدا ہوتا ہوں، تم دنیا سے اس طرح نکل گئے کہ تمہارا دامن ذرا بھی اس سے ملوث نہ ہوا"[3]

قبر

اس وقت تک مدینہ میں مسلمانوں کا کوئی خاص قبرستان نہ تھا، حضرت عثمانؓ کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام بقیع کو اس کے لئے منتخب فرمایا، چنانچہ وہ پہلے صحابی تھے جو اس گورِ غریباں میں مدفون ہوئے،[4] آپ نے خود جنازہ کی نماز پڑھائی، قبر کے کنارے کھڑے ہو کر اپنے اہتمام سے دفن کرایا، اور قبر کے سرے پر کوئی چیز بطور علامت نصب کر کے فرمایا "اب جو مرے گا وہ اسی کے آس پاس مدفون ہوگا"[5]

اخلاق

حضرت عثمانؓ کا اخلاقی پایہ نہایت ارفع تھا، شراب سے ایام جاہلیت ہی میں متنفر تھے، صبر، تحمل، اور اسلامی حمیت کے نمونے پہلے گذر چکے ہیں، مزاج میں شرم وحیا کا عنصر غالب تھا، ایک روز بارگاہِ نبوت میں عرض کی "یا رسول اللہ میں اپنی بیوی کو بھی اپنا سترِ عورت دکھانا پسند نہیں کرتا" ارشاد ہوا "کیوں؟" عرض کی "حیا دامنگیر ہوتی ہے" فرمایا "خدا نے اس کو تمہارے لئے اور تم کو اس کے

---

[1] بخاری کتاب الجنائز جلد ا ص ١٦٦ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جز ثالث ص ٢٨٨ [3] اسد الغابہ جلد ٣ ص ٣٨٠، [4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جز ثالث ص ٢٨٩ [5] ایضاً ص ٢٩١،

لئے بے پردہ بنایا ہے۔" وہ جب کچھ دیر کے بعد دربار سے چلے گئے تو آپ نے فرمایا "عثمان بن مظعون نہایت ہی باحیا اور پردہ پوش ہے۔"[1]

رہبانیت کی طرف میلانِ طبع

تبتل و رہبانیت کی طرف شدید میلان تھا، ایک دفعہ انھوں نے چاہا کہ قوائے شہوانیہ کو فنا کر کے صحرا نوردی اختیار کریں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باز رکھا اور فرمایا "کیا میری ذات تمہارے لئے اسوۂ حسنہ نہیں ہے؟ میں اپنی بیویوں سے ملتا ہوں، گوشت کھاتا ہوں، روزے رکھتا ہوں اور افطار کرتا ہوں، بیشک میری امت کا خصی ہونا صرف روزے رکھنا ہے، اس لئے جو شخص خصی کرے گا یا خصی بنے گا وہ میری امت سے نہیں ہے۔"[2]

عبادت

عبادت و شب زندہ داری حضرت عثمانؓ کا نہایت ہی پرلطف مشغلہ تھا، رات بھر نمازیں پڑھتے، دن کو عموماً روزے رکھتے، انھوں نے اپنے گھر میں عبادت کے لئے ایک حجرہ مخصوص کر دیا تھا جس میں رات دن معتکف رہتے تھے، ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حجرہ کے پاس تشریف لائے اور اس کی چوکھٹ پکڑ کر دو یا تین مرتبہ فرمایا "عثمان! خدا نے مجھے رہبانیت کے لئے مبعوث نہیں کیا ہے، سہل اور آسان دینِ حنیفی خدا کے نزدیک تمام ادیان سے بہتر ہے۔"[3]

شوقِ عبادت نے بیوی بچوں سے بالکل بے نیاز کر دیا تھا، ایک روز ان کی زوجۂ محترمہ حرم نبوی میں آئیں، امہات المومنینؓ نے ان کو خراب حالت میں دیکھ کر پوچھا "تم نے ایسی ہیئت کیوں بنا رکھی ہے؟ تمہارے شوہر سے زیادہ تو قریش میں کوئی دولت مند نہیں"، بولیں "مجھے ان سے کیا سروکار وہ رات رات بھر نمازیں پڑھتے ہیں، دن کو روزے رکھتے ہیں"، امہات المومنینؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ اسی وقت حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا "عثمان بن مظعون! کیا میری ذات تمہارے لئے نمونہ نہیں ہے؟" بولے "میرے باپ ماں آپ

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۲۸۰ [2] ایضاً و صحیح بخاری کتاب الصوم و کتاب النکاح [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ۳ ص ۲۸۷

پر فدا ہوں کیا بات ہوئی؟" ارشاد ہوا "تم رات بھر عبادت کرتے ہو، دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہو" عرض کی "ہاں" "ایسا کرتا ہوں" حکم ہوا، "ایسا نہ کرو، تمہاری آنکھ کا، تمہارے جسم کا اور تمہارے اہل وعیال کا تم پر حق ہے، نمازیں بھی پڑھو اور آرام بھی کرو، روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو" غرض اس فہمایش کے بعد ان کی بیوی پھر امہات المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو ایک دلہن کی طرح معطر تھیں۔[1]

اہل وعیال حضرت عثمان بن مظعونؓ نے اپنی زوجۂ محترمہ حضرت خولہ بنت حکیمؓ سے دو لڑکے عبدالرحمن اور سائب یادگار چھوڑے۔[2]

حضرت ارقمؓ بن ابی الارقم

نام ونسب ارقم نام، ابو عبداللہ کنیت، والد کا نام عبد مناف، ابو الارقم کنیت اور والدہ کا نام امیمہ تھا، شجرۂ نسب یہ ہے:- ارقم بن ابی الارقم بن اسد بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم،

حضرت ارقمؓ کا خاندان ایام جاہلیت میں مخصوص عزت واقتدار کا مالک تھا، ان کے دادا ابو جندب اسد بن عبداللہ اپنے زمانہ میں مکہ کے ایک نہایت سربرآوردہ رئیس تھے،

اسلام حضرت ارقمؓ گیارہ یا بارہ اصحاب کے بعد ایمان لائے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام کلمہ گویوں کی زندگی نہایت خطرہ میں تھی، مشرکینِ قریش چاہتے تھے کہ اس تحریک کو بااثر ہونے سے پہلے معدوم کردیں، لیکن اسلام فنا ہونے کے لئے نہیں آیا تھا، حضرت ارقمؓ نے مہبطِ وحیِ الہام اور تمام مسلمانوں کو اپنے مکان میں چھپایا، حضرت عمر فاروقؓ اسی گھر میں اسلام لے آئے، ان کے اسلام لانے کے وقت کم وبیش چالیس آدمی شرفِ اسلام سے مشرف ہو چکے تھے، آپ کے اسلام لانے سے مسلمانوں میں قوت پیدا ہوگئی، اس وقت اس حظیرۂ قدس کو چھوڑا،[3]

---

[1] طبقات ابن سعد جز ۳ ص ۲۸۷ [2] ایضاً ص ۲۸۶ [3] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۶۰ و اصابہ تذکرۂ ارقم،

ہجرت بعثت کے تیرھوین سال ہجرت کا حکم ہوا، تو حضرت ارقمؓ بھی دوسرے صحابۂ کرامؓ کے ساتھ مدینہ پہنچے، یہان حضرت ابو طلحہؓ زید بن سہل سے مواخات ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقل سکونت کے لئے بنی زریق کے محلہ مین ایک قطعۂ زمین عطا فرمایا۔[1]

غزوات حق و باطل کی اول کشمکش یعنی غزوۂ بدر مین شریکِ کارزار تھے، اس جنگ مین حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک تلوار مرحمت فرمائی تھی، احد، خندق، خیبر اور تمام دوسرے اہم معرکون مین بھی پامردی و شجاعت سے لڑے۔[2]

عہدہ زمانۂ رسالت مین تحصیلِ زکوٰۃ کی خدمت پر مامور تھے۔[3]

وفات ۸۳ برس کی عمر پاکر ۵۵ھ مین رحلت گزینِ عالمِ جاودان ہوئے، انھون نے وصیت فرمائی تھی کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جنازہ کی نماز پڑھائین، لیکن وہ مدینہ سے کچھ فاصلہ پر مقام عقیق مین تھے، ان کے آنے مین دیر ہوئی تو مروان بن حکم والیِ مدینہ نے کہا کہ ایک شخص کے انتظار مین جنازہ کب تک پڑا رہے گا؟ اور چاہا کہ خود بڑھ کر امامت کرے، لیکن عبید اللہ بن ارقمؓ نے اجازت نہ دی اور قبیلۂ بنی مخزوم ان کی حمایت پر تیار ہوگیا، غرض بات بڑھ چلی تھی کہ اسی اثناء مین حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تشریف لے آئے اور انھون نے نماز پڑھا کر بقیع کے گورستان مین دفن کیا۔[4] انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اخلاق تقویٰ، تدین، زہد و راستبازی حضرت ارقمؓ کے نمایان اوصاف تھے، عبادت و شب زندہ داری سے بیحد شوق تھا، ایک دفعہ انھون نے بیت المقدس کا قصد کیا اور رخصتِ سفر درست کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہونے آئے، آپ نے پوچھا کہ تجارت کے خیال سے جا ہو یا کوئی خاص ضرورت ہے؟ بولے "میرے باپ مان آپ پر فدا ہون یا رسول اللہ! کوئی

---

[1] طبقات ابن سعد ق ۱ جزء ۳ ص ۱۷۳ [2] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۶۰ [3] ایضاً [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۳ ص ۱۷۴

ضرورت نہین ہے، صرف بیت المقدس مین نماز پڑھنا چاہتا ہون"، ارشاد ہوا کہ میری اس مسجد کی ایک نماز مسجد حرام کے سوا تمام مساجد کی ہزار نمازون سے بہتر ہے، حضرت ارقمؓ یہ سنتے ہی بیٹھ گئے اور ارادہ فسخ ہوگیا۔[1]

ذریعۂ معاش | مختلف جاگیرون کے علاوہ اصلی ذریعۂ معاش تجارت تھی،

مکہ کا تاریخی مکان | ہجرت کے بعد مدینہ وطن ہوگیا تھا، اس لئے انھون نے مکہ کے مکان کو جو اپنی تاریخی عظمت کے لحاظ سے مرجع زائرین تھا، وقف علی الاولاد کردیا، تاکہ بیع و وراثت کے جھگڑون سے محفوظ رہے،[2]

یہ مکان کوہ صفا کے نیچے ایسے موقع پر تھا کہ جو لوگ حج مین صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے تھے، وہ ٹھیک اس کے دروازے پرسے ہوکر گذرتے تھے، ۱۴۵ھ مین خلیفہ منصور عباسی کے عہد تک وہ بجنسہ اپنی حالت پر موجود تھا، لیکن اسی سال محمد بن عبداللہ بن حسن نے مدینہ مین خروج کیا، چونکہ حضرت ارقمؓ کے پوتے عبداللہ بن عثمان ان کے معاونین مین تھے، اس لئے منصور نے والی مدینہ کو لکھ کر ان کو گرفتار کرایا اور اپنے ایک معتمد خاص شہاب بن عبدرب کو بھیجکر اس مکان کو فروخت کرنے کی ترغیب دی، عبداللہ بن عثمان نے پہلے انکار کیا، لیکن پھر قید سے مخلصی پانے کی بشارت اور گرانقدر معاوضہ کے طمع نے بیچنے پر راضی کردیا، غرض منصور نے سترہ ہزار دینار پر ان کا حصہ خرید لیا، رفتہ رفتہ دوسرے شرکاء بھی راضی ہوگئے، لیکن ان کا زر معاوضہ اس کے علاوہ تھا،

ابوجعفر منصور کے بعد خلیفہ مہدی نے اپنی جاریہ خیزران کو دیدیا، جس نے منہدم کرکے نئے سرے سے ایک محل تعمیر کرایا، پھر گردش ایام نے اس مین گوناگون تغیرات پیدا کئے، اور

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۰۴ [2] ایضاً

اس طرح آغازِ اسلام کی وہ پرعظمت یادگار جو عرصہ تک مطلعِ انوارِ الٰہی و مہبطِ ملائکۂ آسمانی رہی تھی صفحۂ ہستی سے معدوم ہوگئی،[1]

اولاد | حضرت ارقمؓ نے دو لڑکے عبید اللہ، عثمان اور تین لڑکیاں امیہ، مریم اور صفیہ یادگار چھوڑیں[2]

حضرت مقداد بن عمروؓ

نام، نسب | مقداد نام، ابو الاسود کنیت، عمرو کندی کے لختِ جگر تھے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، مقداد بن عمرو بن ثعلبہ بن مالک بن ربیعہ بن ثمامہ بن مطرود النہرانی،

حضرت مقدادؓ دراصل بہرا کے رہنے والے تھے، چونکہ ان کے خاندان کے ایک ممبر نے کسی ہمسایہ قبیلہ میں خونریزی کی تھی، اس لئے انتقام کے خوف سے کندہ چلے آئے تھے، لیکن یہاں بھی یہی مصیبت پیش آئی، بالآخر مکہ آکر آباد ہوئے اور اسود بن عبد یغوث کے خاندان سے حلیفانہ تعلق پیدا کرلیا جس نے محبت سے ان کو اپنا متبنیٰ کرلیا تھا، چنانچہ عمرو کے بجائے اسود ہی کے انتساب سے مشہور ہوئے،[3]

اسلام | وہ مکہ میں ابھی اچھی طرح توطن گزین بھی نہ ہونے پائے تھے کہ صدائے توحید کانوں میں آئی اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ نے ان کو اسلام کا شیدائی بنا دیا، یہ وہ پرآشوب زمانہ تھا کہ علانیہ ایک کو ایک کہنا ظلم و شرک میں شدید ترین جرم خیال کیا جاتا تھا، لیکن حضرت مقدادؓ نے اپنی بے بسی و غریب الوطنی کے باوجود اخفائے حق گوارا نہ کیا، چنانچہ وہ ان سات بزرگوں کی صف میں نظر آتے ہیں جنھوں نے ابتدا ہی میں اپنے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کا اعلان کردیا تھا،[4]

---

[1] طبقات ابن سعد ق ۱ جز ۳ ص ۱۷۰ و تاریخ یعقوبی [2] ایضاً ص ۱۷۳ [3] اسد الغابہ تذکرہ مقداد بن عمرو [4] ایضاً

ہجرت

اس حق پسندی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طرح طرح کے مصائب اور گوناگون مظالم کا نشانہ بنائے گئے، یہان تک کہ پیمانۂ صبر و تحمل لبریز ہوگیا اور مکہ چھوڑ کر عازمِ حبش ہوئے،[۱]

کچھ دنون کے بعد سرزمینِ حبش سے واپس آئے تو مدینہ کی طرف ہجرت کی تیاریان ہورہی تھین، لیکن وہ ایک عرصہ تک اپنی بعض دشواریون کے باعث مدینہ جانے سے مجبور رہے یہان تک کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے گئے اور کفر و اسلام مین فوجی چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہوا تو یہ اور حضرت عتبہ بن غزوانؓ ایک قریشی متجسس دستۂ فوج کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، عکرمہ بن ابی جہل اس کا امیر عسکر تھا، راہ مین مجاہدینِ اسلام کی ایک جماعت سے مٹ بھیڑ ہوئی، حضرت عبیدہ بن الحارثؓ اس کے افسر تھے، یہ دونون موقع پاکر مسلمانون سے مل گئے اور مدینہ پہنچکر حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مہمان ہوئے،[۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنی عدیلہ کے محلہ مین مستقل سکونت کے لئے زمین مرحمت فرمائی، کیونکہ حضرت ابی بن کعبؓ کی دعوت پر انھون نے اسی حصہ مین رہنا پسند کیا تھا،[۳]

غزوات

سنہ ۲ھ سے شرک و توحید مین باقاعدہ معرکہ آرائیون کا سلسلہ شروع ہوا اور مشرکین قریش کا ایک خوفناک سیلاب میدانِ بدر کی طرف امنڈ آیا، چونکہ جان نثارانِ رسول کے لئے یہ اولین آزمایش تھی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مشورہ طلب کرکے اس قلیل لیکن اولوالعزم جماعت کا امتحان لینا چاہا، چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی صداقت شعاری کا جوہر دکھایا، پھر ان کے بعد حضرت عمرؓ نے ایک تقریر مین اپنے خلوص و وفاشعاری کا اظہار کیا، لیکن حضرت مقدادؓ نے جس جوش و وارفتگی کے ساتھ اپنی فدویت و جان نثاری کا ثبوت دیا، اس نے یکایک تمام فدائیون کے جذبۂ سرفروشی مین ہیجان پیدا کردیا، انھون نے عرض کی،

---

[۱] طبقات ابن سعد ق ا جز ۳ ص ۱۴۱ [۲] اسد الغابہ تذکرہ مقداد بن عمرو [۳] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۱۴

"ہم قوم موسیٰ کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ "تو اور تیرا خدا جاکر لڑے" بلکہ ہم آپ کے داہنے، بائیں، آگے اور پیچھے اپنی جانبازی کے جوہر دکھائیں گے بلکہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ ہم کو برک غماد تک لے چلیں گے تو ہم آپ کے ساتھ جاکر لڑیں گے"[1]

اس سادہ لیکن پرجوش اظہار فدویت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر خوش ہوئے کہ فرطِ انبساط سے چہرۂ مبارک چمک اٹھا،[2]

حضرت مقدادؓ تیر اندازی، نیزہ بازی اور شہسواری میں کمال رکھتے تھے، جنگِ بدر میں صرف یہی یکہ و تنہا شہسوار تھے جو اپنے سبحہ صبا رفتار کو مہمیز کر رہے تھے، محدثین و اصحابِ سیر کا عام طور پر اتفاق ہے کہ اس جنگ میں ان کے سوا اور کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا، غزوۂ بدر کے علاوہ احد، خندق اور تمام دوسرے مشہور معرکوں میں پامردی و جانبازی کے ساتھ شریکِ کارزار تھے،[4]

فتح مصر

سنہ ۲۰ھ میں جب مصر پر فوج کشی ہوئی اور حضرت عمرو بن العاصؓ امیر عسکر نے دربار خلافت سے مزید کمک طلب کی تو حضرت عمرؓ نے دس ہزار سپاہی اور چار افسر جن میں سے ایک حضرت مقدادؓ بھی تھے ان کی مدد کے لئے روانہ فرمایا اور لکھا کہ ان افسروں میں سے ہر ایک دشمن کے ایک ہزار سپاہیوں کے برابر ہے، چنانچہ درحقیقت اس کمک کے پہنچتے ہی جنگ کی حالت بدل گئی اور نہایت قلیل عرصہ میں تمام سرزمینِ فراعنہ فرزندانِ توحید کا ورثہ بن گئی،[5]

وفات

حضرت مقدادؓ عظیم البطن تھے، ایام پیری میں یہ مرض زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوا تو ان کے ایک رومی غلام نے اس پر عمل جراحی کیا، جو غلطی سے ناکام رہا، بالآخر وہ خوف و ندامت کے باعث روپوش ہوگیا اور انھوں نے اسی حالت میں مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام جرف میں داعی

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ بدر، [2] سیرت ابن ہشام جلد اوّل ص ۴۵۷ [3] بخاری باب غزوۂ بدر۔
[4] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۴۸، [5] مقریزی جلد ۱ ص ۱۶۵

جنت کو لبیک کہا، یہ ۳۳ھ میں خلیفۂ ثالث کا عہد تھا، خود امیر المومنینؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور لاش مدینہ لاکر بقیع کے گورِ غریباں میں دفن کی گئی، انھوں نے کم و بیش ستر برس کی عمر پائی،[1]

اخلاق

حضرت مقدادؓ گوناگوں محاسنِ اخلاق کے مظہرِ اتم تھے، انھوں نے غزوۂ بدر کے موقع پر جس جوشِ فدویت کا اظہار کیا وہ تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کے لئے باعثِ رشک تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے "کاش! میں اس وقت جنگ میں شریک ہونے کے لائق ہوتا، اور یہ جملے میری زبان سے ادا ہوتے!" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں جنگِ بدر میں مقداد بن اسودؓ کے ساتھ تھا، حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس جنگ میں ان کے ساتھ ہونا اس قدر محبوب ہے کہ تمام دنیا اس کے آگے ہیچ ہے،[2]

سپاہیانہ سادگی، صاف گوئی اور ملنساری کے ساتھ زندہ دلی اور حاضر جوابی نے ان کی صحبت کو نہایت دلچسپ بنا دیا تھا، ایک دفعہ وہ کسی صراف کی دکان پر بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے ان کے بلغمی تن و توش پر طعنہ زن ہو کر کہا "ابو الاسود! خدا نے تم کو جہاد میں شریک ہونے سے معاف کر دیا ہے" برجستہ بولے "نہیں! انفروا خفافا وثقالا کا حکم اس سے منکر ہے"[3]

وہ نہایت صاف گو اور سادہ مزاج تھے، ایک دفعہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے ان سے کہا کہ تم شادی کیوں نہیں کرتے؟ سادگی کے ساتھ بولے "تم اپنی لڑکی سے بیاہ دو" حضرت عبدالرحمنؓ اس بیباکی و صاف گوئی پر سخت برہم ہوئے اور برا بھلا کہنے لگے، حضرت مقدادؓ نے ان کی اس برہمی کی شکایت دربارِ نبوت میں پیش کی تو ارشاد ہوا "اگر کسی کو انکار ہے تو ہونے دو میں تم کو اپنی بنتِ عم سے بیاہ دوں گا"، چنانچہ اس کے بعد ہی حضرت ضباعہ بنت زبیرؓ بن

---

[1] اصابہ جلد ۳ ص ۴۵۵ [2] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ بدر،

[3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۳ ص ۱۱۵

عبدالمطلب ان کے عقدِ نکاح میں آئیں۔[1]

آغازِ اسلام کی عسرت وناداری نے ان کو صد درجہ جفاکش وقانع بنادیا تھا، فرماتے ہیں کہ جب میں ہجرت کرکے مدینہ آیا، تو یہاں میرے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا کوئی سہارا نہ تھا، بھوک سے حالت تباہ تھی، بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو اور میرے دونوں ساتھیوں کو اپنے میزبان کلثوم بن ہدم کے گھر میں جگہ دی، آپکے پاس اس وقت صرف چار بکریاں تھیں جن کے دودھ پر ہم لوگوں کا گذارا تھا، ایک دفعہ رات کے وقت آپ باہر تشریف لے گئے اور دیر تک تشریف نہ لائے، میں نے خیال کیا کہ آج کسی انصاری نے دعوت دی ہوگی، اور آپ آسودہ ہو کر تشریف لائیں گے، اس خیال کے آتے ہی میں نے اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ کا دودھ بھی پی لیا، لیکن پھر خیال آیا کہ اگر یہ قیاس غلط ثابت ہوا تو بڑی ندامت ہوگی، غرض میں اسی کش وپنج میں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور دودھ کی طرف بڑھے، دیکھا تو پیالہ خالی تھا، مجھے اپنی غلطی پر سخت ندامت ہوئی، خصوصاً جب کہ آپنے کچھ کہنے کے لئے دونوں ہاتھ اٹھائے تو میرے خوف وہراس کی کوئی انتہا نہ تھی اور اندیشہ ہوا کہ عنقریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے ہماری دنیا وآخرت تباہ ہوجائے گی، لیکن آپنے فرمایا "اللھم اطعم من اطعمنی واسق من سقانی" یعنی "خدایا جو مجھے کھلائے اس کو کھلا اور جو مجھے سیراب کرے اس کو سیراب کر" اس دعا سے کچھ ہمت بڑھی، اٹھ کر بکریوں کے پاس گیا کہ شاید کچھ دودھ نکل آئے، لیکن خدا کی قدرت جس تھن پر ہاتھ پڑا وہ دودھ سے لبریز نظر آیا، غرض کافی مقدار میں دودھ خدمت بابرکت میں پیش کیا، آپنے پوچھا، کیا تم لوگ پی چکے ہو؟ عرض کی "یا رسول اللہ! آپ پہلے نوش فرمالیں تو پھر مفصل واقعہ عرض کروں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب سیر ہو کر نوش

[1] اصابہ جلد ۳ ص ۴۵۴،

فرمالیا تو مجھے اپنی گذشتہ غلطی و ندامت پر بے اختیار ہنسی آگئی، آپنے پوچھا، ابوالاسود! یہ کیا ہے؟ مین نے تمام واقعہ بیان کیا تو ارشاد ہوا "یہ خدا کی رحمت تھی تم نے اپنے دونون ساتھیون کو کیون بیدار نہ کردیا کہ وہ بھی اس سے مستفیض ہوتے"[۵]

خوشامدانہ مداحی سے سخت متنفر تھے، ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی کے دربار مین چند آدمیون نے ان کے روبرو تعریف و توصیف شروع کی، حضرت مقداد رض اس تملق اور چاپلوسی پر اس قدر برہم ہوئے کہ ان کے منھ پر خاک ڈالنے لگے، حضرت عثمان رض نے فرمایا، "مقداد! یہ کیا ہے؟" بولے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا ہے کہ خوشامدیون کے منھ مین خاک بھردو"[۶]

ایک دفعہ ایک تابعی نے ان کے پاس آکر کہا، مبارک ہین آپ کی آنکھین جنھون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے، کاش! مین بھی اس زمانہ مین ہوتا، حضرت مقداد رض ان پر سخت برہم ہوئے، لوگون نے تعجب سے پوچھا کہ یہ برہمی کی کیا بات تھی؟ بولے "حاضر کو چھوڑ کر غائب کی تمنا عبث ہے، جن لوگون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے ان مین بہت سے ایسے ہین جن کو ایمان نہ لانے کے باعث خدا نے جہنم داصل کردیا، اس کو کیا معلوم کہ وہ اس وقت کس گروہ مین ہوتا؟ تم لوگون کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ بغیر امتحان و آزمایش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے مستفیض ہوئے"[۷]

کسی شخص کے متعلق اچھی یا بری رائے قائم کرنے مین نہایت محتاط تھے، فرمایا کرتے تھے کہ مین صرف نتائج پر نظر رکھتا ہون خصوصاً جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ انسان کا دل نہایت تغیر پذیر ہے"[۸]

جاگیر و ذریعۂ معاش	تجارت اصلی ذریعۂ معاش تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خیبر مین جاگیر

---

[۵] مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۴ [۶] ایضاً جلد ۶ ص ۵ [۷] ایضاً [۸] ایضاً

بھی مرحمت فرمائی تھی، جس کو حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے عہدِ حکومت مین ان کے ورثہ سے ایک لاکھ درہم مین خرید لیا تھا۔[1]

حلیہ | حضرت مقدادؓ طویل القامت، عظیم البطن و فربہ اندام تھے، سر کے بال گھنے، ابرو پیوستہ اور ڈاڑھی نہایت موزون وخوبصورت تھی۔[2]

اولاد | حضرت ضباعہ بنت زبیرؓ سے ایک لڑکی کریمہ نام یادگار چھوڑی۔[3]

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیق رضؓ

نام، نسب | عبدالرحمن نام، ابوعبداللہ کنیت، خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ تھے، والدہ کا نام ام رومان تھا، ام المومنین حضرت عائشہؓ اور یہ دونون حقیقی بھائی بہن تھے،

ابتدائی حالات | حضرت ابوبکر صدیقؓ کا تمام خاندان ابتدا ہی مین حلقہ بگوشِ اسلام ہوا، لیکن حضرت عبدالرحمنؓ اس سے مستثنیٰ تھے، وہ عرصہ تک اپنے قدیم مذہب کے حامی رہے، غزوۂ بدر مین مشرکینِ قریش کے ساتھ تھے، اثنائے جنگ مین انھون نے آگے بڑھ کر "ھل من مبارز"، کا نعرہ لگایا، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی آنکھون مین خون اتر آیا، انھون نے خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت نہ دی۔[4]

غزوۂ احد مین بھی وہ مشرکینِ مکہ کے ساتھ تھے،

اسلام | حضرت عبدالرحمنؓ صلح حدیبیہ کے موقع پر ایمان لائے اور مدینہ پہنچکر اپنے والد کے ساتھ رہنے لگے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نجی کے تمام کام اور ذاتی کاروبار زیادہ تر یہی انجام دیتے تھے، اور نہایت اطاعت شعاری کے ساتھ ان کے غیظ وغضب کو برداشت کرتے تھے، ایک مرتبہ

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اجز ۳ ص ۱۱۵ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۷۴،

شب کے وقت چند اصحابِ صفہ حضرت ابوبکرؓ کے یہاں مہمان تھے، انھوں نے حضرت عبد الرحمنؓ کو ہدایت فرمائی کہ "میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاتا ہوں تم میرے واپس آنے سے پہلے ان کی مہمان نوازی سے فارغ ہوجانا" حضرت عبد الرحمنؓ نے حسبِ ہدایت وقت پر مہمانوں کے سامنے ماحضر پیش کیا لیکن انھوں نے صاحبِ خانہ کی غیر موجودگی میں کھانے سے انکار کردیا، اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیقؓ بہت دیر کے بعد تشریف لائے اور یہ معلوم کرکے کہ مہمان اب تک بھوکے بیٹھے ہیں، حضرت عبد الرحمنؓ پر نہایت برہم ہوئے اور گالی دے کر کہا، خدا کی قسم! اس کو کھانے میں شریک نہیں کروں گا، حضرت عبد الرحمنؓ ڈر سے مکان کے ایک گوشہ میں چھپ رہے تھے، وہ کسی قدر جرأت کرکے سامنے آئے اور بولے "آپ مہمانوں سے پوچھ لیجئے کہ میں نے کھانے کے لئے اصرار کیا تھا" انھوں نے تصدیق کی اور کہا واللہ! جب تک آپ عبد الرحمن کو نہ کھلائیں گے ہم لوگ بھی نہ کھائیں گے، غرض اس طرح ان کا غصہ فرو ہوا اور دسترخوان بچھایا گیا، حضرت عبد الرحمنؓ فرماتے ہیں کہ اس روز کھانے میں اس قدر برکت ہوئی کہ ہم لوگ کھاتے جاتے تھے، لیکن وہ کسی طرح ختم نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ میں اس میں سے کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی لے کر حاضر ہوا جس کو آپ اور ان کے بہت سے اصحاب نے تناول فرمایا۔[1]

غزوات حضرت عبد الرحمنؓ فطرۃً نہایت شجاع و بہادر تھے خصوصاً تیراندازی میں کمال رکھتے تھے، واقعۂ حدیبیہ کے بعد عہدِ نبوت میں جس قدر معرکے پیش آئے وہ ان میں سے اکثر میں جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے،

جنگ یمامہ یمامہ کی خونریز جنگ میں حضرت عبد الرحمنؓ نے اپنی قادر اندازی کا غیر معمولی کمال

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۹۰۶،

دکھایا، انھون نے اس جنگ مین غنیم کے سات بڑے بڑے جانباز افسرون کو نشانہ بنا کر واصل جہنم کیا،

قلعہ یمامہ کی دیوار ایک جگہ سے شق ہوگئی تھی، مسلمان اس راستہ سے اندر گھسنا چاہتے تھے، لیکن دشمن کا ایک سردار حکم بن طفیل نہایت جانبازی کے ساتھ اس جگہ اڑا ہوا تھا، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے تاک کر اس کے سینہ پر ایک ایسا تیر مارا کہ وہین تڑپ کر ڈھیر ہوگیا، اور مسلمان اس کے ساتھیون کو ریلتے ہوئے اندر گھس گئے،[۱]

یزید کی بیعت سے انکار امیر معاویہؓ نے یزید کی جانشینی کے لئے اپنی زندگی ہی مین کوشش شروع کردی تھی، ایک دفعہ ان کی ایماء سے مروان بن حکم والی مدینہ نے مسجد نبوی مین لوگون کو جمع کرکے یزید کے لئے بیعت لینا چاہا، اس وقت جن لوگون نے اس کی مخالفت مین صدا بلند کی ان مین ایک حضرت عبدالرحمٰنؓ بھی تھے، انھون نے مروان سے غضب آلود لہجہ مین کہا، کیا تم لوگ خلافت کو موروثی بادشاہت بنادینا چاہتے ہو، مروان نے برہم ہوکر کہا، "صاحبو! یہ وہی ہے جس کی نسبت قرآن مین آیا ہے" والذی قال لوالدیہ اف لکما، (یعنی والدین کی اطاعت نہ کرنے پر خدا نے قرآن مین ان کی مذمت کی ہے) ام المومنین حضرت عائشہؓ اپنے حجرہ سے یہ گفتگو سن رہی تھین وہ غضبناک ہوکر بے اختیار بول اٹھین "نہین! واللہ نہین!! عبدالرحمٰن کے متعلق نہین ہے، اگر چاہو تو مین اس کا نام لے سکتی ہون جس کی نسبت یہ آیت نازل ہوئی تھی،"[۲]

امیر معاویہؓ کو حضرت عبدالرحمٰنؓ کی مخالفت کا حال معلوم ہوا تو انھون نے ان کو خوش کرنے کے لئے ان کے پاس ایک لاکھ درہم کے توڑے بھجدیئے، لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ نے غایت بے نیازی کے ساتھ واپس کردیا اور فرمایا، "واللہ! مین دین کو دنیا کے عوض فروخت

---

[۱] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۸ [۲] اسد الغابہ جلد ۳ یہ واقعہ بخاری مین بھی مذکور ہے،

نہیں کرسکتا ہے

وفات | حضرت عبدالرحمنؓ اس واقعہ کے بعد مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے آئے اور شہر سے تقریباً ۱ میل کے فاصلہ پر "حبشی" نام ایک مکان میں اقامت پذیر ہوئے، یہاں تک کہ ۵۳ھ میں ایک روز ناگہانی طور پر اسی گوشۂ عزلت میں واصل بحق ہوئے، بیان کیا جاتا ہے کہ پہلے سے ان کو اپنی صحت کے متعلق کسی قسم کی کوئی شکایت نہ تھی، وفات کے دن حسب معمول سوئے مگر ایسی نیند سوئے کہ پھر نہ اٹھے، حضرت عائشہؓ کے دل میں اس ناگہانی حادثہ کے باعث شبہہ ہوا کہ کسی نے زہر وغیرہ دیکر مار ڈالا لیکن کچھ دنوں کے بعد ایک عورت حضرت عائشہؓ کے گھر آئی، بظاہر توانا و تندرست تھی، ایک مرتبہ سجدہ کیا اور ایسا سجدہ کہ پھر اس سے سر نہ اٹھایا، اس واقعہ کے بعد سے ان کا شک جاتا رہا۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ کو ان کے انتقال کی خبر ملی تو وہ حج کی نیت سے مکہ آئیں اور بھائی کی قبر پر کھڑی ہو کر بے اختیار روئیں، اس وقت ان کی زبان پر یہ اشعار تھے،

وکنا کندمانی جذیمۃ حقبۃ — من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

فلما تفرقنا کانی ومالکاً — لطول اجتماع لم نبت لیلۃ معا

پھر مرحوم بھائی کی روح سے مخاطب ہو کر بولیں "بخدا! اگر میں تمہاری وفات کے وقت موجود ہوتی تو اس قدر نہ روتی اور تم کو اسی جگہ دفن کرتی جہاں تم نے وفات پائی تھی"[۳]۔

حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ

نام، نسب | حاطب نام، ابو محمد یا ابو عبداللہ کنیت اور والد کا نام ابو بلتعہ تھا، سلسلۂ نسب میں

---

[۱] استیعاب جلد ۲ ص ۵ ۴ ۲ مستدرک جلد ۳ ص ۴۷۶ ۳ ایضاً،

اختلاف ہے، بعض قحطانی النسل قرار دیتے ہیں اور بعض بنو لخم بن عدی کا ایک ممبر بتاتے ہیں جو ایام جاہلیت میں قبیلۂ بنو اسد کے حلیف تھے، تاہم اصحاب سیر کا عام رجحان یہ ہے کہ ان کا آبائی وطن ملک یمن تھا، مکہ میں غلامی یا حلیفانہ تعلق کے باعث سکونت پذیر تھے[1]،

قبل از اسلام | ایام جاہلیت میں شاعری و شہسواری کے لحاظ سے مخصوص شہرت کے مالک تھے[2]،

اسلام | قبل از ہجرت ایمان لائے اور جب مدینہ اسلام کا مرکز قرار پایا تو وہ بھی اپنے غلام حضرت سعدؓ کے ساتھ وارد یثرب ہوئے، یہاں حضرت منذر بن محمد انصاریؓ نے ان کو اپنا مہمان بنایا، اور حضرت خالد بن رخیلہؓ سے مواخات ہوئی[3]،

غزوات | غزوۂ بدر، احد، خندق اور تمام مشہور معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے[4]،

دربار مصر میں تبلیغ اسلام | غزوۂ حدیبیہ سے واپس آکر ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مقوقس والی مصر کے پاس مبلغ اسلام بنا کر بھیجا، رقعۂ دعوت کا مضمون یہ تھا،

اما بعد فانی ادعوک بدعایة الاسلام	میں تم کو دعوت اسلام کی طرف بلاتا ہوں،
اسلم تسلم اسلم یوتک اللہ اجرک	اسلام قبول کروگے تم محفوظ رہوگے اور خدا
مرتین فان تولیت فان علیک اثم	تم کو دونا اجر عطا فرمائے گا، اور اگر روگردانی
اهل القبط یا اهل الکتاب تولوا	کروگے تو تمام قبطیوں کا گناہ تم پر عائد ہوگا،
الی کلمة سواء بیننا وبینکم ان لا	اے اہل کتاب! تم ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو
نعبد الا اللہ ولا نشرک به شیئا	ہم میں اور تم میں باہم مساوی ہے، یعنی ہم لوگ
ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من	صرف ایک خدا کی پرستش کریں، کسی چیز کو
دون اللہ"[5]،	اس کا شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے بعض

[1] اسد الغابہ تذکرۂ حاطب بن ابی بلتعہ [2] اصابہ جلد ۱ ص ۳۱۴ [3] طبقات ابن سعد قسم ۱ جزو ۳ ص ۸۰ [4] ایضاً [5] زاد المعاد جلد ۲ ص ۵،

آپنے بعض کو خدا کے آگے پروردگار نہ بنائے،

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے مصر پہنچکر مقوقس کے دربار مین نامۂ مبارک پیش فرمایا اور حسب ذیل مکالمہ سے اس کو اسلام کی ترغیب دی،

حضرت حاطبؓ۔ تم سے پہلے یہان ایک ایسا فرمان روا گذرا ہے جو بزعم خود اپنے آپ کو خدا سے برتر سمجھتا تھا، لیکن حق سبحانہ نے اس کو دنیا و آخرت کے عذاب مین گرفتار کرکے وہ عبرتناک انتقام لیا، تم کو غیرون سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے، ایسا نہ ہو کہ تم خود مرقع عبرت بنجا

مقوقس: "ہم ایک مذہب کے پابند ہین جس کو اس وقت تک نہین چھوڑ سکتے جب تک کوئی دوسرا مذہب اس سے بہتر ثابت نہ ہوجائے،

حضرت حاطبؓ: "ہم تم کو دین اسلام کی دعوت دیتے ہین جو تمام مذاہب مین سب سے زیادہ مکمل ہے، اس نبی نے جب لوگون کو اس کی دعوت دی تو قریش نے سخت مخالفت کی، اس طرح یہودیون نے سب سے زیادہ عداوت ظاہر کی، لیکن نصاریٰ نسبتہً قریب تر تھے، قسم ہے کہ موسیٰ نے جس طرح عیسیٰ کی بشارت دی، اسی طرح عیسیٰ نے محمد کی بشارت دی ہے، اور جس طرح تم یہودیون کو انجیل کی طرف بلاتے ہو، اسی طرح ہم تم کو قرآن کی دعوت دیتے ہین،

انبیاءؑ کے زمانۂ بعثت مین جو قوم موجود ہوتی ہے وہ ان کی امت ہوتی ہے اور اس پر ان کی اطاعت فرض ہے، چونکہ تم نے ایک نبی کا زمانہ پایا ہے اس لئے اس پر ایمان لانا ضروری ہے، ہم تم کو دین مسیحؑ سے پھیرتے نہین، بلکہ اسی راہ پر لے جانا چاہتے ہین،[1]

مقوقس: "کیا درحقیقت محمد نبی ہین؟

حضرت حاطبؓ: "کیون نہین!

---

[1] زاد المعاد جلد ۲ ص ۵۷،

مقوقس:- قریش نے جب ان کو اپنے شہر سے نکال دیا، تو انھون نے بد دعا کیون نہ کی؟

حضرت حاطبؓ:- کیا تم گواہی دیتے ہو کہ عیسیٰ بن مریم رسولِ خدا ہین؟ اگر ایسا ہے تو انھون نے صلیب پر کیون نہین اپنی قوم کے لئے بد دعا، فرمائی؟

اس دلنشین جواب پر مقوقس نے بے اختیار صداے تحسین وآفرین بلند کی اور بولا بیشک تم حکیم ہو اور ایک حکیم کی طرف سے آئے ہو، مین نے جہان تک غور کیا ہے، یہ نبی کسی لغو کام کا حکم نہین دیتا اور نہ پسندیدہ امور سے باز رکھتا ہے، مین اس کو نہ تو گمراہ جادوگر کہہ سکتا ہون، اور نہ جھوٹا کاہن، اس مین نبوت کی بہت سی نشانیان ہین، مین عنقریب اس پر غور کرون گا، اس کے بعد اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک لے کر ہاتھی دانت کے ایک ڈبہ مین بند کیا، اور مہر لگا کر اپنی پیش خدمت کنیز کی حفاظت مین دیا،

مقوقس نے حضرت حاطبؓ کو نہایت عزت واحترام سے رخصت کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے گرانقدر تحائف ساتھ کر دیئے جن مین ماریہ وسیرین دو لونڈیان، دلدل نام ایک خچر، اور بہت سے قیمتی کپڑے تھے[1]،

غزوۂ فتح

سنہ ۸ھ مین فتحِ مکہ کی تیاریان ہوئین اور غنیم کو بے خبر رکھنے کے لئے تمام احتیاطی تدبیرین عمل مین لائی گئین، حضرت حاطبؓ گو مکہ کے رہنے والے نہ تھے، تاہم ایام جاہلیت مین قریش سے جو تعلقات پیدا ہو گئے تھے اس نے ان کو احباب قدیم کی مواسات پر برانگیختہ کیا، انھون نے ان تیاریون کے متعلق خط لکھ کر ایک عورت کی معرفت مکہ کی طرف روانہ فرمایا، لیکن کشافِ غیب نے قبل از وقت اس راز کو طشت از بام کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ کو حکم دیا کہ روضۂ خاخ کے پاس جا کر اس عورت سے خط چھین لائین

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حاطب بن ابی بلتعہؓ [2] زاد المعاد جلد ۲ ص ۵۷،

غرض خط گرفتار ہو کر آیا اور پڑھا گیا تو آپ نے تعجب سے فرمایا "حاطب! یہ کیا ہے؟" عرض کی یا رسول اللہ میرے معاملہ میں عجلت نہ فرمایئے، میں قریشی نہیں ہوں تاہم ایام جاہلیت میں ان سے تعلقات پیدا ہو گئے تھے، چونکہ تمام مہاجرین اپنے کی اعزہ واقارب کی حمایت ومساعدت کرتے رہتے ہیں، اس لئے میں نے بھی چاہا کہ اگر نسبی تعلق نہیں ہے تو کم سے کم اس احسان کا معاوضہ ادا کر دوں جو قریش میرے رشتہ داروں کے ساتھ مرعی رکھتے ہیں، میں نے یہ کام مذہب سے مرتد ہو کر یا کفر کو اسلام پر ترجیح دے کر نہیں کیا ہے"[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جو کچھ سچی بات تھی، اس نے ظاہر کر دی، اس لئے اس کو کوئی برا نہ کہے، حضرت عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ خدا اور رسول اور مسلمانوں کی خیانت کا مرتکب ہوا ہے، اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں" ارشاد ہوا وہ کیا وہ معرکۂ بدر میں شریک نہ تھا، خدا نے تمام اہل بدر کو اجازت دیدی ہے کہ تم جو چاہو کرو، تمھارے لئے جنت واجب ہو چکی ہے" رحمۃ للعالمینؐ کی اس شان درگذر پر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے[۲]

اسی واقعہ کے بعد اعدائے اسلام سے الفت ومودت کی ممانعت کی گئی، اور قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی[۳]

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي	اے وہ لوگ جو کہ ایمان لائے ہو میرے دشمن
وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ	اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ، تم ان کی
وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ	طرف محبت سے پیش آتے ہو حالانکہ تمھارے
(ممتحنہ ع ۱)	پاس جو (مذہب) حق آیا ہے اس کا انھوں

---

[۱] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ فتح [۲] بخاری باب فضل من شہد بدراً [۳] بخاری کتاب تفسیر باب تفسیر سورۃ الممتحنہ

نے انکار کیا ہے،

مصر کی سفارت | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفۂ اوّل نے ان کو دوبارہ مقوقس کے دربار میں بھیجکر ان کی وساطت سے ایک معاہدہ ترتیب دیا جو حضرت عمرو بن العاص رضی کے حملۂ مصر تک طرفین کا معمول بہ تھا،[1]

وفات | ۶۵ برس کی عمر پاکر ۳۰ھ مین رہ گزین عالم جاودان ہوئے، حضرت عثمان رضی نے جنازہ کی نماز پڑھائی، اور مسلمانون کے ایک بڑے مجمع نے سپرد خاک کیا،[2] اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ،

اخلاق | وفاشعاری، احسان پذیری اور صاف گوئی ان کے مخصوص اوصاف ہین، احباب اور رشتہ دارون کا بیحد خیال رکھتے تھے، فتح مکہ کے موقع مین انھون نے مشرکین کو جو خط لکھا وہ درحقیقت ان ہی جذبات پر مبنی تھا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی نیت خیر وحسن کی وجہ سے ان کی اس غلطی کو ملحوظ رکھکر ان سے درگذر فرمایا،

مزاج مین ذرا سختی تھی، چنانچہ وہ اپنے غلامون کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے وقت ان کی اصلاح کرکے دباتے تھے، ایک دفعہ ان کے ایک غلام نے دربار نبوت مین تشدد کی شکایت پیش کرکے کہا "یا رسول اللہ! حاطب یقیناً جہنم مین جائے گا" ارشاد ہوا، "تو جھوٹ کہتا ہے، جو شخص بدر وحدیبیہ مین شریک ہوا ہے وہ جہنم مین نہین جاسکتا،"[3]

حضرت عمر رضی کے عہد خلافت مین بھی بارہا غلامون کے ساتھ ان کے تشدد کی شکایتین سنی گئین، ایک دفعہ ان کے غلام نے قبیلۂ مزینہ کے ایک شخص کا اونٹ ذبح کردیا تو انھون نے

---

[1] استیعاب جلد ۱ ص ۱۳۵ [2] ایضاً [3] ایضاً،

اس کی پاداش میں نہایت سخت سزا مقرر کی، یہان تک کہ خود خلیفۂ وقت نے ان کو بلا کر کہا "معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے غلامون کو بھو کا رکھتے ہو" اور تنبیہ و تادیب کے خیال سے ان کے معاوضہ مین دوچند قیمت پیش کی،[1]

ذریعۂ معاش | تجارت اصلی ذریعۂ معاش تھی، انھون نے کھانے کی ایک دکان (رسٹورانٹ) سے نہایت کثیر نفع حاصل کیا، چنانچہ وفات کے وقت چار ہزار دینار نقد اور بہت سے مکانات چھوڑے،[2]

حلیہ | یہ تھا، موزون اندام، چہرہ خوبصورت، انگلیان موٹی اور قد کسی قدر چھوٹا،[3]

حضرت عبداللہ بن سہیل رضؓ

نام، نسب | عبداللہ نام، ابو سہیل کنیت، والد کا نام سہیل اور والدہ کا نام فاختہ بنت عامر تھا، شجرۂ نسب یہ ہے :- عبداللہ بن سہیل بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل ابن عامر بن لوی،

اسلام | مکہ مین ایمان لائے اور سرزمینِ حبش کی دوسری ہجرت مین شریک ہوئے،[4]

حبش سے واپس آئے تو ان کے والد نے پکڑ کر مقید کر لیا اور سخت اذیت پہنچائی، بالآخر حضرت عبداللہؓ ان جفا کاریون سے تنگ آکر جمالِ توحید کو شرک کے پردہ مین چھپانے پر مجبور ہو گئے، یہان تک کہ ان کے والدین اور مشرکینِ قریش نے ان کی ظاہری حالت سے یقین کر لیا کہ وہ بندگانِ توحید کے دائرہ سے باطل پرستون کے حلقہ مین پھر واپس آگئے اور غزوۂ بدر مین شرک کی حمایت پر اپنے ساتھ لے گئے، لیکن انھین کیا خبر تھی کہ جو دل نورِ ایمان سے ایک دفعہ روشن ہو چکا ہے وہ کبھی تاریک نہین ہو سکتا؟ غرض میدانِ بدر مین جب حق و باطل کے فدائی

---

[1] استیعاب جلد ۱ ص ۱۳۵ [2] طبقات ابن سعد قسم ۱ جزو ۳ ص ۸۰ [3] ایضاً [4] استیعاب جلد ۱ ص ۳۹۴،

ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے تو حضرت عبد اللہؓ شرک کا ظاہری جامہ چاک کرکے آغازِ جنگ سے پہلے لوائے توحید کے نیچے آ کھڑے ہوئے،

غزوات | اس واقعہ پر ان کے والد کو سخت غصہ آیا اور جنگ شروع ہونے پر غیظ و غضب کے ساتھ حملہ آور ہوئے، لیکن اب وہ آزاد تھے، اخوانِ ملت کی پشت پناہی اور ہادیِ دین کے سایۂ عاطفت نے دل بڑھا دیا تھا، نہایت بہادری و شجاعت سے لڑے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی فتح پر جنگ کا خاتمہ ہوا[1]

غزوۂ بدر کے علاوہ تمام مشہور معرکوں میں جانبازی و پامردی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، مکہ فتح ہوا تو انھوں نے دربارِ نبوت میں اپنے والد کے لئے امان طلب کی، آپ نے امان دیکر حاضرین سے فرمایا، "سہیل بن عمرو کو کوئی نگاہِ حقارت سے نہ دیکھے، قسم ہے کہ وہ نہایت ذی عزت و دانشمند ہے، ایسا شخص محاسنِ اسلام سے ناواقف نہیں ہو سکتا، اور اب تو اس نے دیکھ لیا ہے کہ وہ جس کا حامی تھا اس میں کوئی منفعت نہیں" حضرت عبد اللہؓ نے اپنے والد کے پاس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنایا اور امان کی بشارت دی تو ان کا دل اپنے صاحبزادہ کی سعادت مندی پر تشکر آمیز شفقت سے لبریز ہو گیا، بولے "خدا کی قسم یہ بچپن ہی سے سعادت مند و نیکوکار ہے"[2]

شہادت | حضرت عبد اللہؓ تقریباً ۳۸ برس کی عمر پا کر سنہ ۱۲ھ میں یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے[3] اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ،

حضرت ابوبکرؓ حج کے لئے مکہ آئے تو ان کے والد سہیل کے پاس تعزیت کے لئے گئے، اعابر و شاکر باپ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شہید اپنے ۷۰ اہل خاندان کی شفاعت

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ۳ ص ۲۹۵ [2] استیعاب جلد ۱ ص ۳۹۵ [3] ایضاً،

کرے گا، مجھ کو امید ہے کہ میرا لڑکا اس وقت مجھ کو فراموش نہ کرے گا،[1]

حضرت عتبہ بن غزوانؓ

نام، نسب عتبہ نام، ابو عبد اللہ کنیت، غزوان بن جابر کے لخت جگر تھے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے،

عتبہ بن غزوان بن جابر بن وہب بن نسیب بن زید بن مالک بن الحارث بن مازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان بن مضر ایام جاہلیت میں ان کا خاندان بنی نوفل بن عبد مناف کا حلیف تھا،[2]

اسلام حضرت عتبہؓ ان بزرگوں میں ہیں جنھوں نے ابتدا ہی میں داعیِ توحید کو لبیک کہا تھا،[3] چنانچہ ایک دفعہ انھوں نے تقریر میں دعویٰ کیا تھا کہ سابقینِ اسلام میں ان کا ساتواں نمبر ہے،[4] لیکن صحیح یہ ہے کہ اس وقت تک صحابۂ کرامؓ کا حلقہ اس سے زیادہ وسیع ہو چکا تھا،

ہجرت کفار مکہ کی ستم آرائیوں سے تنگ آکر ملک حبش کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے لیکن کچھ عرصہ کے بعد پھر واپس چلے آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک مکہ میں موجود تھے،[5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور کفر و اسلام میں باہم فوجی چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہوا تو یہ اور حضرت مقدادؓ ایک قریشی متجسس دستہ فوج کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، عکرمہ بن ابی جہل اس کا امیر عسکر تھا، راہ میں مجاہدینِ اسلام کی ایک جماعت سے مٹ بھیڑ ہوئی، حضرت عبیدہ بن الحارثؓ اس کے افسر تھے، یہ دونوں موقع پاکر مسلمانوں

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۷۶ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴ [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۶۰، [4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴ [5] ایضاً،

سے مل گئے، اور مدینہ پہنچکر حضرت عبداللہ بن سلمہ عجلانیؓ کے مہمان ہوئے، یہان حضرت عتبہؓ اور حضرت ابو دجانہ انصاریؓ مین باہم مواخات ہوئی[۲]

غزوات | تیر اندازی کے لحاظ سے ان کا شمار کاملین فن مین تھا[۳] بدر، احد اور ان تمام معرکون مین جنمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنفس نفیس حصہ لیا، شجاعت و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے[۴]

سنہ ۱۴ھ مین خلیفۂ دومؓ نے ان کو بندرگاہ ابلہ میسان اور اس کے ملحقہ مقامات، کی فتح پر مامور فرمایا، فرمان کے الفاظ یہ تھے،

"خدا کی نوازش و برکت پر اعتماد کر کے عرب کے انتہائی حدود اور مملکت عجم کے قریب ترین حصہ کی طرف اپنے ساتھیون کو لے کر روانہ ہو جاؤ، جہان تک ممکن ہو تقویٰ کو اپنا شعار بناؤ، اور خیال رکھو کہ تم دشمن کی سرزمین مین جا رہے ہو، مجھے امید ہے کہ خدا تمہاری مدد فرمائے گا، مین نے علاء بن الحضرمی کو لکھا ہے کہ عرفجہ بن ہرثمہ کو بھیجکر تمہاری مدد کرین، وہ دشمن کے مقابلہ مین ایک نہایت سرگرم مجاہد اور صاحب تدبیر شخص ہین، تم ان کو اپنا مشیر بناؤ اور اہل عجم کو خدا کی دعوت دو، جو قبول کرے اس کو پناہ دو اور جو اس سے انکار کرے وہ محکومانہ عاجزی کے ساتھ جزیہ دے، ورنہ تلوار سے فیصلہ کرو، راہ مین جن عربی قبائل سے گذرو ان کو جہاد اور دشمن سے لڑنے پر برانگیختہ کرو اور ہر حال مین خدا سے ڈرتے رہو"[۵]

حضرت عتبہؓ نے حسب فرمان اس مہم کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا، یعنی دریائے دجلہ کا تمام ساحلی علاقہ جو ابلہ، ابرجاذ اور میسان وغیرہ جیسے اہم مقامات پر مشتمل تھا، اسلام کا

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳۶۳، [۲] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۹ [۳] مستدرک جلد ۳ ص ۲۶۰، [۴] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴، [۵] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴

زیر نگین کر دیا۔[1]

تعمیر بصرہ اسی سال ان کو بندرگاہ ابلہ کے قریب جہاں خلیج فارس کے ذریعہ سے ہندوستان وغیرہ کے جہازات لنگر کرتے تھے ایک شہر بسانے کا حکم دیا گیا، حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ اس کف دست میدان میں تشریف لائے اور شہر کی داغ بیل ڈالی، ہر قبیلہ کے لئے ایک ایک محلہ مخصوص کر دیا،[2] اور حضرت محجن بن الادرع کو جامع مسجد کی تعمیر پر مامور فرمایا، عمارتیں اولاً گھانس پھوس سے چھائی گئی تھیں، چنانچہ جامع مسجد کی عمارت بھی بانس اور پھوس سے بنائی گئی تھی۔[3]

ولایت حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ اس نئے شہر کے سب سے پہلے والی مقرر ہوئے اور چھ مہینے تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ فرائض منصبی انجام دیتے رہے،[4] لیکن زہد و بے نیازی نے اس سے کنارہ کش ہونے پر آمادہ کر دیا، ۱۵ھ میں حضرت مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ کو جانشین بنا کر فرات کی طرف فوج کشی کا حکم دیدیا اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو امامت کی خدمت سپرد کر کے حج کے خیال سے مکہ معظمہ تشریف لائے، یہاں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ موجود تھے، ان کی خدمت میں اپنا استعفا پیش کیا، لیکن انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار فرمایا، اور بصرہ واپس جانے کی ہدایت کی۔[5]

وفات حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ دل سے کنارہ کشی کے متمنی تھے، خلیفۂ وقت کے حکم سے مجبور ہو کر بصرہ کی طرف رہ نورد ہوئے، تو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی "خدایا تو مجھے بصرہ نہ پہنچا"، دعا مقبول ہوئی، اتفاقاً راہ میں اونٹ سے گر کر واصل بحق ہوئے اور ۵۷ برس کی مفارقت کے بعد خاک کا پتلا خاک سے مل گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔[6]

اخلاق ان کا چمن اخلاق گلہائے رنگا رنگ سے آراستہ ہے، تقویٰ، زہد، جفاکشی اور خاکساری

---

[1] یعقوبی جلد ۲ ص ۱۴۳ [2] فتوح البلدان بلاذری ذکر تعمیر البصرہ [3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴ [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۶۹ [5] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴ [6] ایضاً۔

اس باغ کے سب سے خوش آیند پھول ہین، فرماتے ہین کہ مین نے اس وقت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو لبیک کہا تھا جب کہ صرف چھ آدمیون کو اس کی توفیق عطا ہوئی تھی، اور عسرت و ناداری کے باعث درخت کے پتون پر گذارہ کرنا پڑتا تھا جس سے آنتون مین زخم پڑ جاتے تھے[۱]

زہد و بے نیازی نے منصبِ امارت جیسے پر فخر اعزاز سے متنفر کر دیا تھا، تکبر و غرور سے قطعی نفرت تھی، فرمایا کرتے تھے "مین خدا سے پناہ مانگتا ہون کہ لوگون کی نظرون مین حقیر رہنے کے باوجود اپنے آپ کو بڑا سمجھون"[۲] انھون نے بصرہ کی جامع مسجد مین ایک خطبہ دیا تھا، یہان اس کے چند فقرے نقل کئے جاتے ہین، ان سے ان کے خوفِ قیامت، زہد اور خاکساری کا اندازہ ہوگا،

"صاحبو! دنیا رفتنی و گذشتنی ہے، اس کا بڑا حصہ گذر چکا ہے اور اب صرف ریزش باقی ہے، جس طرح کسی ظرف کا پانی پھینک دینے کے بعد آخر مین کچھ دیر تک تقاطر کا سلسلہ قائم رہتا ہے، ہان! تم یقیناً اس دنیا سے ایک جگہ منتقل ہونے والے ہو جس کو کبھی زوال نہین تو پھر کیون نہین بہتر سے بہتر تحائف اپنے ساتھ لے جاتے ہو؟ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ اگر پتھر کا کوئی ٹکڑا جہنم کے کنارہ سے لڑھکایا جائے تو ستر برس مین بھی وہ اس کی گہرائی کو طے نہین کر سکتا، لیکن خدا کی قسم تم اس کو بھر دوگے، کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو؟ خدا کی قسم مجھ سے بیان کیا گیا ہے، کہ جنت کے دروازے اس قدر وسیع ہون گے کہ چالیس سال مین اس کی مسافت طے ہو سکتی ہے، لیکن ایک دن ایسا بھی آئے گا، جب کہ ان پر سخت اژدحام ہوگا،

مین جب ایمان لایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چھ آدمی تھے، عسرت و ناداری کی یہ حالت تھی کہ درخت کے پتون پر گذارہ تھا جس سے آنتون مین زخم پڑ جاتے تھے مجھے ایک دفعہ ایک چادر مل گئی جس کو چاک کر کے مین نے اور سعد نے تہ بند بنایا لیکن ایک دن

---

[۱] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۷۴، [۲] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۶۵،

وہ بھی آیا جب ہم میں سے ہر ایک کسی نہ کسی شہر کا امیر ہے؛ میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ خدا کے نزدیک حقیر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بڑا سمجھوں، نبوت ختم ہو چکی ہے، انجام کار بادشاہت قائم ہو گی اور تم عنقریب ہمارے بعد امیروں کو آزماؤ گے[1]

حلیہ | یہ تھا قد طویل، مجموعی حیثیت سے حسین و خوبرو[2]

حضرت عامر بن فہیرہؓ

نام، نسب | عامر نام، ابو عمرو کنیت، والد کا نام فہیرہ تھا، یہ طفیل بن عبد اللہ کے غلام تھے جو حضرت عائشہؓ کے اخیافی بھائی اور قبیلۂ ازد کے ایک ممبر تھے[3]

اسلام | حضرت عامرؓ نے ابتدا ہی میں دعوتِ توحید کو آویزۂ گوش و ہوش بنایا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک ارقم بن ابی الارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے، غلامانہ بےبسی کے ساتھ اس حق پسندی نے قدرۃً اُن کو سخت سے سخت مصائب میں مبتلا کیا، طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں، لیکن آخر وقت تک استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا، یہاں تک کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دستِ کرم نے قید غلامی سے نجات دلائی[4]

ہجرت | ہجرت کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیقؓ غارِ ثور میں پوشیدہ ہوئے تو حضرت عامر بن فہیرہؓ کے متعلق یہ خدمت تھی کہ وہ دن بھر مکہ کی چراگاہ میں حضرت ابو بکرؓ کی بکریاں چراتے، شام کو غار کے پاس لے آتے، یہاں ان کا دودھ دوہ کر استعمال کیا جاتا، صبح کے وقت حضرت عبد اللہ بن ابی بکرؓ جو چھوٹا سا رات کے وقت حاضر ہو کر مکہ کی سرگذشت سنایا کرتے تھے،

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۴، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۹ [3] کتاب المغازی باب غزوۃ الرجیع [4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۹۱

واپس جاتے تو بکریون کو ان کے نشانِ قدم پر نے چلتے کہ مشرکین کو کچھ شبہہ نہ ہو،[1] غرض جب یہ قافلہ غارِ ثور سے آگے بڑھا تو حضرت ابو بکرؓ نے ان کو اپنے پیچھے بٹھا لیا، مدینہ پہنچکر وہ حضرت سعد بن خیثمہؓ کے مہمان ہوئے، اور حضرت حارث بن اوسؓ ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے،[2]

ابتداءً مدینہ کی آب و ہوا جن لوگون کو راس نہ آئی ان مین سے ایک حضرت عامر بن فہیرہؓ بھی تھے، یہ اس قدر سخت بیمار ہوئے کہ زندگی سے یاس ہوگئی، شدتِ بحران کے وقت یہ اشعار وردِ زبان ہوتے تھے،[3]

انی وجدت الموت قبل ذوقہ ۔۔۔ ان الجبان حتفہ من فوقہ

مین نے موت سے پہلے اس کا مزہ چکھ لیا ۔۔۔ بیشک بزدل کی موت اوپر ہی سے ہے

کل امرءٍ مجاھد بطوقہ ۔۔۔ کالثور یحمی انفہ بروقہ

ہر شخص اپنی طاقت سے کوشش کرتا ہے ۔۔۔ جسطرح بیل اپنی ناک کو سینگ سے محفوظ رکھتا ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب مہاجرین کرامؓ کی علالت کی خبر ملی تو آپنے دعا فرمائی "اے خدا تو مدینہ کو مکہ طرح یا اُس سے بھی زیادہ ہمارے لئے پسندیدہ بنا اور اس کو بیماریون سے پاک کر"، دعا مقبول ہوئی اور حضرت عامر بن فہیرہؓ بسترِ علالت سے اٹھ کھڑے ہوئے،

غزوات غزوۂ بدر و احد مین شریک تھے، ۴ھ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر قاریون کی ایک جماعت کو مشرکین بیرِ معونہ کی تبلیغ و تلقین پر مامور فرمایا، حضرت عامر بن فہیرہؓ بھی اس مین شامل تھے، قبائلِ رعل و ذکوان وغیرہ نے غداری کے ساتھ اس تمام جماعت کو شہید کردیا، صرف حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ زندہ گرفتار ہوئے، عامر بن طفیل نے ان سے ایک لاش کی طرف اشارہ

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الرجیع [2] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۱۶۳، [3] اصابہ تذکرہ ابن فہیرہؓ [4] بخاری باب ہجرۃ النبی و اصحابہ الی المدینہ،

کر کے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ بولے "عامر بن فہیرہ ؓ" اس نے کہا کہ میں نے ان کو مقتول ہونے کے بعد دیکھا کہ آسمان کی طرف اٹھا لئے گئے، یہاں تک کہ آسمان و زمین کے درمیان بالکل معلق نظر آئے پھر زمین پر رکھدیئے گئے،[1]

تعجب انگیز شہادت حضرت عامر بن فہیرہ ؓ کے سینہ سے جس وقت جبار بن سلمی کا نیزہ پار ہوا تو بیساختہ ان کی زبان سے نکلا "خدا کی قسم میں کامیاب ہوگیا" لاش تڑپ کر آسمان کی طرف بلند ہوئی، ملائکہ نے تجہیز و تکفین کی، اور روح اقدس کے لئے اعلیٰ علیین کے دروازے کھولدیئے گئے، جبار بن سلمی کو اس کرشمۂ قدرت نے سخت متعجب کیا اور وہ متاثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے،[2]

اخلاق حضرت عامر بن فہیرہ ؓ صورت ظاہری کے لحاظ سے گو سیاہ فام حبشی تھے، ذاتی وجاہت کا یہ حال تھا کہ ۴۰ سالہ زندگی کا بڑا حصہ ستم پیشہ آقاؤں کی غلامی میں بسر ہوا، لیکن فطری جوہر اخلاق ان ظاہر فریب آرائشوں کا محتاج نہیں، وہ حلۂ شہی و خرقۂ گدائی میں یکساں اپنی چمک دکھاتا ہے، انھوں نے گوناگون مصائب و مظالم کے مقابلہ میں جس طرح استقلال و استقامت کا اظہار فرمایا وہ یقیناً ان کے دستار فضل کا ایک نہایت خوشنما طرہ ہے،

رازداری کا یہ حال ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نازک سے نازک موقع پر ان کو اپنا معتمد علیہ بنایا، شوق شہادت نے ان کو دنیا سے بے نیاز کر دیا تھا، چنانچہ غزوۂ بیر معونہ میں جب برچھی جگر سے پار ہو گئی تو یہ کلمہ زبان پر تھا، "فزت واللہ" یعنی خدا کی قسم میں کامیاب ہو گیا،[3]

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الرجیع،

[2] طبقات ابن سعد حصۂ مغازی ص ۳۷،

[3] طبقات ابن سعد حصۂ مغازی ص ۳۷،

حضرت ابو سلمہؓ بن عبد الاسد

نام، نسب | عبد اللہ نام، ابو سلمہ کنیت، والد کا نام عبد الاسد اور والدہ کا نام برہ بنت عبد المطلب تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:- عبد اللہ بن عبد الاسد بن ہلال بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم القرشی المخزومی۔[۱]

ان کی والدہ حضرت برہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں اس لحاظ سے وہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی نیز بروایت صحیحین رضاعی بھائی تھے،

اسلام | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارقم بن ابی ارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین ہونے سے پہلے حلقۂ مومنین میں داخل ہوئے، ان کی بیوی حضرت ام سلمہؓ نے بھی ان کا ساتھ دیا، حضرت ابو سلمہؓ، حضرت عبیدہ بن حارثؓ، حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے،[۲]

ہجرت | حضرت ابو سلمہؓ سرزمین حبش کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے، ان کی بیوی حضرت ام سلمہ بھی رفیق سفر تھیں، پھر حبش سے واپس آکر عازم مدینہ ہوئے، بخاری کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب سے پہلے مہاجر تھے جو وارد یثرب ہوئے، لیکن دوسری روایت میں اولیت کا سہرا حضرت مصعب بن عمیرؓ کے سر باندھا گیا ہے، علامہ ابن حجر ان دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں "حضرت ابو سلمہ جب حبش سے مکہ واپس آئے تو مشرکین نے پھر ان کو ہدف اذیت بنایا، اس بنا پر ان کا مدینہ آنا مشرکین کے خوف سے تھا، مستقل ہجرت کا ارادہ نہ تھا، برخلاف اس کے حضرت مصعب بن عمیرؓ اس وقت پہنچے جب کہ مستقل ہجرت کا حکم ہو چکا تھا، اس لئے ان دونوں روایتوں

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۸۱ [۲] ایضاً

ہیں باہم مخالف نہیں ہے[۱] بہر حال حضرت ابو سلمہ ؓ سب سے پہلے مدینہ پہنچے، یہ محرم کی دسویں تاریخ تھی، خاندان عمرو بن عوف نے ان کو کامل دو ماہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تک اپنا مہمان رکھا[۲]

مواخات | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن خیثمہ ؓ انصاری سے مواخات کرادی اور مستقل سکونت کے لئے ایک قطعۂ زمین مرحمت فرمایا[۳]

غزوات | غزوۂ بدر و اُحد میں سرگرم پیکار تھے، معرکۂ اُحد میں ابو اسامہ جشمی کے ایک تیر نے ان کا بازو زخمی کردیا جو کامل ایک ماہ تک زیر علاج رہنے کے بعد بظاہر مندمل ہوگیا، لیکن غیر محسوس طریقہ پر اندر ہی اندر زہر پھیلاتا رہا[۴] اسی اثنا میں وہ سریۂ قطن پر مامور ہوئے جس کی تفصیل یہ ہے،

سریۂ قطن | فید کے اطراف میں قطن ایک پہاڑ کا نام ہے جس کا دامن بنو اسد بن خزیمہ کا مسکن تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ طلیحہ اور اسد بن خویلد یہاں اپنی قوم اور دوسرے زیر اثر قبائل کو جنگ کے لئے ابھار رہے ہیں، اس بنا پر اوائل محرم سنہ ۴ ھ میں حضرت ابو سلمہ ؓ کے زیر سیادت تقریباً ڈیڑھ سو مجاہدین کی ایک جماعت جس میں مہاجرین و انصار دونوں شریک تھے قبل از وقت اس فتنہ انگیز تحریک کو دبانے پر مامور ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سلمہ ؓ کو علم دے کر فرمایا "روانہ ہو جاؤ یہاں تک کہ بنو اسد کی سرزمین میں پہنچکر ان کی جمعیت کے فراہم ہونے سے پہلے ان کا شیرازہ منتشر کردو"

حضرت ابو سلمہ ؓ غیر معروف راستہ سے یلغار کرتے ہوئے یکایک بنو اسد پر جاپڑے، وہ اس ناگہانی حملے سے بدحواس ہوکر بھاگ کھڑے ہوئے تو انہوں نے اپنی جماعت کو تین دستوں پر منقسم کرکے ان کے تعاقب پر مامور فرمایا چنانچہ وہ دشمن کو دور تک بھگا کر نہایت کثرت کے ساتھ اونٹ اور

---

۱ فتح الباری جلد ۷ ص ۳۰۰، ۲ طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۱۷۱، ۳ ایضاً، ۴ ایضاً،

بھیڑ بکریاں چھین لائے جن کو حضرت ابوسلمہؓ نے مدینہ پہنچکر بطور مالِ غنیمت دربارِ نبوت میں پیش کیا۔[1]

وفات حضرت ابوسلمہؓ اس مہم سے واپس آئے تو زخم پھر عود کر آیا اور ایک عرصہ تک بیمار رہ کر ۳ جمادی الآخر سنہ ۴ھ میں واصل بحق ہوئے، اتفاق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عین حالتِ نزع میں عیادت کے لئے تشریف لائے تھے، روح دیدارِ جمال کی منتظر تھی، ادھر آپ تشریف لائے اور اُدھر روح نے جسم کا ساتھ چھوڑا، آپ نے دست مبارک سے ان کی دونوں آنکھیں بند کر کے فرمایا "انسان کی روح جس وقت اٹھائی جاتی ہے تو اس کی آنکھیں اس کے دیکھنے کے لئے کھلی رہجاتی ہیں"[2]

ایک طرف پردہ کے پیچھے گھر کی عورتیں مصروفِ ماتم تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے روک کر فرمایا کہ یہ دعائے خیر کا وقت ہے کیونکہ ملائکۂ آسمانی جو میت کے پاس موجود ہوتے ہیں وہ دعا کو یوں کی دعا پر آمین کہتے ہیں، پھر خود اس طرح دست بدعا ہوئے "خدایا! اس کی قبر کو کشادہ و روشن کر، اس کو پُر نور بنا، اس کے گناہوں کو بخشدے اور ہدایت یاب جماعت میں اس کا درجہ بلند فرما"[3]

تجہیز و تکفین حضرت ابوسلمہؓ نے مدینہ کے قریب مقام عالیہ میں وفات پائی کیونکہ وہ قبا سے منتقل ہوئے تو یہیں آکر سکونت پذیر ہوئے تھے، بنی امیہ بن زید کے کنوئیں یسیرہ[4] کے پانی نے غسل دیا اور مدینہ کی خاک پاک نے اپنے دامن میں چھپایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

فضائل و محاسن حضرت ابوسلمہؓ کا پایۂ فضل و کمال نہایت بلند ہے، وہ بیمار ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان کی عیادت فرمایا کرتے تھے۔[5]

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز ابوسلمہ دربارِ نبوت سے خوش خوش گھر واپس آئے[6]

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی سریۂ ابوسلمہ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۷۲، [3] ایضاً [4] ایام جاہلیت میں یہ کنواں بئر عبیر کے نام سے مشہور تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بدل کر بئر یسیرہ نام رکھا، (ایضاً ص ۱۷۲) [5] ایضاً ص ۱۷۱ [6] اصابہ تذکرہ ابوسلمہ۔

اور کہنے لگے کہ آج مجھے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد نے بیحد محظوظ کیا، آپ نے فرمایا ہے کہ جو مصیبت زدہ مسلمان اپنی مصیبت میں خدا کی طرف رجوع کرکے کہتا ہے "اے خدا! اس مصیبت میں میری مدد کر اور بہتر نعم البدل عطا فرما" تو خدا اس کی دعا قبول فرماتا ہے، چنانچہ ابو سلمہؓ کی وفات نے جب مجھے صدمہ پہنچایا تو میں نے خدا کی طرف رجوع کرکے کہا "اے خدا! میری مدد کر اور تلافی بالخیر فرما" لیکن پھر یہ خیال گذرا کہ میرے لئے ابو سلمہ کا نعم البدل کون ہو سکتا ہے؟ عدت گذرنے کے بعد جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیام بھیجا تو مجھے معلوم ہوگیا کہ خدا نے تلافی بالخیر کی صورت پیدا کردی،[1]

اولاد حضرت ابو سلمہؓ نے دو لڑکے سلمہ و عمر اور دو لڑکیاں زینب اور درہ یادگار چھوڑیں، ان کی تمام اولاد حضرت ام سلمہؓ ہند بنت ابی امیہ سے ہوئی تھی جو ان کے بعد امہات المومنین رضؓ میں داخل کی گئیں،[2]

حضرت عبداللہ بن جحشؓ

نام، نسب عبداللہ نام، ابو محمد کنیت، والد کا نام جحش اور والدہ کا نام امیمہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے: عبداللہ بن جحش بن رباب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی،

حضرت عبداللہؓ کی والدہ امیمہ عبدالمطلب کی صاحبزادی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں، ایام جاہلیت میں وہ حرب بن امیہ کے حلیف تھے، بعضوں نے قبیلۂ بنی عبد شمس کو ان کا حلیف لکھا ہے، لیکن ان دونوں روایتوں میں باہم کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ حرب بن امیہ

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۰،

اسی قبیلہ کا ایک ممبر تھا۔[1]

اسلام | حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے ابتدا ہی مین داعیِ اسلام کو لبیک کہا تھا، اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی ارقمؓ کے مکان مین پناہ گزین نہین ہوئے تھے۔[2]

ہجرت | مشرکینِ قریش کے دستِ تظلم سے یہ خاندان بھی محفوظ نہ تھا، انھون نے دو دفعہ سرزمینِ حبش کی طرف ہجرت فرمائی، آخری سفر مین تمام خاندان یعنی دو بھائی ابو احمد، عبید اللہ اور بہنین زینب، ام حبیبہ، حمنہ بنت جحش نیز عبید اللہ کی بیوی ام حبیبہ بنت ابی سفیان ساتھ تھین، عبید اللہ نے حبش مین نصرانیت اختیار کرلی اور وہین پیوندِ خاک ہوا، حضرت عبداللہ ابن جحشؓ اپنے بقیہ خاندان کو پھر مکہ واپس لائے، اور یہان سے اپنے قبیلہ یعنی بنی غنم بن دودان کے تمام ممبرون کو جو سب کے سب دائرۂ اسلام مین داخل ہوگئے تھے ساتھ لے کر مدینہ پہنچے انھون نے اپنے رشتہ دارون سے اس طرح مکہ کو خالی کردیا تھا کہ محلہ کا محلہ بے رونق ہوگیا، اور بہت سے مکانات مقفل ہوگئے۔[3]

مدینہ مین حضرت عاصم بن ثابت بن ابی افلح انصاریؓ نے ان کے تمام قبیلہ کو اپنا مہمان بنایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونون مین بھائی چارہ کرادیا تھا۔[4]

غزوات | ماہ رجب ۲ھ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک جمعیت کی امارت سپرد کی اور سربمہر فرمان دے کر حکم دیا کہ دو روز سفر کرنے کے بعد کھول کر پڑھین اور اس کی ہدایتون کو اپنا طرزِ عمل بنائین، حضرت عبداللہؓ نے حسب ارشاد دو منزلون کے بعد کھول کر پڑھا، اس مین حکم دیا گیا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان جو نخلستان ہے وہان پہنچکر قریش کی نقل وحرکت اور دوسرے

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۳۱، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۲، [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۲ و ۶۳، [4] ایضاً ص ۶۲

ضروری حالات کا پتہ چلائین، انھون نے نہایت ادب کے ساتھ اس حکم پر سمعًا و طاعۃً کہا اور اپنے ساتھیون سے مخاطب ہو کر بولے "مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو پورا کر کے رہون گا، تم لوگون مین سے جو شہادت کا آرزومند ہو ساتھ چلے اور جو اس کو ناپسند کرتا ہو وہ لوٹ جائے مین کسی کو مجبور نہین کرتا" اس تقریر پر سب نے جوش کے ساتھ رفاقت وجان نثاری کی حامی بھری اور نخلستان پہنچکر قریش کے تجسس مین مصروف ہوئے، اتفاقًا اس طرف سے ایک تجارتی قافلہ گذرا، گو ماہِ رجب مین مراسمِ جاہلیت کے مطابق قتل و خونریزی ناجائز تھی، تاہم مسلمانون نے اس پر حملہ آور ہونے کی رائے قائم کرلی، اور یکایک ٹوٹ پڑے عمرو بن حضرمی جو اس قافلہ کا سرگروہ تھا مارا گیا، عثمان بن عبد اللہ اور حکیم بن کیسان گرفتار ہوئے، بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا، حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اس مین سے ایک خمس نکال کر باقی بہ حصۂ مساوی تمام لشکر کا ے جنگ مین تقسیم فرمادیا، اس وقت تک تقسیمِ غنیمت کے متعلق کوئی قانون وضع نہین ہوا تھا، لیکن حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد صحیح ثابت ہوا، اور قرآن مین اسی کے مطابق خمس کی آیت نازل ہوئی،

حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ مالِ غنیمت کا خمس لے کر دربارِ نبوت مین حاضر ہوئے تو آپ نے اس کے لینے مین پس و پیش کیا اور فرمایا کہ مین نے تم کو ماہ حرام مین خونریزی کا حکم نہین دیا تھا، مسلمانون نے بھی اس جسارت پر ملامت کی، قریش نے اس واقعہ کو زیادہ شہرت دی اور کہنے لگے کہ محمد اور ان کے اصحاب نے ماہِ محرم کو حلال کرلیا، اور قتل و خونریزی کرکے اس کی ہتک کی لیکن وحی الٰہی نے ان کو اور ان کے ساتھیون کو ان جگر دوز طعنون سے بری کردیا،[۱]

يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ	لوگ تم سے ماہِ حرام کی نسبت پوچھتے ہین

[۱] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۴۴، ۳۴۵،

فِیْہِ قُلْ قِتَالٌ فِیْہِ کَبِیْرٌ وَصَدٌّ عَنْ
سَبِیْلِ اللّٰہِ وَکُفْرٌ بِہٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
وَاِخْرَاجُ اَھْلِہٖ مِنْہُ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰہِ
وَالْفِتْنَۃُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ،

(بقرہ ع ۲۷)

کہ اس میں لڑنا (جائز) ہے، کہدو کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس کا نہ ماننا اور مسجد حرام سے (باز رکھنا) اور اس کے اہل کو اس سے نکالنا خدا کے نزدیک اس سے (بھی) بڑھ کر ہے اور فساد کشت وخون سے زیادہ برا ہے،

حضرت عبداللہ بن جحشؓ غزوۂ بدر واحد مین شریک تھے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہین کہ جنگ احد کے ایک روز پہلے مین نے اور عبداللہ نے ایک ساتھ دعا مانگی تھی، میرے الفاظ یہ تھے "اے خدا! کل جو دشمن میرے مقابلہ مین آئے، وہ نہایت بہادر اور غضبناک ہو تاکہ مین تیری راہ مین اس کو قتل کرون" عبداللہ نے آمین کہا پھر دست بدعا ہوئے "خدایا! مجھے ایسا مقابل عطا کر جو نہایت شجاع اور سریع الغضب ہو، مین تیری راہ مین اس سے معرکہ آرا ہون یہانتک کہ وہ مجھے قتل کرکے ناک کان کاٹ ڈالے، جب مین تجھ سے ملون گا اور تو فرمائے گا اے عبداللہ تیرے کان، ناک کیون کاٹے گئے؟ تو عرض کرون گا تیرے لئے اور تیرے رسول کے لئے" ان کو اپنی یہ تمنا اس قدر متوقع الحصول نظر آتی تھی کہ قسم کھا کھا کر کہتے تھے "خدایا! مین تیری قسم کھاتا ہون کہ مین دشمن سے لڑون گا، یہانتک کہ وہ مجھے قتل کرکے میرا مثلہ کرے گا"[1]

شہادت — غرض، شوال ۳ھ سنیچر کے روز معرکۂ کارزار گرم ہوا، حضرت عبداللہ بن جحشؓ اس جوش سے لڑے کہ تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھجور کی چھڑی مرحمت فرمائی جس نے ان کے ہاتھ مین تلوار کا کام دیا، دیر تک لڑتے رہے، بالآخر اسی حالت مین ابوالحکم

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۳۱،

ابن اخنس ثقفی کے وار نے شہادت کی تمنا پوری کردی، مشرکین نے مثلہ کیا اور ان کے ناک کان کاٹ کر دھاگے میں پروئے، حضرت سعدؓ نے دیکھا تو بولے "خدا کی قسم عبد اللہ کی دعا میری دعا سے بہتر تھی"[1]

چالیس برس سے کچھ زیادہ عمر پائی، اپنے ماموں سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کے ساتھ ایک ہی قبر میں مدفون ہوئے[2]، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ"

اخلاق | گذشتہ واقعات سے ان کے مذہبی جوش و وارفتگی کا اندازہ ہوا ہوگا، جفاکشی اُن کی فطرت میں داخل تھی، چنانچہ نخلستان کی مہم پر مامور کئے گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھیوں سے فرمایا تھا، گو عبد اللہ بن جحش تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہے تاہم بھوک پیاس کی سختیوں کو زیادہ برداشت کرسکتا ہے[3]، خدا اور رسول کی محبت نے ان کو تمام دنیا سے بے نیاز کردیا تھا، مختصر اگر کوئی تمنا تھی تو صرف یہ کہ جانِ عزیز کسی طرح راہ خدا میں نثار ہو جائے چنانچہ یہ آرزو پوری ہوئی، اور المجدع فی اللہ یعنی گوشت بریدۂ راہِ خدا اُن کے نام کا فصل امتیازی ہوگیا،[4]

حلیہ | حلیہ یہ تھا قد میانہ، سر کے بال نہایت گھنے،[5]

اولاد | حضرت عبد اللہؓ کے ازواج و اولاد کی تفصیل معلوم نہیں، غالباً ایک لڑکا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ولی تھے، اور آپ نے اس کے لئے خیبر میں جائداد بھی خرید فرمائی تھی،[6]

حضرت عکاشہ بن محصنؓ

نام، نسب | عکاشہ نام، ابو محصن کنیت، محصن بن حرثان کے نورِ نظر تھے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۳۱، [2] ایضاً ص ۱۳۲، [3] اصابہ تذکرہ عبد اللہ بن جحش [4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۳۲ [5] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۳ [6] ایضاً،

عکاشہ بن محصن بن حرثان بن قیس بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمۃ الاسدی،
ایام جاہلیت میں بنی عبد شمس کے حلیف تھے[۱]

اسلام و ہجرت | مکہ میں قبل ہجرت بادۂ ایمان سے مخمور ہوئے، ساقی اسلام نے جب یثرب کا رخ
کیا تو یہ بھی قدح خواران توحید کے ساتھ مدینہ پہنچے[۲]

غزوات | غزوۂ بدر میں غیر معمولی جانبازی و شجاعت کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، ان کی تیغ
دودم ریزے ریزے ہو کر رہ گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھجور کی ایک چھڑی مرحمت فرمائی
جس نے خنجر خارا شگاف بنکر دشمن کا صفایا کر دیا، وہ آخر وقت تک اس سے لڑتے رہے، یہاں تک
کہ حق نے فتح پائی اور باطل مغلوب ہوا[۳]

اس معرکہ کے علاوہ احد، خندق اور تمام دوسری مشہور جنگوں میں جوش و پامردی کے ساتھ
نبرد آزما تھے، ماہ ربیع الاول سنہ ہجری میں چالیس آدمیوں کی ایک جمعیت کے ساتھ بنو اسد
کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مدینہ کی راہ میں چشمۂ غمر پر خیمہ افگن تھے، حضرت عکاشہؓ نہایت تیزی
کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے موقع پر جا پہنچے لیکن وہ خائف ہو کر پہلے ہی بھاگ گئے تھے، اس لئے
کوئی جنگ پیش نہ آئی، صرف دوسو اونٹ اور بھیڑ بکریاں گرفتار کر کے لے آئے[۴]

شہادت | سنہ ۱۲ھ میں خلیفۂ اولؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو طلیحہ کی بیخ کنی پر مامور فرمایا جس نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علم نبوت بلند کیا تھا، حضرت عکاشہؓ اپنے رہوار رزام اور حضرت
ثابت بن اقرمؓ اپنے گھوڑے محبر پر سوار ہو کر اس فوج کے آگے آگے طلیعہ کی خدمت انجام دے
رہے تھے، اتفاقاً راہ میں غنیم کے سواروں سے مڈبھیڑ ہو گئی، جس میں خود طلیحہ اور اس کا بھائی سلمہ بن
خویلد شامل تھا، طلیحہ نے حضرت عکاشہؓ پر حملہ کیا اور سلمہ حضرت ثابت بن اقرمؓ پر جا پڑا، اور وہ شہید

[۱] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲ [۲] ایضاً ص ۳ [۳] استیعاب تذکرۂ عکاشہ [۴] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۱

ہوئے تو طلیحہ نے پکار کر کہا، سلمہ! جلدی میری مدد کو آؤ، یہ مجھے قتل کئے ڈالتا ہے، وہ فارغ ہو چکا تھا اس لئے یکایک ٹوٹ پڑا اور دونوں نے اس شیر کو نرغہ میں لے کر شہید کر دیا۔[1]

تجہیز و تکفین | اسلامی فوج ظفر موج جب ان دونوں شہیدانِ ملت کے قریب پہنچی تو ایسے جواہر پاروں کے فقدان کا سب کو نہایت شدید قلق ہوا، حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے جسم پر نہایت خوفناک زخم تھے اور تمام بدن چلنی ہو گیا تھا، حضرت خالد بن ولید امیر عسکر گھوڑے سے اتر پڑے اور تمام فوج کو روک کر اسی خون آلودہ پیراہن کے ساتھ زیر زمین نہاں کیا،[2] اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

فضل و کمال | فضل و منقبت کے لحاظ سے اکابر و سادات صحابہ میں شمار تھا، صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں، کان من سادات الصحابۃ وفضلائھم،[3] ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ستر ہزار آدمی بغیر حساب کتاب بخشدیئے جائیں گے، انھوں نے معصومانہ سادگی کے ساتھ عرض کی "یا رسول اللہ! میں"، فرمایا "تم بھی ان ہی میں ہو"، اس پر ایک دوسرے شخص نے اپنی نسبت پوچھا تو ارشاد ہوا "عکاشہ تم پر سبقت لے گیا"، اس واقعہ کے بعد سے یہ جملہ ضرب المثل ہو گیا، اور جب کوئی کسی پر سبقت لے جاتا تو کہتے "فلاں عکاشہ کی طرح سبقت لے گیا"۔[4]

حضرت ابوحذیفہ رض

نام، نسب | ہشیم نام، ابو حذیفہ کنیت، والد کا نام عتبہ اور والدہ کا نام ام صفوان تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:۔ ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی۔[5]

اسلام | حضرت ابو حذیفہ رض کے والد عتبہ ان ذی اثر رؤسائے قریش میں تھے جنھوں نے اسلام کی مخالفت میں اپنی پوری طاقت صرف کر دی تھی لیکن ارادۂ خداوندی میں کون مانع ہو سکتا

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۲۷ [2] ایضاً [3] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳ [4] بخاری [5] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۷۱

ہے؟ خود عتبہ کے لختِ جگر حضرت ابوحذیفہؓ نے اس وقت داعیِ اسلام کو لبیک کہا جب کہ بظاہر اس دعوت کے کامیاب ہونے کی کوئی صورت نہ تھی اور فرزندانِ توحید کی ایک نہایت مختصر جماعت کسمپرسی کے ساتھ اسیرِ پنجۂ ظلم وجفا تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک ارقم بن ابی الارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔[1]

ہجرت حضرت ابوحذیفہؓ سرزمینِ حبش کی دونون ہجرتون مین شریک تھے، ان کی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیلؓ بھی رفیق سفر تھین، چنانچہ محمد بن ابی حذیفہؓ حبش ہی مین پیدا ہوئے تھے،[2] حبش سے مکہ واپس آئے، یہان ہجرت کی تیاریان ہو رہی تھین، اس بنا پر اپنے غلام حضرت سالمؓ کو ساتھ لے کر مدینہ پہنچے اور حضرت عباد بن بشرؓ کے مہمان ہوئے،[3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونون مین باہم مواخات کرادی،[4]

غزوات عہدِ نبوی کے تمام اہم مشہور معرکون مین جوش وپامردی کے ساتھ سرگرمِ کارزار تھے خصوصاً غزوۂ بدر مین کیسا عبرت انگیز منظر تھا جب کہ ایک طرف سے ان کے والد اور دوسری طرف سے یہ جوہرِ شجاعت دکھارہے تھے، حقانیت کے جوش نے خویش وبیگانہ کی تمیز اٹھادی تھی، انھون نے اپنے والد کو مقابلہ کے لئے للکارا، اس پر ان کی بہن ہند بنت عتبہ نے اشعارِ ذیل مین ملامت کی،[5]

الاحول الاثعل المشئوم طائرہ	ابوحذیفۃ شر الناس فی الدین
احول بڑے دانت والا جس کا طائرِ بخت شوم ہے	یعنی ابوحذیفہ جو مذہب مین نہایت برا ہے۔
اما شکرت ابا رباک من صغر	حتی شببت شبابا غیر محجون
کیا تو اپنے باپ کا مشکور نہیں ہو جس نے بچپن سے تیری پرورش کی	یہان تک کہ تو نے بے داغ جوانی پائی،

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۵۹ [2] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۷۰ [3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۵۹، [4] استیعاب تذکرۂ ابوحذیفہؓ [5] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۵۹،

معرکۂ بدر میں عتبہ بن ربیعہ اور اکثر رؤسائے قریش تہ تیغ ہوئے اور ایک غار میں ڈالدیئے گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرداً فرداً نام لے کر فرمایا، اے عتبہ! اے شیبہ! اے امیہ بن خلف! اے ابو جہل! کیا تم نے وعدۂ الٰہی کو حق پایا؟ مجھ سے تو جو کچھ وعدہ ہوا تھا وہ سچ ثابت ہوا،[1] ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اس وقت حضرت ابوحذیفہؓ کا چہرہ نہایت اداس تھا، آپ نے غمگین دیکھکر پوچھا، ابوحذیفہ! شاید تم کو اپنے باپ کا کچھ افسوس ہے، عرض کی خدا کی قسم نہیں! مجھے اس کے مقتول ہونے کا صدمہ نہیں ہے لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ایک ذی عقل، پختہ کار وصاحب رائے شخص تھا اس بنا پر امید تھی کہ وہ دولت ایمان سے متمتع ہوگا، لیکن جب کہ حضور نے حالت کفر پر اس کے مرنے کا یقین دلادیا تو مجھے اپنے غلط توقع پر افسوس ہوا،[2]

شہادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عہد صدیقی میں مسیلمہ کذاب نے یمامہ میں علم نبوت بلند کیا، دارالخلافت سے جو فوج اس کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئی اس میں شریک ہوئے اور داد شجاعت دیکر ۵۴ برس کی عمر میں واصل بحق ہوئے،[3] اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن،

اخلاق حضرت ابوحذیفہؓ اپنی اخلاقی بلندی کے لحاظ سے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کی صف میں نہایت ممتاز نظر آتے ہیں، حق پسندی، جفاکشی وجوش ایمان کا اندازہ گذشتہ واقعات سے ہوا ہوگا، غلاموں کے ساتھ نہایت شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے، حضرت سالمؓ ان کی بیوی حضرت ثبیتہ انصاریہؓ کے غلام تھے، انھوں نے ان کو آزاد کردیا تو حضرت ابوحذیفہؓ نے اپنا متبنی بنالیا، چنانچہ وہ عموماً سالم بن ابی حذیفہ کے نام سے مشہور تھے،[4]

حضرت ابوحذیفہؓ نہایت غیور تھے، قرآن پاک نے جب اس کی تصریح کردی کہ منہ بولا بیٹا محرم نہیں ہوتا توان کو حضرت سالمؓ کا زنانخانہ میں آنا جانا ناگوار گذرنے لگا، چنانچہ ان کی زوجۂ محترمہ

[1] بخاری جلد ۲ ص ۵۶۶ [2] سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۶۹ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۶۱ [4] ایضاً،

حضرت سہلہ بنت سہیل رضؓ نے دربار نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی "یا رسول اللہ! سالم اپنے لڑکے کی طرح گھر میں آتا جاتا تھا، لیکن ابو حذیفہ کو ناگوار گذرتا ہے" ارشاد ہوا کہ اس کو دودھ پلا دو تو تمہارا محرم ہو جائے گا۔[1] غرض اس طرح متبنّیٰ ہونے کے ساتھ وہ رضاعی فرزند بھی ہو گئے۔

حلیہ | یہ تھا قد بلند و بالا، چہرہ خوبصورت، چشم احول، سامنے کی طرف ایک دانت زیادہ۔

ازدواج | حضرت ابو حذیفہ رضؓ نے متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں، سہلہ رضؓ بنت سہیل، آمنہ بنت عمرو، ثبیتہ بنت یعار انصاریہ۔[2]

اولاد | محمد بن ابی حذیفہ حضرت سہلہ رضؓ کے بطن سے حبش میں پیدا ہوئے، حضرت عثمان رضؓ کی مخالفت میں پیش پیش تھے، طرفداران امیر معاویہ رضؓ کے ہاتھ سے مصر میں مقتول ہوئے، عاصم بن ابی حذیفہ رضؓ حضرت آمنہ بنت عمرو رضؓ سے پیدا ہوئے، چونکہ یہ دونوں لاولد فوت ہوئے، اس لئے حضرت ابو حذیفہ رضؓ کا سلسلۂ نسل منقطع ہو گیا۔[3]

حضرت سالم رضؓ مولیٰ ابی حذیفہ رضؓ

نام و نسب | سالم نام، ابو عبد اللہ کنیت، والد کے نام میں اختلاف ہے، بعض عبید بن ربیعہ اور بعض معقل لکھتے ہیں، یہ ایرانی الاصل ہیں، اصطخر ان کا آبائی مسکن تھا، حضرت ثبیتہ رضؓ بنت یعار انصاریہ رضؓ کی غلامی میں مدینہ پہنچے، انہوں نے آزاد کر دیا، تو حضرت ابو حذیفہ رضؓ نے ان کو اپنا متبنّیٰ کر لیا، اس لحاظ سے ان میں انصار و مہاجر کی دونوں حیثیتیں مجتمع ہیں۔[4]

وہ عموماً سالم بن ابی حذیفہ کے نام سے مشہور تھے، حضرت ابو حذیفہ رضؓ بھی ان کو اپنے لڑکے کی طرح سمجھتے تھے اور اپنی بھتیجی فاطمہ بنت ولید سے بیاہ دیا تھا، لیکن جب قرآن میں یہ آیت نازل

[1] بخاری [2] طبقات ابن سعد ص ۵۹، [3] ایضاً [4] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۴۵

ہوئی "ادعوھم لاٰبائھم" یعنی لوگوں کو اپنے نسبی آبار کے انتساب سے پکارا کرو، تو حضرت سالمؓ بھی
ان کے بجائے موالیٰ ابی حذیفہ کے لقب سے مشہور ہوئے،[1]

حضرت سالمؓ جوان ہوئے اور قرآن نے خود ساختہ ابوت و بنوت کے تعلق کو کالعدم کردیا تو
حضرت ابو حذیفہؓ کو ان کا زنان خانہ میں آنا جانا ناگوار گذرنے لگا، چنانچہ ان کی بیوی حضرت سہلہ
بنت سہیلؓ نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوکر عرض کی "یا رسول اللہ! سالم کو ہم اپنا لڑکا سمجھتے تھے
اور وہ ہمیشہ گھر میں آتا جاتا تھا، لیکن اب ابو حذیفہ کو ناگوار گذرتا ہے" ارشاد ہوا کہ اس کو دودھ پلا دو
تو وہ تمھارا محرم ہوجائے گا، غرض اس طرح وہ حضرت ابو حذیفہؓ کے رضاعی فرزند ہوگئے، لیکن ام المومنین
حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ یہ سالم کے لئے مخصوص اجازت تھی، ورنہ جوانی کی حالت میں رضاعت
ثابت نہیں ہوتی،[2]

اسلام و ہجرت حضرت سالمؓ غالباً مکہ میں حضرت ابو حذیفہؓ کے ساتھ مسکن گزیں تھے، دعوتِ
اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو انھوں نے ابتدا ہی میں لبیک کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو
عبیدہ بن الجراحؓ سے مواخات کرادی،[3]

ہجرت کے موقع میں حضرت ابو حذیفہؓ کے ہمراہ تھے، مدینہ پہنچکر حضرت عباد بن بشرؓ کے مہمان ہوئے
اور حضرت معاذ بن ماعص انصاریؓ سے مواخات ہوئی،[4]

غزوات غزوۂ بدر، احد، خندق اور عہد نبویؐ کی تمام جنگوں میں معرکہ آرا تھے، عہد صدیقی میں
یمامہ کی مہم پر بھیجے گئے، مہاجرین کا علم ان کے ہاتھ میں تھا، ایک شخص نے اس پر نکتہ چینی کی اور کہا
"ہم کو تمھاری طرف سے اندیشہ ہے، اس لئے ہم کسی دوسرے کو علمبردار بنائیں گے" بولے "اگر میں
بزدلی دکھاؤں تو میں سب سے زیادہ بدبخت حاملِ قرآن ہوں، یہ کہکر نہایت جوش کے ساتھ حملہ آور

[1] ابوداؤد کتاب النکاح باب فی من حرم [2] ایضاً [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۱، [4] ایضاً،

ہوئے اور درحقیقت انھون نے اپنے کو بہترین حاملِ قرآن ثابت کیا، اثنائے جنگ مین داہنا ہاتھ قلم ہوا تو بائین ہاتھ نے قائم مقامی کی، وہ بھی شہید ہوا تو دونون بازوؤن نے حلقہ مین لیکر لوائے توحید کو سینہ سے چمٹادیا، زبان پر یہ فقرہ جاری تھا،[1]

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ وَكَاَيِّنْ مِّنْ	محمد صرف ایک رسول ہین اور کتنے انبیاٗ
نَبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ	ایسے ہین جن کے ساتھ بہت سے اللہ
(آل عمران ع ۱۵)	والون نے جہاد کیا ہے،

شہادت زخمون سے چور ہو کر گرے تو پوچھا، "ابو حذیفہ نے کیا کیا؟" لوگون نے کہا، "شہید ہوئے" بولے "اس شخص نے کیا کیا جس نے مجھ سے اندیشہ ظاہر کیا تھا؟" جواب دیا گیا کہ وہ بھی شہید ہوئے فرمایا "مجھے ان دونون کے درمیان دفن کرنا"[2]

ابن سعد کی روایت ہے کہ جنگِ یمامہ کے موقع پر جب مسلمانون کے پاؤن پیچھے پڑنے لگے تو حضرت سالمؓ نے کہا، "افسوس! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو ہمارا یہ حال نہ تھا" وہ اپنے لئے ایک گڑھا کھود کر اس مین کھڑے ہو گئے اور علم سنبھالے ہوئے آخری لمحۂ حیات تک جانبازانہ شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے، اختتامِ جنگ کے بعد دیکھا گیا تو اس شہیدِ ملت کا سر اپنے منہ بولے باپ (حضرت) ابو حذیفہؓ کے پاؤن پر تھا،[3] اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ،

فضل وکمال حضرت سالمؓ ان بزرگون مین تھے جو طبقۂ صحابہؓ مین فنِ قرأت کے امام سمجھے جاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ قرآن چار آدمیون سے حاصل کرو یعنی ابن مسعودؓ سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ ابی بن کعب اور معاذ بن جبل سے،[4] خدائے پاک نے خوش گلو اس قدر بنایا تھا کہ جب آیاتِ قرآنی تلاوت فرماتے تو لوگون پر ایک عام محویت طاری ہو جاتی اور

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۴۶ [2] ایضاً [3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۶۱ [4] بخاری،

راہ گیر ٹھٹک کر سننے لگتے، ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونے میں دیر ہوئی، آپ نے توقف کی وجہ پوچھی تو بولیں کہ ایک قاری تلاوت کر رہا تھا، اس کے سننے میں دیر ہو گئی اور خوش الحانی کی اس قدر تعریف کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود چادر سنبھالے ہوئے باہر تشریف لے آئے، دیکھا تو سالم مولی ابی حذیفہ ہیں، آپ نے خوش ہو کر فرمایا، "خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہارے جیسے شخص کو میری امت میں بنایا"[۱]

حضرت سالم رضی اپنی خوش الحانی و حفظِ قرآن کے باعث صحابۂ کرام میں نہایت عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے جس قدر مہاجرین مدینہ پہنچے تھے، (حضرت) سالم مسجد قبا میں انکی امامت کرتے تھے[۲]

وہ مسجد قبا کے امام تھے، مہاجرین اولین جن میں حضرت ابو بکر رضی و حضرت عمر رضی بھی شامل تھے، اکثر ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے[۳]، غرض قرآنِ کریم کی برکت اور علم و فضل نے ان کو غیر معمولی عظمت و شرف کا مالک بنا دیا تھا،

حضرت عمر فاروق رضی ان کی بے حد تعریف فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ جب دم واپسیں کے وقت انہوں نے منصبِ خلافت کے متعلق وصیت فرمائی تو کہا "اگر سالم موجود ہوتے تو میں اس مسئلہ کو مجلس شوریٰ میں پیش ہونے نہ دیتا" یعنی وہ ان کو اپنا جانشین بناتے[۴]

اخلاق | حضرت سالم رضی کے قبولِ فضل پر محاسنِ اخلاق کا طغرا نہایت خوشنما ہے، گذشتہ واقعات سے ان کی استقامت، وفاشعاری و پارسائی کا اندازہ ہوا ہو گا، اہلِ حاجت کے لیے دستِ کرم کشادہ تھا، چونکہ کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے انہوں نے اپنے متروکہ مال و اسباب میں سے ایک

---

[۱] اصابہ تذکرۂ سالم [۲] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ العبد و المولی [۳] بخاری کتاب الاحکام [۴] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۴۶

ایک ثلث مختلف اسلامی ضروریات اور غلاموں کی گلو خلاصی کے لئے اور ایک ثلث اپنے سابق آقاؤں کے لئے وصیت فرمائی تھی، حضرت ابو بکرؓ نے ان کی سابق مالکہ حضرت ثبیتہ بنت یعارؓ کے پاس ان کا حصہ بھیجا تو انہوں نے لینے سے انکار کیا اور بولیں کہ میں نے بغیر امید صلہ آزاد کیا تھا، اس لئے حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اس حصّہ کو بیت المال میں داخل فرمادیا،[1]

حضرت عبیدۃ بن الحارثؓ

نام ونسب عبیدہ نام، ابو الحارث یا ابو معاویہ کنیت، والد کا نام حارث، اور والدہ کا نام سخیلہ تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے:۔ عبیدہ بن الحارث بن المطلب بن عبد مناف بن قصی القرشی،[2]

اسلام حضرت عبیدہؓ حضرت ابو سلمہ بن اسدؓ، حضرت عبد اللہ بن ارقمؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک ارقم بن ابی الارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے[3] مکہ میں حضرت بلالؓ ان کے اسلامی بھائی قرار پائے،[4]

ہجرت مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا تو حضرت عبیدہؓ اور ان کے دونوں بھائی حضرت طفیلؓ، حضرت حصینؓ اور حضرت مسطح بن اثاثہؓ ایک ساتھ روانہ ہوئے، اتفاقاً راہ میں حضرت مسطح کو بچھو نے ڈنک مارا، اس لئے وہ پیچھے چھوٹ گئے، لیکن دوسرے روز خبر ملی کہ وہ نقل و حرکت سے بالکل مجبور ہیں تو پھر واپس آئے اور ان کو اٹھا کر مدینہ لائے، یہاں حضرت عبد الرحمن بن سلمہ عجلانی نے خوش آمدید کہا اور لطف و محبت کے ساتھ میزبانی کا حق ادا کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ

[1] استیعاب تذکرہ سالم مولی ابی حذیفہ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۵۶ [3] ایضاً ص ۳۵۷، [4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۳۵،

وسلم نے تشریف لانے کے بعد حضرت عمیر بن حمام انصاری رضی سے مواخات کرادی اور مستقل سکونت کے لئے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا جس مین ان کا تمام خاندان آباد ہوا،[۱]

غزوات | ہجرت کے آٹھ مہینے بعد ماہ شوال مین ساٹھ مہاجرین کے ایک دستہ پر افسر مقرر ہو کر مشرکین قریش کی دیدبانی کے لئے وادی رابغ کی طرف بھیجے گئے، تاریخ اسلام مین یہ دوسرا لوائے امارت تھا جو حضرت عبیدہ رضی کو عطا ہوا،

وہ رابغ کے قریب پہنچے تو ابو سفیان کی زیر امارت دو سو مشرکین کی ایک جمعیت سے مٹ بھیڑ ہوئی لیکن جنگ خونریزی کی نوبت نہ آئی صرف معمولی طور سے چند تیر دن کا تبادلہ ہوا،[۲]

غزوۂ بدر | اس مہم کے بعد حق و باطل کی پہلی کشمکش یعنی غزوۂ بدر مین شریک ہوئے، صف آرائی کے بعد مشرکین کی طرف سے عتبہ، شیبہ اور ولید نے نکلکر "ھل من مبارز" کا نعرہ بلند کیا، لشکر اسلام سے چند انصاری نوجوان مقابلہ کے لئے بڑھے تو انھون نے پکار کر کہا کہ "محمد! ہم ناجنسون سے نہین لڑ سکتے، ہمارے مقابل والون کو بھیجو،" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی حضرت حمزہ رضی اور حضرت عبیدہ رضی کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، جنبش لب کی دیر تھی کہ یہ تینون نبرد آزما بہادر نیزے ہلاتے ہوئے اپنے اپنے حریف کے سامنے جا کھڑے ہوئے، حضرت عبیدہ رضی اور ولید مین دیر تک کشمکش جاری رہی، یہان تک کہ دونون زخمی ہوگئے، چونکہ حضرت علی رضی اور حضرت حمزہ رضی اپنے دشمنون سے فارغ ہو چکے تھے، اس لئے وہ ایک ساتھ ولید پر ٹوٹ پڑے اور اس کو تہ تیغ کر کے حضرت عبیدہ رضی کو میدان جنگ سے اٹھا لائے،[۳]

حضرت عبیدہ رضی کا ایک پاؤن شہید ہوگیا تھا اور تمام بدن زخمون سے چور تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تسکین خاطر کے لئے ان کے زانو پر سر مبارک رکھدیا، انھون نے عرض

[۱] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۳۵ [۲] ایضاً [۳] ابوداؤد کتاب الجہاد باب المبارزہ،

کی "یارسول اللہ! اگر ابوطالب مجھے دیکھتے تو انھیں یقین ہوجاتا کہ میں ان سے زیادہ ان کے اس قول کا مستحق ہوں، [۱]

ونسلمہ حتی نصرع حولہ   ونذھل عن ابنائنا والحلائل

ہم محمدؐ کی حفاظت کریں گے یہاں تک کہ ان کے اردگرد مارے جائیں گے اور اپنے بچوں اور بیویوں سے غافل ہوجائیں گے،

اختتام جنگ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر سے واپس آئے لیکن زخم ایسے کاری تھے کہ جانبر نہ ہوسکے، ترسٹھ برس کی عمر میں داعیِ جنت کو لبیک کہا اور مقام صفراء کی خاک پاک نے ان کو اپنے دامن میں چھپالیا، [۲] اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ،

فضل وکمال — ان کو دربارِ نبوت میں غیر معمولی رفعت حاصل تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نہایت قدر فرماتے تھے، ایک دفعہ آپ مقام صفراء میں خیمہ افگن ہوئے، صحابۂ کرامؓ نے عرض کی "یارسول اللہ یہاں مشک کی لپٹ آتی ہے" فرمایا "یہاں ابومعاویہ کی قبر موجود ہوتے ہوئے تمھیں اس پر تعجب کیوں ہے؟" [۳]

حلیہ — یہ تھا قد میانہ، رنگ گندم گوں اور چہرہ خوبصورت، [۴]

اولاد — حضرت عبیدہؓ نے متعدد بیویوں سے حسب ذیل لڑکے اور لڑکیاں یادگار چھوڑیں، [۵] معاویہ، عونؔ، منقذ، حارث، محمد، ابراہیم، ریطہ، خدیجہ، سخیلہ، صفیہ،

حضرت شماس بن عثمانؓ

نام ونسب — شماس نام، والد کا نام عثمان، اور والدہ کا نام صفیہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے،

[۱] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۵۵ [۲] ایضاً [۳] استیعاب تذکرۂ عبیدہ بن الحارث [۴] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۵ [۵] ایضاً

شماس بن عثمان بن الشرید بن ہرمی بن عامر بن مخزوم القرشی المخزومی،

ہشام کلبی کی روایت ہے کہ ان کا اصلی نام عثمان تھا، شماس اس لئے نام پڑا کہ ایک دفعہ ایام جاہلیت میں ایک نہایت حسین وجمیل نصرانی جس کا چہرہ آفتاب کی طرح چمکتا تھا مکہ آیا، لوگ اس کے غیر معمولی حسن وجمال پر سخت متعجب تھے، عتبہ بن ربیعہ نے (جو حضرت شماسؓ کا ماموں تھا) دعوی کیا کہ اس کے پاس اس سے زیادہ بہتر شماس یعنی رخ تابان موجود ہے، اور مقابلہ میں حضرت ابن عثمانؓ کو پیش کیا، چنانچہ اس دن سے ان کا نام ہی شماس ہوگیا،[1]

اسلام | حضرت شماسؓ اور ان کی والدہ حضرت صفیہ بنت ربیعہؓ نے بھی ابتدا ہی میں دعوتِ توحید پر صدائے لبیک بلند کیا تھا،[2]

ہجرت | مشرکین کے ظلم سے مجبور ہوکر راہِ حبش ہوئے، حضرت صفیہؓ بھی ہمراہ تھیں، وہاں سے واپس آکر پھر مدینہ کی راہ لی اور حضرت مبشر بن عبد المنذرؓ کے مہمان ہوئے، یہاں حضرت حنظلہ ابن ابی عامر انصاریؓ سے مواخات ہوئی،[3]

غزوات | غزوۂ بدر واحد میں جانبازی وپامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، معرکۂ احد میں جب کہ اتفاقاً جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، غازیانِ اسلام کی فتح شکست سے مبدل ہوگئی اور صرف چند جان نثار میدان میں رہ گئے تو حضرت شماسؓ بھی ان ہی پروانوں میں تھے جو شمع نبوت کے ارد گرد فداکاری کے جوہر دکھا رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں شماس کے لئے "سپر" کے سوا کوئی تشبیہ نہیں پاتا، آپ چپ وراست جس طرف دیکھتے حضرت شماسؓ ہی سربکف نظر آتے، غرض انھوں نے اپنے آپ کو مہبطِ وحی والہام کے لئے سپر بنا دیا، یہاں تک کہ زخموں سے چور ہوکر گر گئے، اختتامِ جنگ کے بعد دیکھا گیا تو دمِ واپسین کے چند انفاس باقی تھے،

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۷۵ [2] استیعاب تذکرہ شماس [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۵،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مدینہ اٹھا کر لائے گئے، حضرت ام سلمہؓ ان کی تیمارداری پر مامور ہوئیں لیکن اس فدائے ملت کا فرض پورا ہو چکا تھا، دربارِ خداوندی سے حصولِ انعام کی دعوت آچکی تھی، ایک شبانہ روز توقف کے بعد انھون نے داعیِ حق کو لبیک کہا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسی خونین پیرہن کے ساتھ بغیر نماز جنازہ احد کے گورِ شہیدان مین دفن کرنے کا حکم دیا،[1] غرض چونتیس برس کی عمر مین سپرد خاک ہوئے،[2] اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ راجعون،

حلیہ | حضرت شماسؓ نہایت حسین و خوبرو تھے، چنانچہ اسی تابانی رخ نے ان کو شماس کے نام سے مشہور کیا،[3]

اولاد | ایک لڑکا عبد اللہ اور ایک لڑکی ام حبیب یادگار چھوڑی، لیکن یہ دونون لاولد فوت ہوئے اس لئے سلسلۂ نسل منقطع ہو گیا،[4]

حضرت شجاع بن وہبؓ

نام، نسب | شجاع نام، ابو وہب کنیت، والد کا نام وہب تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے: شجاع بن وہب بن ربیعہ بن اسد بن صہیب بن مالک بن کبیر بن غنم بن دودان بن خزیمہ، ایامِ جاہلیت مین ان کا خاندان بنو عبد شمس کا حلیف تھا،[5]

اسلام و ہجرت | حضرت شجاعؓ ان بزرگون مین ہین جنھون نے ابتدا ہی مین داعیِ توحید کو لبیک کہا تھا، اور مشرکین کے دستِ تظلم سے مجبور ہو کر سرزمینِ حبش کی دوسری ہجرت مین شریک ہوئے تھے،[6]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۴ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۷۶ [3] ایضاً [4] ایضاً [5] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۶ [6] اصابہ جلد ۳ ص ۱۳۸،

حبش میں جب یہ افواہ پھیلی کہ تمام قریش مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گردن اطاعت خم کردی ہے تو وطن کی محبت ان کو پھر مکہ کھینچ لائی، لیکن یہاں پہونچکر افواہ غلط ثابت ہوئی، اس لئے چند روز قیام کے بعد متلاشیانِ امن کے ساتھ مدینہ پہنچے، یہاں حضرت اوس بن خولی سے مواخات ہوئی،[1]

غزوات بدر، احد اور تمام دوسرے مشہور غزوات میں شریک تھے،[2] ماہ ربیع الاول سنہ ۸ھ میں بنو ہوازن کی ایک جماعت کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مدینہ سے پانچ دن کی مسافت پر مقام رسّی میں خیمہ افگن تھی، حضرت شجاع اپنے ساتھ چوبیس جانباز مجاہدین کی ایک جمعیت لیکر دن کو چھپتے ہوئے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے یکایک ان پر جا پڑے اور شکست دے کر بہت سے اونٹ اور بھیڑ بکریاں چھین لائے، مالِ غنیمت کی کثرت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ہر ایک سپاہی کو پندرہ پندرہ اونٹ ملے تھے دیگر اسباب وسامان اس کے علاوہ تھا،[3]

سفارت غزوۂ حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر سلاطینِ عالم کے پاس دعوتِ اسلام کے خطوط روانہ فرمائے، اسی سلسلہ میں حضرت شجاع بن وہبؓ بھی حارث ابن ابی شمر غسانی کے پاس (جو دمشق کے قریب مقام غوطہ کا رئیس تھا) سفیر بناکر بھیجے گئے خط کے ابتدائی فقرے یہ تھے،[4]

بسم اللہ الرحمن الرحیم،	نام خدا کیساتھ جو بڑا مہربان اور رحیم
من محمد رسول اللہ الی الحارث	محمد رسولِ خدا کی طرف سے حارث بن
ابن ابی شمر سلام علی من اتبع	ابی شمر کو اسلام ہے اس پر جو ہدایت کی

[1] استیعاب تذکرہ شجاعؓ [2] استیعاب تذکرہ شجاع [3] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۲

[4] زاد المعاد جلد ۲ ص ۵۹

اهدی وامن بہ وصدق وانی	پیروی کرے، ایمان لائے اور تصدیق کرے
ادعوک الی ان تومن باللہ وحدہٗ	بیشک مین تم کو اس خدا پر ایمان لانے کی
لاشریک لہ یبقی لک ملکک،	دعوت دیتا ہون جو ایک ہے اور اس کا کوئی
	شریک نہین (اسی صورت مین) تمھاری
	سلطنت باقی رکھی جائے گی،

حارث کو خدا نے اس دعوت پر لبیک کہنے کی توفیق نہ دی لیکن اس کے وزیر "مری" نے اسلام قبول کیا اور حضرت شجاعؓ کی معرفت بارگاہِ نبوت مین پیام و سلام بھیجکر پوشیدہ طور سے دین حنیف پر قائم رہنے کی خبر دی،[1]

شہادت | چالیس برس سے کچھ زیادہ عمر پاکر جنگِ یمامہ مین شہید ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون[2]

حلیہ | یہ تھا طویل القامت، لاغر اندام اور بال نہایت گھنے تھے[3]

حضرت محرز بن نضلہؓ

نام و نسب | محرز نام اور ابو نضلہ کنیت ہے لیکن عموماً اخرم اسدی کے لقب سے مشہور تھے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:- محرز بن نضلہ بن عبد اللہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی، یہ ایام جاہلیت مین بنو عبد شمس کے حلیف تھے[4]

اسلام و ہجرت | قبول اسلام کا زمانہ متعین نہین تاہم مومنین سابقین مین ہین، مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو انصار کے قبیلۂ عبد الاشہل نے ان کو اپنا حلیف بنا لیا اور حضرت عمارہ بن حزمؓ سے اسلامی بھائی چارہ ہوا،[5]

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۲ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۰۷ [5] طبقات ابن سعد قسم ۱ جلد ۳ ص ۶۷

غزوات | غزوۂ بدر، احد اور خندق مین جانبازی و شجاعت کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، غزوۂ
ذی قرد کی معرکہ آرائی ان کا سب سے شاندار اور آخری کارنامہ ہے،[1] اس کی تفصیل یہ ہے،

شہادت | سنہ ۶ھ مین بنو فزارہ نے مدینہ کی چراگاہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹون پر چھاپا مارا اور
نگہ بان کو قتل کرکے اونٹون کو اپنے ساتھ لے چلے حضرت سلمہ بن الاکوع رض موقع واردات کے
قریب موجود تھے، انھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت رباح رض کو گھوڑے پر سوار
کرکے اطلاع کے لئے مدینہ بھیجا اور خود پہاڑ پر چڑھ کر یا صباحاہ کا نعرہ بلند کیا اور دیر تک تنہا
تیرون اور پتھرون سے ان غارت گرون کا مقابلہ کرتے رہے، اسی اثنا مین درختون کے جھنڈ سے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوار نکلتے ہوئے نظر آئے، سب سے آگے حضرت اخرم اسدی رض یعنی محرز بن
نضلہ اور ان کے پیچھے حضرت ابو قتادہ انصاری رض اور حضرت مقداد بن اسود رض تھے، حضرت سلمہ رض نے
حضرت اخرم رض کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا، اخرم! آگے نہ بڑھو، مجھے ڈر ہے کہ غنیم تم کو گھیر کر آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب سے ملنے نہ دے گا، بولے سلمہ! اگر تم خدا اور قیامت پر ایمان رکھتے
ہو تو میری شہادت مین حائل نہ ہو، یہ جملہ کچھ ایسے جوش مین ادا ہوا تھا کہ حضرت سلمہ رض نے باگ
چھوڑ دی اور وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے عبد الرحمن فزاری کے سامنے جا کھڑے ہوئے، انھون نے
ایک ایسا وار کیا کہ عبد الرحمن کا گھوڑا کٹ کر ڈھیر ہو گیا، لیکن اس کا نیزہ بھی خالی نہ گیا، حضرت
محرز شہید ہو کر فرش خاک پر آ گئے اور وہ اچھل کر ان کے گھوڑے پر سوار ہو گیا، تاہم حضرت ابو قتادہ
پیچھے موجود تھے انھون نے اس کو واصل جہنم کرکے ان کا انتقام لیا،[2]

شہادت کے وقت حضرت محرز بن نضلہ رض کی عمر تقریباً ۳۷ یا ۳۸ سال تھی،[3]

فضل و کمال | گذشتہ واقعہ سے ان کے غیر متزلزل ایمان و شوق شہادت کا اندازہ ہوا ہوگا، شہادت

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۳ ص ۶۷، [2] مسلم جلد ۲ باب غزوۂ ذی قرد و [3] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۰۷

سے چند دن پہلے انھون نے خواب مین دیکھا تھا کہ آسمان کے دروازے ان کے لئے کھولدیے گئے اور وہ عالم بالا کی سیر کرتے ہوئے ساتوین آسمان اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے ہین، یہان ان سے کہا گیا کہ یہی تمھارا مسکن ہے،

دوسرے روز انھون نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو تعبیر رویا مین کمال رکھتے تھے اس خواب کو بیان کیا، انھون نے فرمایا، احزم! تمھین شہادت کی بشارت ہو، چنانچہ چند ہی دنون کے بعد اس بشارت نے واقعہ کی صورت اختیار کی، اور غزوۂ ذی قرد کی شہادت نے ان کو سدرۃ المنتہیٰ کے دائمی مسکن مین پہنچادیا،[1]

حلیہ | رنگ سپید اور مجموعی حیثیت سے حسین وخوبصورت تھے،[2]

حضرت شقران صالح رضی اللہ عنہ

نام ونسب | صالح نام، شقران لقب، اور والد کا نام عدی تھا، یہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حبشی نژاد غلام تھے، لیکن اس غلامی مین بھی سیادت مقدر تھی، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی خدمتگذاری کے لئے پسند فرمایا، اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو قیمت دے کر خرید لیا، بعض روایتون سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھون نے بلا معاوضہ نذر کیا تھا،[3]

غزوات مین عموماً مال غنیمت اور قیدیون کی حفاظت پر مامور ہوتے تھے، اور غنیمت مین حصہ پانے کے بجائے جن کے قیدیون کی نگرانی کرتے تھے وہ بطور خود معاوضہ دیتے تھے، چنانچہ غزوۂ بدر مین ان کو اس قدر معاوضہ ملا کہ مال غنیمت مین حصہ پانے والون سے بھی زیادہ نفع مین رہے،[4]

غزوۂ بدر مین انھون نے اس احتیاط و مستعدی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے کہ آنحضرت

---

[1] طبقات ابن سعد قسم ۲ جلد ۳ ص ۶۷، [2] ایضاً، [3] اصابہ جلد ۲ ص ۱۵۳، [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۴،

صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر آزاد فرما دیا،

غزوۂ مریسیع میں شکست خوردہ غنیم کے مال و اسباب، سامانِ جنگ، بھیڑ، بکریاں اور ان کے ذریات کو جمع کرنے پر مامور ہوئے[۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خدمات سے اس قدر خوش تھے کہ وفات کے وقت آپ نے مخصوص طور سے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت فرمائی، حضرت شقران حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں اہل بیت کے ساتھ شریک تھے[۲] غرض یہ آخری خدمت تھی جو اس غلامِ جان نثار نے اپنے شفیق آقا کے لئے انجام دی،

اس میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت شقران نے مدینہ میں سکونت اختیار کی یا بصرہ میں توطن گزین ہوئے کیونکہ ان کا ایک مکان بصرہ میں بھی تھا،[۳] اسی طرح جائے وفات اور زمانہ بھی متعین نہیں،

حضرت عمیر بن ابی وقاصؓ

نام و نسب عمیر نام، والد کا نام ابو وقاص اور والدہ کا نام حمنہ بنت سفیان بن امیہ تھا، یہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران کے حقیقی بھائی تھے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے: عمیر بن ابی وقاص بن وہب بن سفیان بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی،[۴]

اسلام حضرت عمیرؓ کے برادر اکبر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ان روشن ضمیر بزرگوں میں تھے جنہوں نے ابتدا ہی میں داعیٔ اسلام کو لبیک کہا تھا، اس زمانہ میں حضرت عمیرؓ گو نہایت کمسن تھے تاہم فطری سلامت طبع اور حق شناس عمر کی قید و بند سے آزاد ہوتی ہے، انہوں نے اس عہدِ طفولیت

---

[۱] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۴ [۲] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۳ [۳] اصابہ جلد ۳ ص ۱۵۳ [۴] اسد الغابہ تذکرہ عمیر بن ابی وقاص

بہن بھائی کا ساتھ دیا اور ساقیِ اسلام صلعم کے ایک ہی جام نے ان کو نشۂ توحید سے مخمور کر دیا، [۱]

ہجرت | ۱۴ برس کا سن تھا کہ جام بلاکشانِ اسلام کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ پہنچے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وابستگی کیلئے حضرت سعد بن معاذؓ رئیسِ قبیلۂ عبد الاشہل کے چھوٹے بھائی حضرت عمرو بن معاذؓ سے بھائی چارہ کرا دیا، یہ دونوں تقریباً ہم سن تھے، [۲]

غزوۂ بدر | ۲ھ میں مجاہدینِ اسلام غزوۂ بدر کے خیال سے عَلَمِ نبوی کے نیچے جمع ہوئے تو یہ بھی اس مجمع میں پہنچ گئے، ان کے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے یہ دیکھ کر کہ وہ مضطرب و بیقرار ادھر اُدھر چھپتے پھرتے ہیں، پوچھا "جانِ برادر یہ کیا ہے؟" بولے "بھائی جان! میں بھی اس جنگ میں شریک ہونا چاہتا ہوں، شاید خدا شہادت نصیب کرے، لیکن خوف ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مجھے چھوٹا سمجھ کر واپس فرما دیں گے" [۳]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب تمام جاں نثار یکے بادیگرے معائنہ کے لئے پیش ہوئے تو حضرت عمیرؓ کا خوف درحقیقت نہایت صحیح ثابت ہوا، کیونکہ آپ نے ان کی صغر سنی کا خیال کرکے فرمایا "تم واپس جاؤ" حضرت عمیرؓ یہ سنکر بے اختیار رونے لگے، اس طفلانہ گریہ و بکا کے ساتھ ان کے وفورِ جوش اور شوقِ شہادت نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر خاص اثر کیا اور جنگ میں شریک ہونے کی اجازت مل گئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دستِ مبارک سے ان کے تلوار باندھی، [۴]

شہادت | حضرت عمیرؓ کی عمر اس وقت صرف ۱۶ سال کی تھی، اچھی طرح اسلحہ سے آراستہ ہونا بھی نہ جانتے تھے، بھائی نے میان میں تلوار باندھ دی، اور وفورِ جوش نے کفار کے نرغہ میں گھسا دیا، دیر تک شجاعانہ لڑتے رہے، بالآخر اسی حالت میں خورشیدِ تمنا جلوہ گر ہوا، یعنی عمرو بن عبد ود کی تلوار

---

[۱] اسد الغابہ تذکرۂ عمیرؓ بن ابی وقاص [۲] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۰ [۳] ایضاً [۴] مستدرک جلد ۳ ص ۱۸۸

نے شہادت کی آرزو پوری کردی، انا للہ وانا الیہ راجعون،[۱]

حضرت عامر بن ربیعہ رضؓ

نام ونسب عامر نام، ابو عبد اللہ کنیت اور والدہ کا نام ربیعہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:۔ عامر ابن ربیعہ بن کعب بن مالک بن ربیعہ بن عامر بن سعد بن عبد اللہ بن الحارث بن رفیدہ بن عنز بن وائل، ان کے سلسلۂ نسب مین سخت اختلاف ہے تاہم ارباب سیر عام طور پر ان کو عنزی لکھتے ہین، عنز وائل کے لڑکے اور بکر و تغلب کے بھائی تھے جن کی خونریز معرکہ آرائیان اب تک زبان زد خاص وعام ہین،[۲]

ان کا خاندان حضرت عمرؓ کے والد خطاب کا حلیف تھا جنھون نے فرطِ محبت سے حضرت عامرؓ کو متبنی کرلیا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ پہلے عامر بن الخطاب کے نام سے مشہور تھے لیکن جب قرآن شریف نے ہر ایک کو اپنے اصلی آبار واجداد کی طرف انتساب کا حکم دیا تو اس زمانہ سے حضرت عامرؓ بھی خطاب کے بجائے اپنے نسبی والد ربیعہ کی نسبت سے زبان زد ہوئے،[۳]

اس حلیفانہ تعلق کے باعث حضرت عامرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ مین بھی آخر وقت تک نہایت دوستانہ تعلقات قائم رہے، حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کا سفر کیا تو یہ ہم کاب تھے اسی طرح جس سال حضرت عثمانؓ کو جانشین کر کے حج کے لئے تشریف لے گئے تو اس سفر مین بھی ان کو اپنا رفیق بنایا،[۴]

اسلام حضرت عامر بن ربیعہؓ ان خوش نصیب بزرگون مین ہین جنھون نے ابتدا ہی مین داعی توحیدؐ کو لبیک کہا تھا، اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی الارقمؓ کے مکان مین

۱؎ مستدرک جلد ۳ ص ۱۸۸، ۲؎ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۸۰، ۳؎ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۲۸۱، ۴؎ اصابہ جلد ۲ ص ۲۴۹

پناہ گزین ہوئے تھے،[1]

ہجرت | شرک و توحید کی کشاکش اور کفار کے دستِ تظلم نے ان کو بھی مکہ مین چین سے رہنے نہ دیا، دو دفعہ اپنی زوجۂ محترمہ حضرت لیلیٰ بنت ابی حثمہؓ کو ساتھ لے کر امن و اطمینان کی تلاش مین ملک حبش تشریف لے گئے، پھر وہان سے واپس آکر سرزمینِ یثرب کی راہ لی، ان کا بیان ہے کہ اس وقت تک صرف حضرت ابو سلمہؓ بن عبد الاسد مدینہ پہنچے تھے، لیکن صحیح یہ ہے کہ ان سے پہلے چند اور حضرات بھی پہنچ چکے تھے، البتہ ان کی بیوی حضرت لیلیٰ بنت حثمہؓ کو عورتون مین اولیت کا شرف حاصل ہے،[2]

غزوات | بدر، احد، خندق اور تمام دوسرے غزوات مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے مہمات مین بھی شریک ہوئے، اور نہایت جفاکشی و جان کاہی سے اعلاء کلمۃ اللہ کا فرض انجام دیا، اپنے صاحبزادہ حضرت عبد اللہ بن عامرؓ سے اکثر فخر و مباہات کے ساتھ ان شاندار کارنامون کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے، ایک روز اثنائے گفتگو مین بولے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگون کو مہمات پر بھیجتے تھے اور عسرت و ناداری کے باعث سامانِ رسد مین صرف تھوڑی سی کھجورین ساتھ کر دیتے تھے جو پہلے ایک ایک مٹھی سب کو ملتی تھین، اس کے بعد کم ہوتے ہوتے صرف ایک ایک کھجور کی نوبت آجاتی تھی، حضرت عبد اللہؓ نے متعجب ہو کر پوچھا "ایک ایک کھجور سے کس طرح کام چلتا ہوگا؟" فرمایا "جانِ پدر! ایسا نہ کہو بسا اوقات جب کھجورین ختم ہو جاتی تھین تو ہم لوگ اس ایک کھجور کے لئے بھی ترس جاتے تھے"[3]

شورش سے کنارہ کشی اور وفات | حضرت عثمانؓ کے آخری عہدِ خلافت مین جب فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا تو حضرت عامر بن ربیعہؓ نے غایتِ تقویٰ کے باعث عزلت نشینی اختیار کر لی، دن، رات

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ۳ ص ۲۸۱ [2] ایضاً ص ۲۸۲ [3] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۴۴۶،

روزہ، نماز اور درود و وظائف مین مشغول رہتے، ایک رات دیر تک مصروفِ عبادت رہے، یہان تک کہ اسی حالت مین آنکھ لگ گئی تو خواب مین بشارت ہوئی، "اٹھ! خدا سے دعا کر کہ وہ تجھے اس فتنہ سے بچائے، جس سے اس نے اپنے دوسرے نیک بندون کو محفوظ رکھا ہے"، حضرت عامرؓ اسی وقت اٹھ بیٹھے اور دوگانہ ادا کر کے نہایت خشوع و خضوع سے بارگاہِ رب الحاجات مین دست بدعا ہوئے، غرض اس بشارت غیبی نے ان کی گوشہ نشینی کو پہلے سے زیادہ سخت کر دیا اور اس کے بعد ان کو کسی نے گھر سے باہر نکلتے بھی نہ دیکھا، یہان تک کہ اسی حالت مین بیمار ہوئے اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے چند دنون بعد وفات پائی، عزلت نشینی کے باعث لوگون کو یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ کب بیمار ہوئے؟ اور کب وفات پائی، یکایک جنازہ پر نظر پڑی تو سب متحیر رہ گئے،[1]

اخلاق | قدامتِ ایمان اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے شرفِ صحبت نے ان کو اخلاقِ کریمانہ سے آراستہ کر دیا تھا، گذشتہ بالا مختصر واقعات سے ان کی جفاکشی، تقویٰ اور زہد کا اندازہ ہوا ہوگا،

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ۳ ص ۲۸۷،۲۹۰

دار المصنفین کی نئی کتاب

تاریخ اندلس

حصہ اول

مرتبہ

(مولانا سید ریاست علی ندوی)

اندلس پر اردو میں بکثرت مضامین اور کتابیں لکھی گئیں، اور بکثرت عربی و انگریزی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا گیا، لیکن پھر بھی ایک محققانہ اور مستند کتاب کی ضرورت باقی تھی، اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہی، جو درحقیقت دار المصنفین کے پیش نظر سلسلۂ تاریخ اسلام کی ایک اہم کڑی ہے، اس کی متعدد جلدین ہین جو زمانہ کی مساعدت کے ساتھ بتدریج شائع ہون گی، اس جلد مین اندلس کے طبعی و تاریخی جغرافیہ کے بعد اس کی قدیم تاریخ کو روشناس کیا گیا ہے پھر اندلس پر مسلمانون کے حملون کے اسباب دکھائے گئے ہین، اس کے بعد فاتح اندلس طارق بن زیاد (92ھ / 711ء تا 93ھ / 712ء) سے لیکر عہد بعہد کے اُن ولاۃ کا ذکر آیا ہے، جو مرکزی حکومت کی طرف سے یہان حکمرانی کرتے رہے، پھر وہ دور آیا ہے، جب اندلس مین امویون کی آزاد سلطنت قائم ہوئی، اور ملک کے اقتدار اعلیٰ کی زمام اسی ملک مین آگئی، یہ پہلی جلد امویون کے چوتھے حکمران عبد الرحمن اوسط (تا 238ھ / 852ء) کے دور پر تمام ہوئی ہے، جس مین اندلس کی مفصل سیاسی تاریخ کے ساتھ اسکی علمی و تمدنی تاریخ بھی آگئی ہے، قیمت :- معہ

منیجر

(طابع و ناشر صدیق حسن)